آئینہ در آئینہ

(منظوم خود نوشت سوانح حیات)

حمایت علی شاعر

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

Himayat Ali Shair
KANEFF CRESCENT
APT: 512-3695 MISSISSAUGA. L5A 4B6
ONT. CANADA
Ph: 905-281-1914 , Cell: 647-271-2136
o
C.B.45,Al-Falah Society,Shah Faisal Colony,
Karachi-75230. Pakistan.
Ph: 92-21-4571322 / 021-5409540

پاکستان کی نئی نسل کے نام

اشاعت دوم	2008ء
اہتمام	اوجِ کمال
کمپوزنگ	شیرازی شاعر
قیمت	300 روپے

ماہنامہ دنیائے ادب کراچی
623، 6 فلور، ریگل ٹریڈ اسکوائر ریگل چوک، صدر کراچی 74400۔ پاکستان
Ph: 92-21-8480816 / 021-2744987
Cell: 0300-2797271 E-mail: dunyaeadab@yahoo.com

بامن میاویز ائے پدر، فرزندِ آزر را نِگر
ہر کس کہ شُد صاحب نظر دینِ بزرگاں خوش نہ کرد

غالبؔ

ہدیۂ خلوص

میرے عزیز دوست، حمایت کی زندگی
کیا ہے اگر نہیں ہے وہ لبریزِ شہد و قند
اُس کا حسین لہجہ اور اُس کی یہ داستاں
قاری وہ کون ہے کہ نہیں ہے جسے پسند
اِس داستانِ شوق میں دیکھا کہ ہر جگہ
جذبات ہیں عمیق تو افکار ہیں بلند
میں اِس کی داد، دوں تو بھلا کس طرح سے دوں
جہل اور تابہ علم، بھرے کس طرح زقند
دل تھا اِسی خیال میں میرا کہ غیب سے
آئی صدا کہ جس سے ہوا شوق بہرہ مند
اُس نے کہا یہ مجھ سے کہ شاعر کو یوں لکھو
'ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند'

میں کچھ نہ کہوں اور یہ چاہوں کہ مری بات
خوشبو کی طرح اڑ کے ترے دل میں اتر جائے

حمایت علی شاعر

ترتیب

- حرفِ اول — حمایت علی شاعر
- آئینہ در آئینہ — منظوم خودنوشت سوانح حیات
- حرف حرف روشنی — ایک طویل نظم 'بچوں کے نام'
- حمایت علی شاعر (ایک نظر میں) — رشید شکیب

آئینہ در آئینہ

اس بار وہ ملا تو عجب اس کا رنگ تھا
الفاظ میں ترنگ نہ لہجہ دبنگ تھا
اِک سوچ تھی کہ بکھری ہوئی خال وخط میں تھی
اِک درد تھا کہ جس کا شہید انگ انگ تھا
اِک آگ تھی کہ راکھ میں پوشیدہ تھی کہیں
اِک جسم تھا کہ روح سے مصروفِ جنگ تھا

میں نے کہا کہ یار تجھے کیا ہوا ہے یہ
اُس نے کہا کہ عمرِ رواں کی عطا ہے یہ
میں نے کہا کہ عمر، رواں تو سبھی کی ہے
اُس نے کہا کہ فکر و نظر کی سزا ہے یہ
میں نے کہا کہ سوچتا رہتا تو میں بھی ہوں
اُس نے کہا کہ آئینہ رکھا ہوا ہے یہ

دیکھا تو میرا اپنا ہی عکسِ جلی تھا وہ
وہ شخص میں تھا اور حمایت علی تھا وہ

حرف اول

'آئینہ در آئینہ' ایک طرح سے میری منظوم خودنوشت سوانح حیات کا 'حرف آخر' ہے جو میں نے اب سے پندرہ بیس سال پہلے ایک نظم کی صورت میں لکھ دیا تھا۔

ایک دن صہبا لکھنوی نے کہا 'تمہیں یاد ہے 1956ء میں 'آگ میں پھول' کے حوالے سے پروفیسر ممتاز حسین نے تمہاری شاعری کے بارے میں کیا لکھا تھا'۔

'حمایت کی شاعری اگر ایک طرف اپنی خودنوشت سوانح عمری ہے تو دوسری طرف قومی تاریخ کا آئینہ بھی۔۔۔،

'تم جو مختلف نظموں میں اپنی زندگی کی جھلکیاں دکھاتے رہتے ہو۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ باضابطہ اپنی 'سوانح حیات' لکھ ڈالو؟' صہبا نے مشورہ دیا۔

'اور منظوم لکھ دو تو کیا کہنے۔۔۔ شعری ادب میں پہلا تجربہ ہوگا' نکہت بریلوی نے لقمہ دیا، اور میں سوچنے لگا۔

میں نے کتنے ہی منظوم ڈرامے اور طویل افسانوی نظمیں لکھیں، اپنی تاریخ پر محیط منظوم تمثیلیں اور نئی نسل کے لیے منظوم 'نصیحتیں اور وصیتیں' لکھ ڈالیں۔ غنائیے اور عام نظموں اور غزلوں کے علاوہ مختصر ترین پیمانہ شعر 'ثلاثی' میں بھی خود کو آزمایا۔۔۔

کیا میں اس تجربے سے بھی بہ سلامت گزر جاؤں گا؟

اپنی سوانح حیات لکھنا، دوبارہ جنم لینے اور دوسری زندگی از سرِ نو گزارنے کے مترادف ہے۔۔۔ اور پھر منظوم!!

نکہت۔۔۔تم تو خوشبو کی طرح ایک بات کہہ جاتے ہو اور وہ بات میرے دل میں اتر کر رہ جاتی ہے۔مگر اب۔۔۔!

اک آگ کا دریا ہے اور تیر کے جانا ہے

خدا کرے، میرے سینے میں دھڑکتا ہوا 'گل گامش' راز حیات کی جستجو میں اپنے 'اُت اَنا پشتم' تک پہنچ جائے۔۔۔خدا کرے

O

یہ تحریر میں نے مجلّہ 'شخصیت' کے 'حمایت علی شاعر نمبر' (جولائی ۱۹۹۶ء) میں اپنی سوانح حیات کی (بارہ اقساط کے ساتھ) ابتدائیے کے طور پر لکھی تھی۔ یہ منظوم داستان اگست ۱۹۹۵ء سے ستمبر ۱۹۹۹ء تک 'ماہنامہ افکار' (کراچی) میں ماہ بہ ماہ چھپتی رہی ہے۔آخری قسط جو پاکستان کے تازہ ترین واقعات اور اپنی کیفیات کا آئینہ تھی

یار زندہ۔۔۔صحبت باقی

کہہ کر ختم کر دی گئی۔ یہ سوچ کر کہ آنے والا 'کل' تو ابھی آنکھ اوجھل ہے جب وہ 'تصور' سے اتر کر 'تصویر' میں آئے گا، میں اُسے شاعری کے فریم میں سجا کر اپنی سوانح میں آویزاں کر دوں گا۔ ویسے بھی میں عمر کی اُس منزل میں ہوں جسے 'حاصلِ عمر' کہا جائے تو بہتر ہے' چنانچہ میں اپنی طرف دیکھنے کی بجائے اپنے بچوں سے مخاطب ہو گیا۔ میری طویل نظم 'حرف حرف روشنی' اپنے بچوں کی معرفت پاکستان میں نو آبادکاروں کی نئی نسل سے خطاب کا عنوان ہے ؎

مرے لہو کے چراغو، مرے جگر پارو
سنو، یہ میری نصیحت بھی ہے، وصیت بھی
میں آج تم میں ہوں موجود، کل نہیں ہوں گا
مگر جو تم ہو، تو میں ہوں سدا سلامت بھی

یہ نظم۔۔۔کل، آج اور کل کے درمیان ایک خلا کو پُر کرتی ہے۔ ہمارا وہ ماضی جو تاریخ میں دفن ہو چکا، وہ حال جو غیر یقینی ہے اور وہ مستقبل جو تصور میں آباد ہے۔۔۔۔میرے خیال میں وہ 'مستقبل' اُسی وقت ایک خوبصورت تصویر میں ڈھل سکتا ہے جب ہم اُسے 'دیدہ ورانہ' انداز میں دیکھ سکیں۔ اُس کی تشکیل میں اپنا خونِ جگر صرف کر دیں اور اُسے اپنی زندگی بنا لیں اور یہ کام ہماری نئی نسل ہی کر سکتی ہے۔ اِس طرح ہم 'آئینہ در آئینہ' خود کو بھی دیکھتے رہیں گے۔

یہ سوانح حیات ایک فرد کی معرفت، ایک تاریخ کا بھی آئینہ دکھاتی ہے۔ اِس میں مسائل کا تجزیہ بھی ہے اور وہ نقطہ نگاہ بھی جو ہمارے معاشرے میں ابھی تک 'شجر ممنوعہ' کی حیثیت رکھتا ہے۔

اردو نثر میں خود نوشت سوانح حیات بہت لکھی گئی ہیں مگر اردو نظم میں یہ 'پہلا تجربہ' ہے۔ میں اِسے پہلا تجربہ اِس لیے بھی کہہ رہا ہوں کہ اِس میں واقعات، تاریخی حوالوں کے ساتھ مرتب ہوئے ہیں۔

اِس میں مجھے کہاں تک کامیابی ہوئی ہے۔۔۔یہ مجھے آپ یا شعر و ادب کے ناقدین بتائیں گے۔ میں نے زندگی بھر جو کچھ لکھا ہے اُن میں یہ نظم سب سے طویل ہے دوسری بات یہ کہ آزاد، معریٰ اور نثری کے اِس دور میں، میں نے (ایک بحر میں) یہ پابند نظم لکھی ہے اور یوں، اپنا امتحان بھی لیا ہے۔

حمایت علی شاعر

آئینہ در آئینہ

(منظوم خودنوشت سوانح حیات)

۱

یہ شہر، جس کو سب **اورنگ آباد** کہتے ہیں
یہاں پہ صدیوں سے میرے بزرگ رہتے ہیں
بہت زمانہ ہوا، اِس کا نام 'کھڑکی' تھا
جو **فتح خان** کے ہاتھوں **فتح نگر** بھی ہوا
پھر اُس کے بعد مغل دست برد میں آیا
اور اُس پہ پڑ گیا اورنگ زیب کا سایا
یہ آج بھی ہے، اُسی بادشاہ سے منسوب
'**وہ بات کل تھی** جو ناخوب، آج ہو گئی خوب'
اُسی کی گود میں **ایلورہ** اور **اجنتا** ہے
وہ '**خلد آباد**' ہے جو اولیاء کا گوشہ ہے
یہیں پہ **دولت آباد** کا وہ قلعہ ہے
جو شہر دیو گڑھی کا عظیم ورثہ ہے

اورنگ آباد۔(عمومی تلفظ) میرا آبائی وطن (مہاراشٹر) **فتح خان** (ملک عنبر کا بیٹا) **فتح نگر**۔عمومی تلفظ۔**وہ بات**۔تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا (اقبال) **ایلورہ** (اورنگ آباد سے نو میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی سلسلہ جسے میلوں تک کھود کر غار بنائے گئے اور اُن غاروں میں ہندوستانی دیومالا (اساطیر) مورتیوں کی صورت میں تراش دی گئیں۔**اجنتا** (اورنگ آباد سے ۶۰ میل کے فاصلے پر ایسی ہی پہاڑیاں' جن کے غاروں میں رنگین تصویریں بنائی گئی ہیں اور جن کے رنگ آج بھی محفوظ ہیں۔کہا جاتا ہے کے یہ غار دو یا تین ہزار سال پہلے تراشے گئے تھے۔**خلد آباد**۔عمومی تلفظ۔**دولت آباد**۔(اضافت کے ساتھ ضرورت شعری) دیوگڑھی کا نیا نام، جس کے مشہور قلعے کو علاء الدین خلجی نے فتح کیا تھا۔

وہ نہر جو **ملک عنبر** کی تھی بنائی ہوئی
جو **گاؤمکھ** سے تھی ہر ایک گھر میں لائی ہوئی
وہ آبِ سرد کا اور آبِ گرم کا مخزن
وہ اپنے دور کے فنکار کا کرشمۂ فن
وہ جوئے شیر سی چھوٹی سی 'دودھنا ندی'
ہے اب بھی جس کے قریب آبشارِ **پن چکی**
حسین مسجد و مندر، حسین درگاہیں
خدا کی سمت وہ جاتی ہوئی حسیں راہیں
وہ **مقبرہ** وہ دکن کا حسین 'تاج محل'
وہ 'بادشاہی محبت' کا ایک راج محل
وہ اونچی اونچی فصیلیں، **بلند دروازے**
درونِ خانہ کے ہم راز، 'بند دروازے'

O

یہ اِک طویل کہانی ہے، چھوڑیے اِس کو
مآل اس کا غلامی ہے، چھوڑیے اس کو

ملک عنبر۔ دکن کا حبشی حکمران جس سے 'نہر عنبری' منسوب ہے۔ **گاؤمکھ**۔ نہر عنبری کا منبع (گچ کے وہ ستون جس سے گرم اور ٹھنڈا پانی بیک وقت الگ الگ نلوں سے آتا تھا، جنہیں انگریزوں نے تحقیق کے دوران توڑ دیا) **پن چکی**۔ نہر عنبری سے یہ 'پن چکی' چلتی تھی اور نگ آباد میں آج بھی موجود ہے۔ **مقبرہ**۔ گچ کی عمارت جو بالکل تاج محل جیسی ہے اور 'مقبرہ رابعہ دورانی' کے نام سے مشہور ہے (رابعہ دورانی، اورنگ زیب کی بیوی کا نام تھا جس کی عرفیت 'دلرس بانو' بھی تھی) **بند دروازے**۔ اورنگ آباد کی 'فصیل' میں اکیس دروازے تھے، جن میں اب پانچ یا چھ باقی رہ گئے ہیں۔ دہلی دروازہ۔ روشن دروازہ۔ پٹن دروازہ۔ بھڑکل دروازہ۔ رنگین دروازہ اور محمود دروازہ۔

منافقت ہے، سیاست ہے، بادشاہت ہے
ہزار سال سے اپنی یہی روایت ہے
ہر ایک راز، مشیت کے راز کے مانند
'رموزِ مملکت خویش، خسرواں دانند'
فرنگیوں کی سیاست سے کون ہے آگاہ
زوالِ عہدِ مغل ہے عروجِ **آصف جاہ**
دکن میں ایک **ریاست** کی جب پڑی بنیاد
یہاں بھی آ کے بہت لوگ ہو گئے آباد
اُنہیں میں تھے مرے اجداد، لوگ کہتے ہیں
یہ سب تھی رزق کی بیداد، لوگ کہتے ہیں

O

جو لوگ مہر بہ لب تھے وہ آج بولتے ہیں
زبانِ حال سے ماضی کے راز کھولتے ہیں
ولؔی، سراؔج، شفیؔق اور صفؔی کے لہجے میں
حقیقتیں ہیں فروزاں، ادب کے پردے میں

آصف جاہ۔ سلطنت آصفیہ کا بانی، میر قمرالدین خاں نظام الملک آصف جاہ اول۔ **ریاست**۔ حیدرآباد دکن۔ **ولؔی**۔ ولؔی اورنگ آبادی جنہیں ولؔی دکنی اور ولؔی گجراتی بھی کہتے تھے۔ **سراج**۔ سراؔج اورنگ آبادی۔ **شفیق**۔ لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی (تذکرہ 'چمنستان شعراء' کے مصنف ۱۷۶۲ء) **صفی**۔ صفؔی اورنگ آبادی۔

O

یہ شہر جس میں **اساطیر** کا اجالا ہے
یہ شہر جس میں **طریقت** کا بول بالا ہے
کیا تھا جس نے بغاوت کا اولیں در باز
جہاں سے ہوتا ہے **گوریلا** جنگ کا آغاز
وہ مرہٹہ، وہ مغل سلطنت کا اِک باغی
مرے دکن کا وہ خوشحال خان شیواجی

O

وہ کلیاتِ وؔلی ہو کہ **گلشنِ گفتار**
مری زبان کے ہیں اولین نقش و نگار
وہی زباں، جو ہے دکنی بھی اور اردو بھی
وہ شاعری کہ ہے جس میں، زمیں کی خوشبو بھی

اساطیر (دیومالا) **طریقت** (تصوف) **گوریلا** جنگ۔ 'مغل شہنشاہیت' کے خلاف مرہٹہ سردار 'شیواجی' کی لڑائی، جس کی فوج میں بہت سے 'مسلمان' بھی تھے۔ اسی دور میں 'خوشحال خاں خٹک' بھی تھا (پشتو زبان کا مشہور شاعر جس کی سو نظموں کا انگریزی ترجمہ ۱۸۸۲ء میں لندن سے شائع ہوا) جس نے پٹھانوں کو مغلوں سے آزاد کرانے کے لیے سرحد کے افغانی قبائل کی ایک جمعیت قائم کی تھی۔ خوشحال خان پر علامہ اقبال نے بھی ایک نظم لکھی تھی جو 'بالِ جبریل' میں موجود ہے۔ **گلشن گفتار**۔ حمید اورنگ آبادی کا لکھا ہوا تذکرہ شعراء، جس کا سال تحریر بھی وہی ہے جو میر تقی میرؔ کے تذکرہ 'نکات الشعراء' کا ہے یعنی ۱۷۵۲ء (بعض محققین نے اِسے اردو کا 'اولین تذکرہ' کہتے ہیں)

O

یہیں رکھی ہے 'بِنائے ترقیِ اردو'
یہیں سے پھیلی ہے اردو زبان کی خوشبو
اس **انجمن** کے ہیں بانی، جناب عبدالحق
محقق اور مجسّم کتاب، عبدالحق
یہیں سے نکلا ہے پہلا رسالہ 'اردو'
جگا رہا ہے جو اردو زبان کا جادو
ہمارے شہر میں **کالج** کی ڈال کر بنیاد
کیا تھا کتنے ہی **اہلِ علوم** کو آباد
ہر ایک اہلِ نظر پر اُسی کا احساں ہے
ہمارے شہرِ سبا کا، وہی سلیماں ہے
اُسی کے سائے میں ہم سب نے آنکھ کھولی ہے
اُسی کی گود میں میری زبان بولی ہے

انجمن۔ انجمن ترقی اردو۔ **کالج**۔ عثمانیہ انٹرمیڈیٹ کالج (جہاں میں نے تعلیم پائی) جس کے پہلے پرنسپل بابائے اردو مولوی عبدالحق تھے۔ **اہلِ علوم**۔ انجمن ترقی اردو اور عثمانیہ کالج کے سبب جن ارباب علم و دانش کا نام اورنگ آباد سے وابستہ ہے، اُن کے نام ہیں اختر حسین رائے پوری۔ صدق جائسی۔ درد کاکوروی۔ آغا صادق سروش۔ میجر آفتاب حسن اور یعقوب عثمانی۔ سکندر علی وجد۔ (محقق) شیخ چاند اور (جماعت اسلامی کے بانی) مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا پیدائشی تعلق بھی اورنگ آباد اور اُس کے مضافات سے ہے۔

O

میں اپنے شہر پہ اِک نظم لکھ چکا تھا کبھی
مری کتاب میں شامل ہے، پڑھ چکے ہیں سبھی
گراں نہ گزرے تو اِک بار اور پڑھ لیجئے
یہ اپنے عہد کا 'سچ' ہے، بغور پڑھ لیجئے

زندگی اور پتھر

اورنگ آباد پر یہ نظم میں نے ۱۹۵۰ء میں 'پروڈیوسر ڈائریکٹر کشور ساہو' سے ملاقات کے بعد لکھی تھی۔ وہ اپنی فلم 'کالی گھٹا' کے کچھ مناظر فلمانے 'ایلورہ اور اجنتا' جاتے ہوئے چند روز اورنگ آباد میں ٹھہرے تھے۔ یہ نظم پہلی بار 'ادبِ لطیف' (لاہور) کے اکتوبر ۱۹۵۱ء کے شمارے میں اِسی حوالے سے شائع ہوئی تھی۔ بعد ازاں مرزا ادیب نے اِسے اپنی مرتب کردہ کتاب '۱۹۵۱ء کا بہترین ادب' میں بھی شامل کیا جو ۱۹۵۲ء میں مکتبہ اردو (لاہور) سے شائع ہوئی تھی۔

اجنتا کا نظارہ کرنے والو
اِدھر بھی اِک نگاہ طائرانہ

صنم خانے یہاں بھی کچھ ملیں گے
ذرا ذوقِ تجسس آزمانا

یہ شاہوں اور راجاؤں کی بستی
گناہوں کی کمیں گاہِ مقدس
محل زادوں کے حق میں خلد ساماں
رعایا کے لیے، تاریک محبس

ہزاروں سال سے اِس سر زمیں پر
مرے جمہور کی دنیا ہے ویراں
ہزاروں انقلابات آئے لیکن
شہنشاہی کی جنت ہے گل افشاں

یہی جنت، یہی تاریک محبس
مرے پھولوں کا، خاروں کا وطن ہے
سحر دم جن کو کفنایا گیا ہے
یہ اُن 'خورشید پاروں' کا وطن ہے

یہ گرد آلود کچے راستوں پر
شکستہ جھونپڑے، گرتے ہوئے کھم
کسی بوڑھے کی آنکھوں کی طرح چپ
کسی بیوہ کے دامن کی طرح، نم

سرِ بازار چلتی پھرتی لاشیں
جہالت' بھوک، بیماری کے بیٹے
گزرتے ہیں رہِ شام و سحر سے
دریدہ دامن ہستی سمیٹے

جوانی کی سحرگوں مسکراہٹ
لبوں کی قبر میں سوئی ہوئی ہے
نظر شمس و قمر کی تابناکی
خلاؤں میں کہیں کھوئی ہوئی ہے

یہ انساں، ہند کے آزاد انساں
جھکے شانے، فسردہ رُخ، نظر چپ

سنائیں کس کو آہوں کا فسانہ
خدا چپ، ناخدا چپ، بحر و بر چپ

اجنتا کا نظارہ کرنے والو
اجنتا کے بتوں میں کیا رکھا ہے
اجنتا ۔۔۔ پتھروں کی زندگانی
یہ بستی ۔۔۔ زندگی کا 'بت کدہ' ہے

۲

میں جس گھرانے کا ہوں فرد، مذہبی تھا بہت
'طریقتی' بھی تھا لیکن **'شریعتی'** تھا بہت
فقیہہ و قاضی و صوفی مرے 'اب وجد' تھے
بڑے نمازی، تہجد گزار، سیّد تھے
وفا شعار تھے، دیں دار تھے، سپاہی تھے
وطن پرست، 'اطاعت گزار شاہی' تھے

طریقتی۔ سید نور اللہ حسینی (میرے جد اعلیٰ۔ ایک صوفی بزرگ تھے جو محمد تغلق کے زمانے میں اورنگ آباد کے قریب 'رنجن گاؤں' میں آباد ہو گئے تھے۔ **شریعتی**۔ (میرے بزرگ 'مفتی ضیاء یار جنگ' جو ریاست میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے)

مرے بزرگ جو تھے دیں کے رہنماؤں میں
خدا کے نام پہ شامل تھے ناخداؤں میں
انہوں نے دین کی خدمت سے رفعتیں پائیں
زمیں کی شکل میں **'شاہی عنایتیں'** پائیں
مگر جو تھے مرے دادا، بہت قوی و جری
وہ جن کا اسمِ گرامی تھا، میر ببر علی
وہ فوج میں تھے، بڑے جانثار افسر تھے
بزرگ کہتے ہیں وہ 'بخت کے سکندر' تھے
وہ جو بھی تھے، کسی فوجی کی زندگی کتنی
سیاہ رات میں جگنو کی روشنی کتنی
نثارِ جاں کی، تو انعامِ خسروانہ ملا
زمیں کا قطعہ، برائے چراغِ خانہ ملا

O

زمیں تو دوست بھی ہوتی ہے اور دشمن بھی
یہ ایک 'بھاگ بھری' کو کرے 'ابھاگن' بھی

شاہی عنایتیں۔ ہمارا خاندان 'انعام داروں کا خاندان' کہلاتا ہے یعنی 'اعزاز یافتہ زمیندار' جو عام زمینداروں میں 'زیادہ معزز' سمجھے جاتے تھے۔

وہ کھیت جو مرے اجداد کی امانت تھے
وہ اُن کے پاس تھے جو ماہرِ خیانت تھے
جو فصل آئے وہ ڈھوروں کی نذر ہو جائے
اُگے اناج تو چوروں کی نذر ہو جائے
یہ ایک بیوہ کے سسرال کی کہانی ہے
فقیہہ و قاضی و مُلّا کی مہربانی ہے
وہ جس کے ساس سسر تھے نہ جیٹھ دیور تھے
جو تھے تو دادا کے کچھ 'یوسفی برادر' تھے
وہ گاؤں جو مرے اجداد کا گلستاں تھا
وہ گلستاں تھا کہاں، اب تو **'دشتِ کنعاں'** تھا
جہاں کہیں مرے دادا کی قبر ہے اس کو
میں **'چاہِ یوسفِ کنعاں'** کہوں تو بہتر ہو

O

سمجھ گئیں مری دادی ہر ایک کے تیور
وہ اپنے بچوں کو لے آئیں اپنے **'بھائی'** کے گھر

دشتِ کنعاں۔ مشرق وسطیٰ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا آبائی مقام، جہاں سے 'قحط کے سبب' انہوں نے اپنی امّت کے ساتھ مصر میں ہجرت کی تھی جہاں حضرت یوسفؑ حکومت فراعنہ میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ کہتے ہیں کہ 'راشننگ سسٹم' انہیں کی ایجاد ہے۔ **چاہ یوسف کنعاں** (وہ کنواں جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے سوتیلے بھائیوں نے زخمی کر کے ڈال دیا تھا۔ **بھائی۔** قاضی رکن الدین (پیپری جاگیر کے قاضی، میری دادی کے بھائی)

یہ گاؤں **'پیپری جاگیر'** جس کو کہتے ہیں
یہاں بھی میرے بہت سے عزیز رہتے ہیں
مگر عزیز بھلا کب عزیز ہوتے ہیں
جو زر ہو پاس تو پھر سب عزیز ہوتے ہیں
ہر ایک رشتہ یہاں رشتۂ تجارت ہے
یہ ایک جنسِ تجارت ہے جو محبت ہے
یتیم کب یہ محبت خرید سکتے تھے
یہ وقت وہ تھا کہ اپنے بھی سب پرائے تھے
زبان میٹھی سہی، پھر بھی زہر اگلتی ہے
جو چیز ڈستی ہے، وہ آستیں میں پلتی ہے
خدا کو یوں بھی غریبوں کو آزمانا تھا
کہ اپنا میکہ بھی اِک 'اجنبی گھرانہ' تھا
عجیب عالمِ بیچارگی تھا دادی پر
یہ وقت آنا تھا، ایسی شریف زادی پر

O

'تراب علی' (مرے والد) 'بڑے' تھے اور 'خوددار'
نکل پڑے وہ یہاں سے بھی، چھوڑ کے گھر بار

پیپری جاگیر (دادی اماں کا آبائی گاؤں) **تراب علی**۔ضرورت شعری کے طور پر میں نے اکثر 'ع' کو الف کا ہم آواز رکھا ہے (میرا خیال ہے اب اسے درست مان لینا چاہیے)

وہ شہر میں چلے آئے کہ کوئی کام کریں
اور اپنی ماں کی بھی خدمت کا اہتمام کریں
انہیں یہ غم تھا کہ تعلیم پا سکے نہ بہت
زمیں سے اٹھے، بلندی پہ جا سکے نہ بہت
بزرگ فوج میں تھے اور وفا شعار بھی تھے
اور اپنے **'ظلِ الٰہی'** کے جاں نثار بھی تھے
تو یہ ہوا، مرے دادا کی کام آئی **سند**
'اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند'
وہ نوجوان تھے، پولس میں نوکری کر لی
پڑھے لکھے تھے تو چھوٹی سی افسری کر لی
یہ داستاں ہے پرانی، مگر ضروری تھی
برائے 'نکتۂ اہلِ نظر' ضروری تھی

۳

'پٹن' کے **'قاضی کی بیٹی'** تھی، والدہ میری
بہت ہی بخت کی ہیٹی تھی، والدہ میری

ظل الٰہی۔(خدا کا سایہ) ریاست میں بادشاہ کو کہتے تھے۔نظامِ دکن (بادشاہ) **سند**۔فوجی خدمات کے صلے میں 'انعامات خسروانہ' کی اسناد۔**پٹن**۔دریائے گوداوری کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر۔**قاضی کی بیٹی** (میرے نانا، قاضی اسماعیل الدین کی دختر 'لطف النساء بیگم' (میری والدہ کا نام)

نہ ماں تھی سر پہ، نہ بھائی بہن، اکیلی تھی
نہ وہ کسی کی، نہ اُس کی کوئی سہیلی تھی
جو آس پاس تھے بچّے، وہ سب تھے سوتیلے
تو گھر میں کیوں کوئی اُس بدنصیب سے کھیلے
تمام دن ہی وہ گم سم رہے، اداس رہے
بس ایک سایہ تھا اپنا، جو اُس کے پاس رہے
مگر اندھیرے میں دیتا ہے کون کس کا ساتھ
بھرا جہان، یہ تنہائی اور خدا کی **'ذات'**
وہ کم سنی ہی سے بارگراں تھی سب کے لیے
بڑی ہوئی تو متاعِ زیاں تھی سب کے لیے
جو اس غریب پہ تھی مہرباں، تو دادی ماں
ہوئیں جو پیار سے سایہ کناں، تو دادی ماں
بہو بنا کے اسے لائیں اپنے گھر کے لیے
چراغ گھر میں جلائے گئے سحر کے لیے
شبِ برات تھی اُس رات اور دِوالی بھی
بہت ہی نیک قدم تھی، گھر آنے والی بھی
سنا ہے جب مرے ابّا ہوئے پولس افسر
سبھی عزیز بہت مہرباں ہوئے ہم پر

ذات۔صوتی قافیہ۔

وہ دادی ماں کا بہت ہی خیال رکھتے تھے
ہمیشہ جیب میں کچھ حسبِ حال رکھتے تھے
جو لوگ کھیتوں پہ قبضہ جمائے بیٹھے تھے
سنا ہے وہ بھی سروں کو جھکائے بیٹھے تھے
وہ **'گنگاپور'** ہو یا **'پیپری'** کہ **'رنجن گاؤں'**
ہر اِک مقام پہ پھیلی ہوئی تھی ٹھنڈی چھاؤں
عزیز، دھوپ میں چھتری اُٹھائے پھرتے تھے
سب ابا جان کے اب سائے سائے پھرتے تھے
وہ گرچہ خوب سمجھتے تھے رشتہ داروں کو
مگر انہوں نے سہارا دیا 'بچاروں' کو
پولس میں ہو کے بھی وہ دل گداز رکھتے تھے
غلط روی سے وہ ہر اِک کو باز رکھتے تھے
یہی سبب تھا کہ لوگوں میں ہو گئے محبوب
مگر وہ اپنے ہی دفتر میں تھے بہت معتوب
اگرچہ فرض و ضوابط کی حد میں رہتے تھے
وہ افسروں کے تلوّن کی زد میں رہتے تھے

گنگاپور۔پیپری۔رنجن گاؤں۔ یہ تینوں مقامات میرے ددھیالی گاؤں ہیں، جہاں ہماری آبائی زمینیں اور مکانات تھے۔ یہاں اب بھی میرے بہت سے رشتے دار رہتے ہیں۔

یہ دفترانہ سیاست ہے چھوڑیئے اِس کو
بہت پرانی روایت ہے، چھوڑیئے اِس کو

O

ہر آدمی کی تمنا ہے، اس جہاں میں رہے
اور اس کا نام و نشاں اپنے خانداں میں رہے
سو میرے گھر کی بھی ایسی مراد بر آئی
'کہ انتظار تھا جس کا، وہی سحر آئی'
'بہن' کے بعد **'میں'** جب اس جہان میں آیا
تو گویا اِک نیا سورج مکان میں آیا
جو خاندان کی قسمت جگانے والا تھا
اور اپنا شجرۂ آباء ' بڑھانے والا تھا
سنا ہے میری ولادت پہ شادیانے بجے
چراغ گھی کے جلے اور **'آستانے'** سجے
خوشی یہ تھی کہ **'ولی عہدِ'** خانداں آیا
تراب علی کے گھرانے کا پاسباں آیا

بہن۔حبیب النساء (میری بڑی بہن، جن کا انتقال بچپن میں ہوگیا تھا۔) **آستانے**۔نظام الدین مقبول الٰہی کی درگاہ جو اورنگ آباد میں ہے۔**ولی عہد**۔ریاست میں بڑے بیٹے کو عموماً 'ولی عہد' کے خطاب سے نوازا جاتا تھا چنانچہ بادشاہ کی پیروی میں ہم بھی اپنے گھر کے 'ولی عہد' تھے۔

'چچا' کا چیَن تو **'پھوپی'** کے دل کا ارماں تھا
پہ دادی ماں کی نظر میں بہو کا احساں تھا
وہ بار بار بہو کی بلائیں لیتی تھی
اتارتی تھی نظر، اور دعائیں دیتی تھی
دعائیں تھیں کہ چمن میں بہار آتی رہے
بہار آتی رہے اور گُل کِھلاتی رہے

O

بہار آئی مگر تھی خزاں بھی پہلو میں
نہ جانے زہر تھا کیسا گلُوں کی خوشبو میں
میں تین سال کا تھا، بس ہے مجھ کو اتنا یاد
کہ اِک جنازہ اٹھا، اور نالہ و فریاد
پھر آنسوؤں میں ہر اِک خاص و عام ڈوب گیا
بُکا و آہ میں، منظر تمام ڈوب گیا

چچا۔میر ممتاز علی۔ **پھوپی**۔(میرے والد کی چھوٹی بہن جن کی شادی پیپری جاگیر کے قاضی رکن الدین صاحب کے بڑے بیٹے قاضی شرف الدین سے ہوئی تھی۔ان کے بڑے بیٹے قاضی شفیع کو میرے والد نے میری خاطر گود لے لیا تھا۔اسی لیے وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہے۔وہ ایک اچھے افسانہ نگار بھی تھے ان کی شادی پاکستان میں ہوئی۔ماشاءاللہ ان کے نو بچّے ہیں اور سب ہی تعلیم یافتہ ہیں)

۴

میں سوچتا ہوں تو وہ دور یاد آتا ہے
بُھلانا چاہوں تو کچھ اور یاد آتا ہے
وہ ایک چھوٹا سا لڑکا، وہ ایک **'قبرستان'**
وہ ایک پیڑ کی چھاؤں، اداس اور سنسان
وہ کھوئی کھوئی سی آنکھوں میں جستجو کوئی
لرزتے ہونٹوں میں اپنے سے گفتگو کوئی
بس اِک خیال کہ اماں مِری' یہیں ہے کہیں
اِسی جگہ پہ اتاری گئی ہے زیرِ زمیں
یہاں سے اُس کو خدا نے بلا لیا شاید
زمیں سے اس کو فلک پر اٹھا لیا شاید
کبھی مجھے بھی بُلالے تو پھر مزہ آئے
یہاں پہ کون ہے جو ماں کی طرح اپنائے

O

بہت عجیب خیالوں کی رہ گزر تھا دماغ
سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا، منتشر تھا دماغ

قبرستان۔ قلعۂ ارک کا قبرستان جہاں سراج اورنگ آبادی کا مزار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ میری والدہ کی قبر بھی وہیں ہے۔

کبھی چچا تو کبھی پھوپھی مجھ کو سمجھائیں
کبھی خود ابّا کوئی 'جھوٹ' کہہ کے بہلائیں
مگر وہ 'سچ' جو کسی کی بھی دسترس میں نہ تھا
کسی کے ہاتھ نہ آیا، کسی کے بس میں نہ تھا

O

گزر رہے تھے مہ و سال اور گزرتے رہے
ہزار نقش سنورتے رہے، بکھرتے رہے
پھر ایک دن مری قسمت نے یہ ستم بھی کیا
کہ ماں کے بعد بہن کو بھی مجھ سے چھین لیا
وہی کہانی، جو ماں کی تھی، وقت نے دُہرائی
بھرا جہان تھا اور میں تھا اور مری تنہائی

O

عجیب چیز ہے، تقدیر جس کو کہتے ہیں
ازل سے پہلے کی تحریر جس کو کہتے ہیں

سنا ہے وقت کی گردش ہے صورتِ پرکار
کہ نسل نسل اُنہیں واقعات کی تکرار
جو والدین کا غم تھا، وہی مجھے بھی ملا
اگر ہے مجھ کو خدا سے، تو بس یہی ہے گِلہ

O

میں سوچتا تو خیالات اور اُلجھتے تھے
جو میں سمجھتا، وہ سب لوگ کب سمجھتے تھے
یہ کس کا دل تھا جو مجھ میں دھڑکتا رہتا تھا
دماغ میں کوئی شعلہ بھڑکتا رہتا تھا
تصورات کی دنیا اُجڑتی جاتی تھی
خیال و خواب کی صورت بگڑتی جاتی تھی
جو لوگ تھے مرے اطراف، سب ہی اپنے تھے
مگر میں رہتا تھا جن میں، عجیب سپنے تھے
میں اس جہان میں رہتا نہ اُس سے باہر ہی
میں گھر میں رہ کے بھی رہنے لگا تھا، بے گھر ہی
کبھی یہ چاہوں کہ ماں کی طرح کہیں سو جاؤں
کبھی یہ سوچوں کہ سیلِ ہجوم میں کھو جاؤں

جو لوگ اپنے تھے مجھ کو پرائے لگتے تھے
وہ آدمی تھے مگر مجھ کو سائے لگتے تھے
اِک ابّا جان تھے، جو گھر میں کم ہی ہوتے تھے
وہ صرف رات گئے گھر میں آ کے سوتے تھے
پولس کی نوکری کب کس کو گھر کا رکھتی ہے
وہ آدمی کو سدا دربدر کا رکھتی ہے

O

مگر یہ زیست کا انداز، روز و شب کی روِش
بنی ہوئی تھی مری دادی ماں کے دل کی خلش
وہ چاہتی تھی، یہ ویرانہ پھر سے گھر بن جائے
وہ روشنی ہو کہ تاریک شب، سحر بن جائے
پھر اُن کے بیٹے کو مل جائے اِک شریکِ حیات
پھر اُن کے گھر میں ہو دن عید، رات ہو 'شبرات'
بہو جو آئے، محبت کا خواب بن کے رہے
اور ان کی پہلی بہو کا جواب بن کے رہے
مگر سنا ہے کہ ابّا نہیں ہوئے راضی
(اگرچہ گھر میں تھے کتنے ہی مفتی و قاضی)

اُنہیں کچھ اپنی وفا کا بھی پاس تھا شاید
مرے لیے بھی ذرا سا ہراس تھا شاید
وہ دادی ماں کا بھی اصرار ٹال دیتے تھے
وہ فال کوئی، نئی ہی نکال دیتے تھے

O

اسی بہانے گزارے گئے کچھ اور برس
مگر پھر آ گیا اُن کو ضعیف ماں پہ تَرس
میں گیارہ سال کا تھا اور بڑا سا لگتا تھا
اور اپنے گھر کے مسائل سمجھ بھی سکتا تھا
بہو چنی گئی اور سب ہی ہو گئے دلشاد
اور اپنے ابّا کو میں نے بھی دی مبارکباد
گلے لگایا تو دل پر نہ رکھ سکے قابو
نکل پڑے مرے ابّا کی آنکھ سے آنسو
وہ دن ہے یاد مجھے، کیا عجیب عالم تھا
خوشی کی تہہ میں، بہت ہی لطیف سا غم تھا

۵

خدا کا شکر کہ اس گھر میں بھی چراغ جلے
جہاں اندھیرا تھا دن میں بھی آسمان تلے
یہ دادی ماں کی فراست تھی یا مرا مقسوم
ملی وہ 'ماں' مجھے جو خود بھی 'ماں' سے تھی محروم
جو غم گزیدہ ہو، وہ مہرباں بھی ہوتا ہے
وہی شریکِ غمِ دیگراں بھی ہوتا ہے
وہی تو جانے ہے، 'کربِ شکستگی' کیا ہے
جسے ملے نہ محبت، وہ زندگی کیا ہے
سو مجھ کو میرے مقدّر سے کچھ زیادہ ملا
جو مہربان ملا مجھ کو، دل کشادہ ملا
میں خود بھی اب تو سمجھ دار ہو گیا تھا بہت
'حریصِ لذتِ آزار' ہو گیا تھا بہت
مگر کچھ ایسے بھی تھے اقربائے 'دردنواز'
جو بن گئے تھے بہت پیار سے مرے ہم راز

ماں۔ حور النساء بیگم بنت سید نور المقتدیٰ (میری دوسری والدہ) میرے منتخب کلام کا مجموعہ 'حرف حرف روشنی' (مطبوعہ ۱۹۸۶ء مکتبہ جامعہ دہلی) اُنہیں کے نام سے معنون ہے اور اُس کے پاکستانی ایڈیشن (مطبوعہ ۱۹۸۸ء مکتبہ المصنفین کراچی) کا انتساب میری حقیقی والدہ لطف النساء بیگم (مرحوم) کے نام تھا۔

کبھی تو دیتے یسیری کا واسطہ مجھ کو
کبھی نیا ہی دِکھاتے تھے راستہ مجھ کو
کہیں سراب سا آئینہ متاعِ خلوص
کہیں وہ لفظ کہ مفہوم ہی بہت مخصوص
کہیں یقیں میں، گماں کی لطیف آمیزش
کہیں گماں میں، چمکتے یقین کی تابش
کہیں وفاؤں میں تھوڑی سی بے وفائی بھی
کہیں ادائے محبت میں کج ادائی بھی
امانتوں میں خیانت، دیانتیں جھوٹی
خدا کے نام پہ ساری عبادتیں جھوٹی
گھِرے ہوئے تھے تضادوں میں ظاہر و باطن
بس ایک جال تھا جس سے رِہائی ناممکن

O

میں سوچتا تھا کہ کیسے عجیب لوگ ہیں یہ
جو دیکھئے تو خدا کے قریب لوگ ہیں یہ
میں چاہتا تھا کہ اس جال سے نکل بھاگوں
منافقت کے مہ و سال سے نکل بھاگوں

مگر کہاں؟ یہی دل میں سوال اٹھتا تھا
تو بیٹھ جاتا' جو دل میں اُبال اٹھتا تھا
تمام شہر ہی، پورا معاشرہ تھا یہی
زباں پہ کچھ سہی، دل کا معاملہ تھا یہی
گزر گئے اِسی ماحول میں مرے کچھ سال
نہ میرا ماضی ہی بہتر تھا اور نہ میرا حال

O

یہ شہر جس کو سب **'اورنگ آباد'** کہتے ہیں
نہ جانے کب سے یہاں لوگ ظلم سہتے ہیں
یہ اِک 'عظیم ریاست' کا شہر تھا لیکن
بڑی عظیم روایت کا شہر تھا لیکن
یہاں پہ کچھ نہ تھا بوڑھی عمارتوں کے سوا
غریب لوگوں کی بھولی عبادتوں کے سوا
نہ علم و فن کی کوئی **'درس گاہِ اعلیٰ'** تھی
نہ کوئی **'لائبریری'** علم کا حوالہ تھی

اورنگ آباد۔عثمانیہ انٹرمیڈیٹ کالج کا رسالہ 'نورس' جو کبھی کبھی شائع ہوتا تھا۔ ویسے شہر سے کوئی رسالہ یا اخبار نہیں نکلتا تھا، میری پہلی تحریر، ایک افسانہ 'فلسفہ اور حقیقت' (حمایت تراب کے نام سے) 'نورس' (آذر تا اسفندار ۱۳۵۵ف مطابق ستمبر تا دسمبر ۱۹۴۵ء) میں شائع ہوا تھا۔ جب میں دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔ یہ افسانہ مجلّہ 'شخصیت' (حمایت علی شاعر نمبر ۱۹۹۶ء) میں شامل ہے۔ **درسگاہ اعلیٰ**۔ جب میں نے ہوش سنبھالا تو اس وقت اورنگ آباد میں صرف ایک 'مدرسہ صنعت و حرفت' تھا جہاں سرٹیفکیٹ کورس کی فنی تعلیم دی جاتی تھی۔
لائبریری۔ حضرت نظام الدین مقبول الٰہی کی درگاہ سے متصل ایک چھوٹی سی مذہبی لائبریری تھی۔ پن چکّی کا کتب خانہ اور بلدیہ لائبریری برسوں سے بند پڑی تھی۔

کوئی رسالہ، نہ اخبار ہی نکلتا تھا
سنی سنائی پہ لوگوں کا کام چلتا تھا
تمام شہر میں اِک 'انٹر آرٹس کالج' تھا
نہ ہسپتال نہ کوئی بڑا معالج تھا
سوائے بلدہ' کوئی مرکزِ علوم نہ تھا
ہمارا شہر بجز 'شہرِ زاغ وبوم' نہ تھا
یہ اور بات **'ریاست'** کا نشہ تھا کچھ اور
اَمارت اور حکومت کا نشہ تھا کچھ اور
یہاں جو ایک ' مسلماں' کی بادشاہت تھی
تو ہم سمجھتے، ہماری ہی وہ حکومت تھی
اگرچہ ہم بھی یہاں صرف تیرہ فیصد تھے
مگر بہ زعمِ حکومت 'عظیم بے حد' تھے
جو بادشاہ تھا، اُس پر خدا کا سایہ تھا
خدا نہ تھا، پہ خدا ہی کا اِک کِنایہ تھا
جسے گماں تھا کہ وہ ہے، تو ہیں مسلماں بھی
خدا، رسول بھی، قرآں بھی اور ایماں بھی

ریاست۔حیدرآباد دکن کے بادشا میر عثمان علی خاں تھے جنھیں 'ظل اللہ' کہا جاتا تھا یعنی خدا کا سایہ (اس طرزِ فکر کے خلاف میں نے ایک افسانہ بھی لکھا تھا 'بدلتے زاویے' مطبوعہ۔ ہفتہ وار 'شاہد' بمبئی ۱۹۴۸ء) یہ افسانہ بھی مجلّہ 'شخصیت' میں شامل ہے۔

یہ سلطنت ہے، تو سارا نظام باقی ہے
نظام ہی سے مسلماں کا نام باقی ہے
نظام' آصف سابع، وہ شہر یارِ دکن
تھا جس کے پاس (سنا ہے) خدا کا سارا دھن
خدا نے اپنے خزانے کی چابیاں دے کر
بنا دیا تھا اسے، بادشاہِ سیم و زر
یہ بات ہم کو بتائی گئی تھی بچپن میں
بندھی ہوئی تھی جواب تک، ہمارے دامن میں
مرے رفیق تو سارے یہی سمجھتے تھے
سبھی بزرگ ہمارے یہی سمجھتے تھے
بس ایک میں تھا گھرانے میں ناخلف ایسا
بنا ہوا تھا ہر اِک فرد کا ہدف ایسا
کہ میرا نام بھی سننا انہیں گوارا نہ تھا
وہ کیا برائی تھی، جس کا میں استعارہ نہ تھا
سبب یہ تھا کہ مجھے اختلاف تھا سب سے
میں اپنے گھر میں، خود اپنا رقیب تھا کب سے
میں اپنی عمر کے لڑکوں سے مختلف تھا بہت
ہر اِک روایتِ کہنہ سے منحرف تھا بہت

کتابیں پڑھتا تھا ایسی، جو باغیانہ تھیں
سبھی بزرگوں کی نظروں میں 'کافرانہ' تھیں

O

مجھے یہ دکھ تھا 'ولی عہد' پر ہے میرا نام
'نواب میر حمایت علی' تھا جس کا نام
میں سوچتا کہ مرا خانداں بھی کم تو نہیں
یہ بادشاہ، مرے جد سے محترم تو نہیں
حسبَ نسبَ میں علی کا ولی ہوں، سیّد ہوں
وہ 'بابِ علم' تھے، میں خاک پائے 'سرمد' ہوں
ہے فرق مجھ میں 'ولی عہد' میں تو اتنا ہے
غریب زادہ ہوں میں، وہ امیر زادہ ہے
مگر غریب تو سارے 'عظیم لوگ' ہوئے
تھے جو امیر' وہ انسانیت کا روگ ہوئے

بابِ علم۔علم کا دروازہ (حضرت علی کے بارے میں ایک حدیث) **سرمد**۔فارسی زبان کے ایک بڑے صوفی شاعر جو شاہجہاں کے بڑے صاحبزادے دارالشکوہ کے ہم عصر اور ہم خیال تھے۔سرمد کو اورنگ زیب نے مُلّا قوی سے فتویٰ لے کر قتل کرادیا تھا مگر تاریخ نے انہیں 'شہید' قرار دے دیا اور آج بھی 'سرمد شہید' کے نام سے مشہور ہیں۔سرمد کی رباعیات کے مجموعے پر مولانا ابوالکلام آزاد کا فکر انگیز دیباچہ قابل مطالعہ ہے۔

O

عجیب ذہن تھا ہم بدنصیب لوگوں کا
یہ تخت و تاج کے مارے غریب لوگوں کا
غریب ہو کے بھی 'پاشا، نواب' کہلاتے
یہ عرفیت کے غباروں سے خود کو بہلاتے
میں دور رہتا نمائش کے اِن سہاروں سے
نکال دیتا تھا، ساری ہوا غباروں سے
کسی نے طنز سے جب مجھ کو کہہ دیا 'شاعر'
تو میں نے ضد میں تخلص ہی رکھ لیا شاعرؔ
بجائے 'میر' 'تخلص' ہے آج نام کے ساتھ
کہ رشتہ جوڑ لیا میں نے یوں عوام کے ساتھ

O

میں سوچتا تو ہر اِک چیز بے تُکی لگتی
فلک کی پیٹھ بھی مجھ کو جُھکی جُھکی لگتی
وہ بادشہ ہو کہ نوّاب، مولوی ہو کہ پیر
مری نگاہ میں سب ہی تھے مجرمانِ ضمیر

سبھی منافق و موقع پرست و جاہ پرست
خدا و دیں کے مبلّغ تھے اور شاہ پرست
میں بات بات پہ ان سب پہ معترِض ہوتا
غلط عقائدِ مذہب پہ معترِض ہوتا
کبھی تو 'ظلِ الٰہی' کا تجزیہ کرتا
کبھی 'خلافت و شاہی' کا تجزیہ کرتا
کبھی سناتا میں اقبالؔ و جوشؔ کے اشعار
کبھی 'نگار' سے لاتا 'نیاز' کے افکار
کبھی میں کرتا تھا 'مخدومؔ' کی 'مجازؔ' کی بات
وہ شعر پڑھتا کہ ہو جاتے مشتعل جذبات
غرض عجیب تلاطُم تھا موجزن مجھ میں
کوئی تھا تیشہ بکف، مردِ کوہکن مجھ میں
نہ 'بے ستون' تھا کوئی نہ 'جوئے شیر' کہیں
بس اِک جنوں تھا کہ ہوتا نہ تھا اسیر کہیں

خلافت وشاہی۔(خلافت) 'بادشاہی' کے خلاف یہ اسلام کا ایک 'انقلابی جمہوری اقدام' تھا مگر، سبھی مسلمان بادشاہوں نے اپنے نام کے ساتھ 'خلیفہ' لکھ کر سیاست میں 'منافقت' کی بنیاد ڈال دی۔ 'خلافتِ بنوامیّہ'، 'خلافتِ بنوعباس' اور پھر ترکی میں 'خلافتِ عثمانیہ' جسے اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا نے ۱۹۲۴ء میں ختم کر دیا۔ **نگار (لکھنؤ)** علامہ نیاز فتح پوری کا رسالہ 'نگار' جس نے 'روایتی عقیدوں' کے خلاف 'سائنسی انداز' میں غور وفکر کی ترغیب دی۔ کراچی سے اب 'نگار' ڈاکٹر فرمان فتح پوری نکالتے ہیں۔ **مخدوم**۔ دکن کا انقلابی شاعر مخدوم محی الدین (مجموعہ کلام) 'سرخ سویرا'، 'گل تر' اور 'کلیات' کا نام 'بساطِ رقص' ہے۔ **مجاز**۔ اسرارالحق مجاز۔ **بے ستون**۔ 'بے ستون' اور 'جوئے شیر' ('شیریں فریاد' کے افسانے کی مشہور علامتیں)

O

اُسی زمانے کی اِک **'نظم'** ہے، ذرا دیکھیں
کہ ہو چلا تھا مرا ذہن کیا سے کیا، دیکھیں

تقدیر

ایک بنتِ جہل، زرداری کا پروَردہ خیال
عرش و کرسی کے پسِ پردہ، ملوکیّت کی چال
جہل کی آغوش میں پھولی پھلی، پایا شباب
ذہن پر انسان کے ڈالے ہوئے رنگیں نقاب
نوچ ڈالے جس نے شاہینِ خرد کے بال و پر
تنگ تر کر دی تھی جس نے وسعتِ قلب ونظر
آدمی مفلوج، یخ بستہ حیاتِ گرم کار
شاہراہِ زندگی، محدود تر، تیرہ و تار
جادۂ تخئیل پر پہرے، حصار اندر حصار
عزم کے لاشے درونِ دل، قطار اندر قطار

نظم۔ 'تقدیر'۔ مطبوعہ 'سویرا' (۱۹۴۷ء حیدرآباد دکن)۔

عظمتِ انسان، خاک آلود، انساں پست تر
جیسے 'جاپانی کھلونا' جیسے شبنم کا گہر
زندگانی، وقت کے ہم دوش چلتی ہی رہی
فکرِ انساں، وقت کے سانچے میں ڈھلتی ہی رہی
آفتابِ علم اُبھرا، تیرگی چھٹتی گئی
پابجولاں زیست کی اِک اِک کڑی کٹتی گئی
آہ! لیکن فکرِ آدم نے نہ الٹا یہ نقاب
ہو گئے شرمندۂ تعبیر سب شیطاں کے خواب

۶

میں اپنی عمر کے اُس دور میں تھا جب ہر خواب
نظر میں ہوتا ہے تعبیر کے لیے بے تاب
یہ میرا شہر کہ جس پر تھا اِک کھنڈر کا گماں
مری نگاہ میں اب بھی تھا رشکِ باغ جناں
یہاں پہ کتنے ہی اہلِ کمال تھے آباد
مرے بزرگ، مرے دوست اور مرے استاد
یہ 'شیخ چاند' کا گلزار 'وجد' کا مسکن
یہ 'عیش' و 'درد' کا 'یعقوب' کا حسیں 'مامن'

شیخ چاند۔ بابائے اردو کے رفیق کار 'سوداؔ' کے مصنف۔ **وجد** (سکندر علی وجد) **عیش** (عیش فردوسی) **درد** (درد کاکوروی) عثمانیہ انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد میں میرے استاد **یعقوب** (یعقوب عثمانی) **مامن** (یعقوب عثمانی کا مکان)

سروشؔ و صدقؔ و وحیدہ نسیم کی دنیا
متینؔ و ناصرؔ و قاضی سلیمؔ کی دنیا
یہیں سے یوسفِ ناظم بہ افتخار اٹھے
یہیں سے اطہرؔ و ع احمد و خمارؔ اٹھے
یہی عروجؔ کا، فرہادؔ کا، وحیدؔ کا گھر
یہی سکندرؔ و انورؔ کا اور سعیدؔ کا گھر
یہی رفیعہ و عجمؔ و قمرؔ کا گہوارہ
بشر نوازؔ کا، میرا، سحرؔ کا گہوارہ

O

میں سوچتا ہوں تو کیا کیا نہ یاد آتا ہے
ہر ایک چہرہ نگاہوں میں مسکراتا ہے
تھا جن کے دم سے مرا شہر، آسماں جیسا
اندھیری رات میں، مہتاب و کہکشاں جیسا
وہ کامریڈ **حبیب**، **افتخار** اور **شرّاف**
وہ جن کے وصف سے' یہ شہر تھا ہمہ اوصاف

سروشؔ (آغا صادق سروش) اور **صدق** (جائسی) **متین** (متین سروش) **ناصر** (اختر الزماں ناصر شاعری میں میرے استاد، اور وہ مجھے انگریزی بھی پڑھاتے تھے) **اطہر** (اطہر رضوی) **ع احمد** (افسانہ نگار اور مترجم) **خمار** (علی حامد خمار) **عروج** (عبدالرؤف عروج) **فرہاد** (فرہاد زیدی) **وحید اختر**۔ **سکندر** (سکندر توفیق ۔ڈرامہ نگار) **انور** (انور معظم) **سعید** (جے پی سعید) **رفیعہ** (پروفیسر رفیعہ سلطانہ) **عبدالمقتدر عجم** (شاعر) **قمر** (قمر اقبال) **سحر** (سحر انصاری) **حبیب** (کمیونسٹ لیڈر) **افتخار** (کمیونسٹ لیڈر) **گووند اس شرّاف** 'سیاسی رہنما'

وہ میرے دوست، مرے ہم خیال و ہم مشرب
کہ جن سے اور بھی نکھرا مرا شعورِ ادب
کبھی ہو **جوشؔ** کی، **مخدومؔ** کی، **مجازؔ** کی بات
کبھی 'نگار' کی بحثیں، کبھی **نیازؔ** کی بات
کبھی ہو **فیضؔ** کے **راشدؔ** کے اختراع کی بات
کبھی ہو عصمتِ چغتائی کے دفاع کی بات
کبھی ہو منٹو، کبھی **میراجی** پہ ہو تکرار
کبھی ہوں بحث میں' **مجروحؔ** و **ساحرؔ** و **سردارؔ**
کبھی ہو **کرشن**، کبھی **بیدی** و **ندیمؔ** کی بات
کبھی **فراقؔ** کی، **مجنوںؔ** کی اور **کلیم** کی بات
کبھی ہو **اخترؔ** و **سجادؔ** و **احتشام** کی بات
کبھی ترقی پسندوں کے 'پیش امام' کی بات
کبھی **فرائڈ**، کبھی **کارل** مارکس کی باتیں
کبھی قدیم ادب پر ہزار صلواتیں
کوئی ہو فکر کا موضوع، بحث کرتے تھے
ہر اِک مقام سے بے خوف ہم گزرتے تھے

جوش (ملیح آبادی)۔ **فیض** احمد فیض۔ **راشد** (ن م راشد) **میراجی** (ثناء اللہ خاں) **ساحر** لدھیانوی (**عبدالحی**) **سردار** (علی سردار جعفری) **کرشن** (کرشن چندر) **بیدی** (راجندر سنگھ بیدی) **ندیم** (احمد ندیم قاسمی) **فراق** گورکھپوری (رگھوپتی سہائے) **مجنوں گورکھپوری** (احمد صدیق) **کلیم** (پروفیسر کلیم الدین احمد) **اختر** (اختر حسین رائے پوری) **سجاد** (سجاد ظہیر) **احتشام** (پروفیسر احتشام حسین) **فرائڈ** (ڈاکٹر سگمنڈ فرائڈ، ماہر نفسیات) **کارل مارکس** (کمیونسٹ فلسفی اور 'داس کیپٹال' کا مصنف)

ادب ہو، دینی مسائل ہوں یا کہ 'لادینی'
سبھی پہ فرض تھی خود بینی و جہاں بینی
نشست ہوتی تھی اکثر **'اجنتا ہوٹل'** میں
وہ بحث ہوتی **'مکمل'** میں **'نامکمل'** میں
کہ ڈر یہ ہوتا تھا آپس میں لڑ نہ جائیں کہیں
سب اپنے اپنے عقیدے پہ اَڑ نہ جائیں کہیں
مگر یہ خوف، پھر اِک قہقہے میں ڈھل جاتا
ہنسی مذاق میں منظر ہی سب بدل جاتا

O

ہمارے قلمی رسائل تھے **'جگنو و شاہین'**
ہم اپنے شوق کی کرتے کسی طرح تسکین
ہمیں نے شہر میں 'اقبال ڈے' منایا تھا
اسی میں پہلے پہل میں نے کچھ سنایا تھا
وہ ایک نظم کہ اقبال ہی کا پرَ تو تھی
ہر ایک شعر میں 'ضربِ کلیم' کی ضُو تھی

اجنتا ہوٹل۔ 'چوک' (بازار) میں اہلِ قلم کا مخصوص ہوٹل۔ **مکمل** (ادب عالیہ) **نامکمل** (جدید اور ترقی پسند ادب) قلمی رسالے۔ **جگنو** (ایڈیٹر عباس اخگر) 'عباس انجم'۔ **شاہین** (ایڈیٹر۔ ممتاز اختر) ممتاز احمد خاں۔

شریکِ بزم تھے سردارؔ اور 'کیفیؔ' بھی
نظرؔ، اریبؔ، کنولؔ، مسلمِ ضیائی بھی
مرے کلام کو ہر شخص نے سراہا تھا
'نظامؔ' کے لیے 'صہبائیؔ' نے بھی چاہا تھا

O

ہوا تھا جب سے **'عوامی کتاب گھر'** آغاز
وہ بن گیا تھا ہمارا بھی محرم و دمساز
وہاں پہ ایسی کتابیں بھی لوگ پڑھ لیتے
جنہیں خرید نہ سکتے تو پڑھ کے رکھ دیتے
کبھی کبھی کوئی ایسی کتاب مل جاتی
کہ ہم کو کوئی 'رہِ انقلاب' مل جاتی
ہم اُس پہ چلنے کی تدبیر کر لیا کرتے
خیال و خواب کو تصویر کر لیا کرتے
قلم تو بن ہی چکے تھے ہمارے تیغِ دودم
بس انتظار میں تھے 'سرخ انقلاب' کے ہم

کیفی (کیفی عظمی) **نظر** (نظر حیدرآبادی) **اریب** (سلمان اریب) **کنول** (کنول پرشاد کنول) **مسلم ضیائی** (شاعر، محقق اور ترجمہ نگار)۔
نظام۔ ترقی پسند ادب کا ترجمان ہفت وار (بمبئی) ایڈیٹر۔ **قدوس صہبائی**۔ **عوامی کتاب گھر** (کمیونسٹ مینی فیسٹو اور اُن کتابوں کی دکان جو ریاست میں ممنوعہ تھیں)

سمجھ رہے تھے کہ جوں ہی وطن ہُوا آزاد
عوام **'راج'** کریں گے 'عوام زندہ باد'
عجیب دور تھا، دن رات یوں گزرتے تھے
کہ روز جیتے تھے ہم لوگ، روز مرتے تھے

O

اُنہیں دِنوں میں گرفتار 'افتخار' ہوئے
نئے عتابِ حکومت سے ہم دو چار ہوئے
پولس ادیبوں کے گھر کی تلاشیاں لیتی
کتابیں چھین کے، ہم سب کو گالیاں دیتی
جو 'شہرِ یارِ دکن' کی مخالفت کرتا
تو گویا اپنے وطن کی مخالفت کرتا
ادیب 'باغیِ سرکار' جو ٹھہر جاتے
خدا و دیں کے گنہگار وہ ٹھہر جاتے
اریبؔ و راج ہوں، مخدومؔ ہوں کہ **'لاہوٹی'**
جو سہہ رہے تھے مسلسل عذابِ روپوشی

راج (ڈاکٹر راج بہادر گوڑ) (کامریڈ، ادیب اور نقاد) **لاہوٹی**۔ سری نواس لاہوٹی (ترقی پسند نقاد، صحافی اور اشتراکیت پسند)

کبھی نگاہ میں آتے تو دھر لیے جاتے
'خدائے وقت' کی جیلوں میں بھر لیے جاتے

O

'کہانیاں' بھی میں لکھتا تھا 'شعر' بھی کہتا
کوئی ہو مسئلہ، میرا قلم' رواں رہتا
'نظام' میں مرا جب وہ 'فسانہ' طبع ہوا
جو 'افتخار' کے بارے میں، میں نے لکھا تھا
تو کیا بتاؤں کہ کیا کیا عتاب آئے تھے
خود اپنے شہر میں کتنے عذاب آئے تھے
رکھے گئے کئی الزام بے ثبوت و دلیل
میں 'ہاسٹل' سے نکالا گیا بصد تذلیل
کتب، رسائل و اخبار چھِن گئے سارے
مری کہانیاں، اشعار چھِن گئے سارے
سی آئی ڈی کی نگاہوں میں رچ گیا تھا میں
پولس میں تھے مرے والد تو بچ گیا تھا میں

کہانیاں اور شعر۔ میں نے 'ساتویں جماعت' سے کہانیاں لکھنا شروع کر دیں تھیں۔ آٹھویں سے ایک قلمی رسالہ بھی نکالنے لگا جس میں ہم جماعت لڑکوں کی تحریریں ہوتی تھی۔ پھر میں شعر بھی کہنے لگا مگر مجھ پر علامہ اقبال اور مخدوم محی الدین طاری تھے۔ مخدوم ریاست کے انقلابی شاعر تھے اور میرے والد 'پولیس آفیسر'۔ ظاہر ہے مجھے بہت احتیاط سے کام لینا پڑتا تھا اور کوئی ایسا شعر نہیں لکھتا جس پر والد کو اعتراض ہو۔ **فسانہ۔** میرا افسانہ۔ 'تاج کے زیر سایہ'؛ ہفتہ وار 'نظام' بمبئی میں ۱۷ نومبر ۱۹۴۶ء کو شائع ہوا تھا۔ یہ افسانہ 'شخصیت' (حمایت علی شاعر نمبر۔ کراچی) میں بھی شامل ہے) **ہاسٹل۔** 'پن چکّی بورڈنگ'۔

۷

میں اپنے شہر سے 'عنبڑ' چلا گیا اِک رات
مگر ارادے نئے لے گیا تھا اپنے ساتھ
تھا اُن دِنوں مرے ابّا کا مستقر وہ شہر
خیال تھا، مرے حق میں ہے' بے ضرر وہ شہر
ملے گی 'صحبتِ بد' سے مجھے نجات وہاں
ادب کی اور نہ سیاست کی ہو گی بات وہاں
مگر یہ بات کہ 'شیطاں' کہاں نہیں ہوتا
جہاں کوئی نہ ہو، شاید وہاں نہیں ہوتا
خدا تو ہے ہی یہاں، لاکھ بے نیاز رہے
وگرنہ 'ظلِ الٰہی' کا کیا جواز رہے
وہاں 'وہاب' کے گھر میں چھپا تھا 'لاہوٹی'
وہیں ہوا مجھے معلوم، کیا تھا 'لاہوٹی'
وہ 'چھوٹی ذات' کا ہندو تھا، شخص اعلیٰ تھا
فراغ دل تھا، مسلماں کا ہم پیالہ تھا

عنبڑ (اورنگ آباد کا ایک شہر) شاید یہ نام اس شہر کو ملک عنبر کے نام کی رعایت سے ملا ہو۔ اس شہر میں میرے والد نے بھی سروس کی ہے اور میں بھی رہ چکا ہوں۔ **وہاب** (وہاب حیدر۔ افسانہ نگار و صحافی)۔ **چھوٹی ذات۔** لاہوٹی (ہندوؤں کا ایک فرقہ۔ مارواڑی)

وہ اپنی 'مادری بولی' میں بات کرتا تھا
مگر 'قلم کی زباں' میں حیات کرتا تھا
جو اس کا طرزِ نگارش تھا، ناقدانہ تھا
یہی پولس کی نگاہوں میں 'کافرانہ' تھا
پولس کے خوف سے روپوش ہو گیا تھا وہ
اور اپنے چاہنے والوں میں کھو گیا تھا وہ
'وہاب' اس کو 'مسلماں' بتائے رکھتا تھا
اور اس طرح اُسے سب سے چھپائے رکھتا تھا
اُسے خبر تھی کہ میں کون ہوں' مگر کیا ہوں
میں 'افتخار' کا ساتھی ہوں، شعر کہتا ہوں

O

'وہاب' ادیب تھا اور 'نوجوان افسر' تھا
وہ ہم خیال بھی تھا اور بہت دلاور تھا
پولس سے اس کے روابط تو 'افسرانہ' تھے
مگر ہمارے گھرانے سے دوستانہ تھے

مادری بولی (گجراتی اور تلگو) **قلم کی زبان** (اردو)۔

وہ 'بنّے بھائی' کا، مخدومؔ کا دوانہ تھا
مجازؔ و فیضؔ سے رشتہ ہی عاشقانہ تھا
فدا تھے 'سرخ سویرا' پہ حیدرآبادی
سرھانے رہتے تھے 'آہنگ' و 'نقشِ فریادی'

O

چھڑی ہوئی تھی 'تلنگانے' میں گوریلا جنگ
وہاں پہ راج کا، مخدومؔ کا تھا اور ہی ڈھنگ
زمین داروں سے حق چھیننے کھڑے تھے کسان
ہر ایک جابر و ظالم سے لڑ پڑے تھے کسان
'درانتی اور ہتوڑا' تھے اب نشانِ علَم
'نظامِ جبر' کے آگے جمے ہوئے تھے قدم

O

اُدھر تھا ہند میں انگریز کے خلاف محاذ
'اگرچہ ایک ہی صف میں تھے 'غزنوی و ایاز'

بنّے بھائی (سید سجاد ظہیر۔کمیونسٹ۔ترقی پسند مصنفین کے اولین سربراہ) **تلنگانہ**۔ریاست کا وہ صوبہ جہاں تلگو زبان بولی جاتی تھی۔ 'تلنگانہ تحریک' میں مخدوم، راج بہادر گوڑ، جوادرضوی اور روی رائن ریڈی پیش پیش تھے اور باغی کسانوں کی رہنمائی کر رہے تھے۔**غزنوی و ایاز**۔محمود غزنوی اور اُس کا غلام ایاز (مراد۔سرمایہ دار اور مزدور)

مگر تھے مسلم و ہندو الگ الگ ایسے
جُدا ہر ایک بدن میں ہے رگ سے رگ جیسے
یہ تفرقہ بھی 'فرنگی' ہی کی عنایت تھی
کہ 'بھائی بھائی' کو اِک دوسرے سے نفرت تھی

O

خدا تو ایک ہے، لیکن تھے اس کے نام ہزار
اور اس کے گرد تھے شیخ و برہمن و **'سردار'**
ہر اختلاف کو انگریز نے ہوا دی تھی
ہر اتحاد کی بنیاد ہی ہِلا دی تھی
وہ اتحاد، وہ **'بھگتوں'** کا صوفیوں کا کرم
ہزار سال کی پیہم رفاقتوں کا کرم
وہ مندروں کے قریں، مسجدوں کی دیواریں
دھنک کی طرح بہم' رنگ و نور کی دھاریں
اُنہیں بکھیر دیا سامراج نے کیسا
بدل کے رکھ دیا انگریز راج نے کیسا
کہ **'آب و خاک'** بھی، ہندو تھے اور مسلماں تھے
زباں، لباس بھی 'کافر' تھے 'اہلِ ایماں' تھے

سردار۔ سکھ۔ **بھگتوں**۔ 'بھگت'۔ 'بھگتی تحریک' کے رہنما جو صوفیائے کرام کی طرح سیکولر تھے۔ **آب و خاک** (نفرت کے نتیجے میں 'پانی' بھی 'ہندو' اور 'مسلم' ہو چکا تھا)۔

O

عجیب ذہن دیا تھا فقیہ و پنڈت نے
یہ کیسا ظلم کیا تھا فقیہ و پنڈت نے
تھیں **'حکمران زبانیں'** تو ہم کو دل سے عزیز
مگر **'مقامی زبانوں'** میں کر رہے تھے تمیز
کہیں تو ہندی و اردو میں ایک جھگڑا تھا
کہیں پہ مسجد و مندر کا 'نیک جھگڑا' تھا
غرض یہ ایک سیاست تھی چند طبقوں کی
خدا کے نام پہ تقسیم تھی زمینوں کی
تو اس زمین کا **'بٹوارہ'** کر دیا سب نے
کہ 'ایک' ملک کو 'دو' کر دیا تھا 'مذہب' نے

حکمران زبانیں۔ فارسی اور انگریزی۔ **مقامی زبان**۔ ہندی، پنجابی، بنگالی اور دوسری ہندوستانی زبانیں۔ **بٹوارہ**۔ چوہدری رحمت علی کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے سب سے پہلے یعنی ۱۹۱۵ء میں 'مسلم ریاست' کا تصور پیش کیا تھا (جب وہ اسلامیہ کالج لاہور میں انٹرمیڈیٹ کے طالب علم تھے اور اُن کی عمر صرف ۱۸ سال تھی۔ اُس وقت تک 'میثاق لکھنؤ' بھی طے نہیں پایا تھا۔ اُن کا کتابچہ Now or never (اب یا کبھی نہیں) جو ۲۸ فروری ۱۹۳۳ء (لندن سے شائع ہوا تھا، اس میں پہلی بار 'پاکستان' کا نام تجویز ہوا تھا) مورخین کہتے ہیں خیری برادران (ڈاکٹر عبدالجبار خیری اور پروفیسر عبدالستار خیری) نے ۱۹۱۷ء میں اسٹاک ہوم کی 'اشتراکی کانفرنس' میں تقسیم ہند کی تجویز اور نقشہ پیش کیا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں عبدالقدیر بلگرامی کا ایک خط گاندھی جی کے نام بدایوں کے اخبار 'ذوالقرنین' میں شائع ہوا تھا جس میں نہ صرف ہندوستان کی تقسیم پر زور دیا گیا تھا بلکہ مسلم اضلاع کے نام بھی دیے گئے تھے جن کی حدود تقریباً وہی تھے جو مشرقی اور مغربی پاکستان میں قرار پائے ('کشمکش برائے پاکستان'۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صفحہ نمبر ۱۱۷ اور نمبر ۱۱۸) ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد میں علامہ اقبال نے اپنے خطبۂ صدارت میں تحریر فرمایا تھا 'میری خواہش ہے کہ پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ چاہے یہ ریاست 'سلطنت برطانیہ' کے اندر 'حکومتِ خود اختیاری' حاصل کرے خواہ اُس کے باہر (ترجمہ) نذیر نیازی کے اس خطبے میں 'بنگال' کا کہیں ذکر نہیں جب کہ بنگالی مسلمانوں کی آبادی مغربی پاکستان میں چاروں صوبوں سے زیادہ تھی اور ۱۹۰۵ء میں 'مسلم لیگ' بھی بنگال ہی میں قائم ہوئی تھی۔ 'پاکستان' کا کریڈٹ کسے ملنا چاہئے؟ آپ بھی سوچیں۔ (میں تو سوچ ہی رہا ہوں۔ شاعر)

O

جو 'کانگریس' ہے وہ رکھتی تھی 'لیگ' پر الزام
کہے یہ 'لیگ' کہ در پردہ 'کانگریس' کا ہے کام
کوئی کہے کہ یہ 'برطانیہ' کی سازش ہے
کسی کو دعویٰ کہ 'اسلام' کی نوازش ہے
کوئی کہے کہ یہ 'اقبالؔ' کا ہے خوابِ عظیم
جو آج ہو گیا پورا بفضلِ ربِ کریم
جنابِ قائدِ اعظم کی رہنمائی میں
جنابِ پنڈتِ نہرو کی ناخدائی میں
جہاں زیادہ تھے مسلم، بنا وہ پاکستان
جو باقی رہ گیا، کہتے ہیں اُس کو ہندوستان
میں سوچتا تھا، ہمارا مآل کیا ہو گا!
اب اِس 'عظیم ریاست' کا حال کیا ہو گا!

۸

لگا نہ دل، تو میں اِک روز **'جالنہ'** پہنچا
(وہاں پہ اِک مری ننھال کا گھرانہ تھا)

جالنہ (اورنگ آباد سے چالیس میل کے فاصلے پر ایک تجارتی شہر۔

وہیں تھے حضرت **'عبدالغفور'** میرے بزرگ
بہت ہی نیک، بہت باشعور، میرے بزرگ
اُنہیں کتب کا، رسائل کا، شوق بے حد تھا
جدید شعر و ادب کا بھی ذوق بے حد تھا
وہ میرؔ و غالبؔ و اقبالؔ کے تھے شیدائی
مگر ہماری بھی کرتے تھے قدر افزائی
وہ میرے ذوقِ ادب سے تھے خوش گمان بہت
سبھی بزرگوں میں تھے، مجھ پہ مہربان بہت
وہ 'جالنہ' کے اِک اسکول میں پڑھاتے تھے
بڑے قرینے سے شعر و ادب سکھاتے تھے
میں ان کے گھر میں بہت کم ہی آتا جاتا تھا
(دراصل اُن سے، مرا دور ہی کا ناطہ تھا)
مگر جو، اب کے گیا تو عجب ہوا احساس
کہ جیسے ایک اُجالا ہوا ہے دل کے پاس
کھڑی تھی سامنے اِک خوش جمال دوشیزہ
سلیقہ مند، بڑی خوش خصال، دوشیزہ
یہ اُن کی بیٹی تھی **'معراج'** نام تھا اس کا
مصوّرانہ شغَف، صبح و شام تھا اس کا

عبدالغفور۔ (میری بیگم کے والدِ محترم) میرے سُسر۔ **معراج**۔ معراج نسیم۔ میری شریک حیات۔

نظر نظر سے ملی اور جُھک گئی چپ چاپ
جہاں رکی تھی، وہیں آپ رُک گئی چپ چاپ
بس اتنا یاد ہے، اِک زیرِ لب تبسم تھا
درونِ دل، کوئی خاموش سا ترنم تھا
ادب کے ساتھ جب اُس نے مجھے سلام کیا
اور اُس کے بعد جو ہم نے بہم کلام کیا
نہ جانے کتنے ہی اشعار جاگ اٹھے مجھ میں
جو صف بہ صف پئے اظہار جاگ اٹھے مجھ میں
مگر میں چپ رہا، اِک شعر بھی سنا نہ سکا
اشارتاً بھی اُسے رازِ دل بتا نہ سکا

O

میں جب وہاں سے چلا تو عجیب عالم تھا
کہ دل میں پھول کھلے تھے اور آنکھ میں نم تھا
قدم قدم پہ یہ لگتا، قریب تر ہے کوئی
ہوا کی طرح، بہ ہر گام ہم سفر ہے کوئی

O

عجیب دور تھا، میں بھی تھا کس قدر ناداں
پہنچ گیا تھا میں اِک بات میں کہاں سے کہاں
یہ ٹھیک ہے کہ سلیقے سے کی تھی اس نے بات
تو میرے دل میں ستاروں کی ہو گئی برسات
میں چاند بن گیا اور سب ستارے باراتی
عجیب خواب تھے، یک طرفہ اور لحاتی
جب آنکھ کھلتی تو خود پر ہنسی بھی آتی تھی
مرے جنوں کا ہر اِک شے مذاق اڑاتی تھی

O

دراصل یہ مری تنہائی کا تقاضا تھا
جو میرے خوابِ حسیں کا فریبِ تازہ تھا
یہ دل، ازل سے جو پیاسا رہا محبت کا
لرزتے ہاتھ میں، کاسہ رہا محبت کا
ذرا سی چھاؤں جو دیکھی تو گھر بنا بیٹھا
تصوّرات میں دل کا نگر بسا بیٹھا

O

وہ ایک لمحہ جو ساکت مرے وجود میں تھا
دعا بہ لب جو ہمیشہ مرے سجود میں تھا
وہ خواب جو مری آنکھوں میں کر چکا تھا گھر
جو میرے شعروں سے خاموش جھانکتا اکثر
وہ ایک بات جو دل میں تھی، رازداں کی طرح
وہ ایک راز جو مجھ میں تھا، میری جاں کی طرح
وہ ایک نام جو میری زباں تک آ نہ سکا
وہ جس کو سب سے چُھپا کر بھی میں چُھپا نہ سکا
جو میری آنکھ میں آنسو کی طرح تھا آباد
جو میری ذات میں خوشبو کی طرح تھا آباد
جو مجھ سے ملتا تھا اکثر، مگر تصوّر میں
وہ میرے ساتھ تھا شام و سحر تصوّر میں

O

میں اپنے گھر میں بھی رہتا تھا، اپنی ذات میں گم
اداس اداس پریشاں، تصوّرات میں گم

سبھی کو فکر تھی، آخر مجھے ہُوا کیا ہے!
یہ روگ کیسا لگا ہے، مری دوا کیا ہے!
میں کس سے کہتا کہ میں نے بھی میرؔ کے مانند
جو چہرہ چاند میں دیکھا، وہ تیرؔ کے مانند
مجھے بھی کر گیا گھائل کہ جیسے میرؔ ہوئے
مجھے بھی کر گیا **'پاگل'** کہ جیسے میرؔ ہوئے
سبب بتاتا تو سب کہتے مجھ کو 'آوارہ'
کہ میں بھی میرؔ کے مانند ہی تھا ناکارہ
میں میٹرک میں بھی اِک بار ہو گیا تھا فیل
پولس میں ہوتے نہ ابا، تو جا چکا تھا **'جیل'**
اِک ایسے لڑکے کو کوئی پناہ کیا دیتا
کہ سنگِ رہ کو کوئی دل میں راہ کیا دیتا
سو میں بھی اپنے ادھورے خیال و خواب کے ساتھ
یہ شہر چھوڑ کے، **'بلدہ'** چلا گیا اِک رات

۹

وہ شہر، شاہ دکن کے تھے تاج و تخت جہاں
وہ شہر، جمع تھے دنیا کے اہلِ بخت جہاں

پاگل۔'گھائل' کا قافیہ نہیں ہے۔مگر میں نے 'ضرورتِ شعری' کی خاطر قافیہ باندھ دیا ہے۔**جیل**۔اندیشہ تھا کہ میرے سیاسی خیالات کے سبب مجھے جیل میں بند نہ کر دیا جائے۔**بلدہ**۔حیدرآباد شہر

وہی کہ جس کا تھا شُہرہ، تمام عالم میں
جو بے مثال تھا، پورب میں اور پچھّم میں
جہاں پہ رہتے تھے، نواب و 'یارجنگ' تمام
اوران کے ہوتے تھے سونے کے خشت وسنگ تمام
ہر ایک کوچہ و بازار، کہکشاں کی طرح
تمام دھرتی جہاں کی تھی، آسماں کی طرح
تمام لوگ 'مہذّب' تمام لوگ 'شریف'
بزرگ کرتے تھے جن کی ہمہ صفت توصیف
غرض ہزار تھے قصے، ہزار افسانے
کہ ایک شمع تھی اور صد ہزار پروانے

O

'قلی قطب' کی محبت کا آئینہ تھا جو شہر
دکن کے حسنِ ثقافت کا آئینہ تھا جو شہر
وہ جس کو **'بھاگ متی'** کا کہیں 'سہاگ نگر'
'قطب' نے پیار سے جس کو کہا تھا **'بھاگ نگر'**

قلی قطب۔قطب شاہی خاندان کا تاجدار،قلی قطب شاہ اردو کا اولین صاحب دیوان شاعر تھا جس کی غزل کا مشہور مطلع ہے ۔

پیاباج پیالہ، پیاجائے نا پیاباج موسے جیاجائے نا

بھاگ متی۔قلی قطب شاہ کی محبوبہ کا نام۔**بھاگ نگر**۔ بھاگ متی کے حوالے سے حیدرآباد دکن کا پہلا نام تھا۔

اُسی کو **'حیدرِآباد'** آج کہتے ہیں
جہاں پہ اب بھی ہے دولت کا راج' کہتے ہیں
میں پہلی بار اُسی شہر کی طرف تھا رواں
ہزار دھڑکے تھے دل میں، ہزارہا ارماں

O

میں **'کاچی گوڑہ'** پہ جس وقت ٹرین سے اترا
نظر کے سامنے منظر، کچھ اور ہی اُبھرا
وہاں تھے تانگے بھی، موٹر بھی اور رکشا بھی
تھے آدمی بہت اعلیٰ بھی اور ادنیٰ بھی
نظارہ یہ بھی وہاں میں نے دیکھا پہلی بار
کہ آدمی ہی 'سواری' تھا، آدمی ہی 'سوار'
بنا رکھے تھے خدا نے عجیب سے سانچے
کہیں تو گوشت کے 'تودے' تھے اور کہیں ڈھانچے
وہ آدمی کہ جو رکشا چلا رہا تھا یہاں
وہ جانور کی طرح بوجھ اٹھا رہا تھا یہاں

حیدرآباد(ضرورت شعری)'اضافت' سے کام لیا گیا ہے۔**کاچی گوڑہ**۔حیدرآباد کا ایک ریلوے اسٹیشن۔

کبھی میں دیکھتا خود کو، کبھی بغور اس کو
مگر تھا کون؟ سمجھتا جو اِس تجسّس کو
میں سوچتا مگر اس سوچ نے دیا کیا تھا
یہ میری دربدری تو صلہ اسی کا تھا
یہاں میں آیا تھا خود کو سنوارنے کے لیے
اور اپنا جوہرِ پنہاں اُبھارنے کے لیے
کہ اپنی ذات پہ تھا مجھ کو اعتبار بہت
اور اپنے ذہن پہ بھی ناز و افتخار بہت
میں کس طرح کوئی احساں اُٹھاتا لوگوں کا
اور اپنا 'صبر' تو 'ظرف' آزماتا لوگوں کا
سو میں مگن رہا خود میں، کسی سے کچھ نہ کہا
پڑا جو وقت بھی مجھ پر، وہ مسکرا کے سہا
کبھی میں رات کو مسجد میں جا کے سو جاتا
بہ فیض دربدری ہی 'خدا کا ہو جاتا'
مگر امام نے 'ہونے' نہیں دیا مجھ کو
عشاء کے بعد بھی سونے نہیں دیا مجھ کو
وہ بند کر گیا مجھ پر 'خدا کا دروازہ'
(اور آج تک میں ادا کر رہا ہوں خمیازہ)

O

خدا کے گھر میں بھی جب کوئی آسرا نہ ملا
تو اولیاء کا، فقیروں کا آستانہ ملا
میں شب کو سوتا وہیں، صبح کو نکل پڑتا
جدھر بھی ملتا کوئی کام، ادھر ہی چل پڑتا
پھر ایک دن کسی اخبار میں خبر یہ پڑھی
'جناح' کو بھی ضرورت ہے ایک شاعر کی
تو اس خبر کو خدا کا کرم سمجھتے ہوئے
ادب کے حق میں 'وقارِ قلم' سمجھتے ہوئے
میں فرضی نام سے 'کالم نگار' بن بیٹھا
اور اپنے دور کا آئینہ دار بن بیٹھا

O

دکن کے لوگ بھی کیا خوب تھے سیاست داں
سمجھ رہے تھے، یہاں بھی بنے گا 'پاکستان'
یہاں جو ایک مسلماں کی بادشاہت تھی
تو وہ سمجھتے تھے 'اسلام' کی حکومت تھی

جناح۔ اُسی ماہ 'بلدہ' سے سید اظہر حسین رضوی کی ادارت میں ایک روزنامہ 'جناح' کے نام سے نکلنا شروع ہوا جس میں 'میں نے سروس کی بنا پر قلمی نام' (نردوش) اختیار کیا تھا۔

وہ خوش گماں تھے کہ ہے اس کے پاس دولت بھی
اور اُس کے سر پہ ہے **'برٹش'** کا 'دستِ شفقت' بھی
ہیں **'دائیں سمت'** بھی ہم اور 'بائیں سمت' بھی ہم
'جنوب' میں بھی اُڑے گا ہمارا ہی پرچم
جنابِ **'قاسمِ رضوی'** مجاہدِ اعظم
(وہی، جو اہل دکن کے تھے 'قائد اعظم')
سو اب تو دہلی میں ہو گا ہمارا اگلا قدم
اُڑے گا **'لال قلعہ'** پر 'نظام' کا پرچم

O

یہ خواب دیکھ رہے تھے سبھی امیر و غریب
تمام شاعر و فن کار و مولوی و خطیب
کسے مجال کہ کچھ اختلاف کر جائے
اگر ہے شوق، تو پھر جان سے گزر جائے
تو خیر اسی میں تھی، چپ چاپ زندگی کیجئے
'خدائے وقت' کی خاموش بندگی کیجئے

برٹش۔ برطانیہ۔ **دائیں سمت**۔ پاکستان کا ایک حصّہ۔ **قاسم رضوی**۔ سید قاسم رضوی (مجلس اتحاد المسلمین کے صدر) **لال قلعہ** (عام تلفظ) عوامی انداز فکر کی طرف اشارہ ہے۔

١٠

اِدھر تو مسئلہ روز گار تھا اور میں
اُدھر وہ میرا 'گُلِ نوبہار' تھا اور میں
وہ ایک خواب کہ تعبیر کا تمنائی
وہ اِک خیال کہ تحریر کا تمنائی
وہ ایک لفظ جو 'شاعر' بنا گیا مجھ کو
وہ ایک لمحہ جو جینا سکھا گیا مجھ کو
وہ ایک پھول، جو دل کی طرح تھا پہلو میں
اِک آرزو کہ میں بس جاؤں اس کی خوشبو میں
مگر یہ بات کہ دل کو زباں نصیب نہ تھی
زباں تو خیر زباں ہے، فغاں نصیب نہ تھی
عجیب شخص تھا میں، بزدل و بہادر بھی
کہ جس سے عشق کیا، کھل سکا نہ اس پر ہی
سو یوں ہوا، مرے اشعار کہہ گئے ہر راز
(یہ میرے عشق، مری شاعری کا تھا اعجاز)
سبھی سمجھ گئے، کوئی مرض لگا ہے مجھے
جنوں یہ قیس سا، فرہاد سا ہوا ہے مجھے

یہ حال زار، یہ دیوانہ پن، یہ مایوسی
بھرے جہاں میں یہ تنہائی اور محرومی
وہی جو میرا مقدر تھا، حاصل غم تھا
میں کیا بتاؤں جو اس وقت میرا عالم تھا
میں اس کا نام زباں پر بھی لا نہ سکتا تھا
اور اپنا غم بھی کسی سے چھپا نہ سکتا تھا

O

میں اس سے محو تکلم رہا خیالوں میں
اور اپنا حال بھی اس سے کہا خیالوں میں
مگر جو بات کہی 'اَن کہی' رہی برسوں
سنی بھی اس نے، تو وہ اَن سنی رہی برسوں

اَن کہی

تجھ کو معلوم نہیں، تجھ کو بھلا کیا معلوم

تیرے چہرے کے یہ سادہ سے اچھوتے سے نقوش
میری تخئیل کو کیا رنگ عطا کرتے ہیں

تیری زلفیں، تری آنکھیں، ترے عارض، ترے ہونٹ
کیسی اَن جانی سی، معصوم خطا کرتے ہیں

تیرے قامت کا لچکتا ہوا مغرور تناؤ
جیسے پھولوں سے لدی شاخ ہوا میں لہرائے
وہ چھلکتے ہوئے ساغر سی جوانی، وہ بدن
جیسے شعلہ سا نگاہوں میں لپک کر رہ جائے

خلوتِ بزم ہو یا جلوتِ تنہائی ہو
تیرا پیکر مری نظروں میں ابھر آتا ہے
کوئی ساعت ہو، کوئی فکر ہو، کوئی ماحول
مجھ کو ہر سمت، ترا حسن نظر آتا ہے

چلتے چلتے جو قدم آپ ٹھٹک جاتے ہیں
سوچتا ہوں کہ کہیں تو نے پکارا تو نہیں
گم سی ہو جاتی ہیں نظریں تو خیال آتا ہے
اس میں پنہاں تری آنکھوں کا اشارہ تو نہیں

دھوپ میں سایہ بھی ہوتا ہے گریزاں جس دم
تیری زلفیں مرے شانوں پہ بکھر جاتی ہیں
تھک کے جب سر کسی پتھر پہ ٹکا دیتا ہوں
تیری باہیں مری گردن میں اتر آتی ہیں

آنکھ لگتی ہے تو دل کو یہ گماں ہوتا ہے
سرِ بالیں کوئی بیٹھا ہے بڑے پیار کے ساتھ
میرے بکھرے ہوئے اُلجھے ہوئے بالوں میں کوئی
انگلیاں پھیرتا جاتا ہے بڑے پیار کے ساتھ

جانے کیوں تجھ سے دل زار کو ہے اتنا لگاؤ
کیسی کیسی نہ تمناؤں کی تمہید ہے تو
دن میں تو، اِک شب مہتاب ہے میری خاطر
سرد راتوں میں مرے واسطے خورشید ہے تو

اپنی دیوانگی شوق پہ ہنستا بھی ہوں میں
اور پھر اپنے خیالات میں کھو جاتا ہوں

تجھ کو اپنانے کی ہمت ہے، نہ کھو دینے کا ظرف
کبھی ہنستے کبھی روتے ہوئے سو جاتا ہوں

کس کو معلوم مرے خوابوں کی تعبیر ہے کیا
کون جانے کہ مرے غم کی حقیقت کیا ہے
میں سمجھ لوں بھی اگر اس کو محبت کا جنوں
تجھ کو اس عشق جنوں خیز سے نسبت کیا ہے

تجھ کو معلوم نہیں، تجھ کو نہ ہو گا معلوم

تیرے چہرے کے یہ سادہ سے اچھوتے سے نقوش
میری تخئیل کو کیا رنگ عطا کرتے ہیں
تیری زلفیں، تری آنکھیں، ترے عارض، ترے ہونٹ
کیسی اَن جانی سی، معصوم خطا کرتے ہیں

O

اُنہیں دنوں اسے آنے لگے 'پیام' کئی
امیدواروں میں لکھے ہوئے تھے نام کئی

سنا یہ پھر کہ کہیں اس کی بات ٹھہری ہے
مرے نصیب میں پھر کالی رات ٹھہری ہے
میں سوچتا رہا پہروں کہ کیا کیا جائے
کوئی ہو ایسا جسے رہنما کیا جائے
تو اِک عزیز کو ہم راز کر لیا میں نے
رفیق و ہمدم و دمساز کر لیا میں نے
وہ جن کا اسم گرامی تھا **'منتجب الدین'**
بہت خلیق، بہت مہرباں، بہت ہی متین
وہ اُس گھرانے کے داماد تھے، بڑے داماد
(خدا کرے وہ گھرانہ رہے سدا آباد)
یہ سب اُنہیں کا کرم ہے، انہیں کا ہے احساں
جو آج میں نظر آتا ہوں، اس قدر شاداں
انہوں نے میری سفارش، مری وکالت کی
اور اس طرح مجھے دولت ملی، محبت کی
مگر یہ رشتہ، مرے گھر کو ناپسند ہوا
اور اس قدر کہ ہر اِک رستہ مجھ پہ بند ہوا

منتجب الدین۔ میرے ہم زلف (شاعر اور دوہا نگار قاضی رئیس کے والد)

مرا خمیر، بغاوت سے تو اٹھا ہی تھا
مرا وجود، مزاجاً بھی اِک 'سپاہی' تھا
تو اپنے گھر سے بغاوت کی ٹھان لی میں نے
جو ہو سو ہو، یہی تقدیر جان لی میں نے

O

یہ لوگ جن سے نیا رشتہ استوار ہوا
وہ میری مادر مرحومہ کا گھرانہ تھا
جو ہونے والے تھے میرے سسر، جناب غفور
تبادلے کے نتیجے میں جا بسے **'لاتور'**
وہیں پڑھانے لگی ایک مدرسے میں 'وہ'
وہی، مرے لیے 'معراج' بن گئی تھی جو
پھر ایک دن یہ سنا، بلدہ آ رہے ہیں وہ سب
(میں خوش کہ ہو گیا مجھ پر بھی مہرباں، مرا رب)
مرے 'سسر' مرے بارے میں جانتے ہی تھے
مجھے وہ ایک قلم کار مانتے ہی تھے
مگر کھلا نہ تھا ان پر، ابھی مرا کردار
میں کرتا کیا ہوں یہاں، کیسے ہیں مرے اطوار

لاتور۔ عثمان آباد کا تعلقہ جہاں ایک اسکول میں میرے سسر صاحب پڑھاتے تھے (سید قاسم رضوی کا پیدائشی تعلق اسی شہر سے تھا)

یہاں تھے حضرت مسلم ضیائی ان کے رفیق
جو میرے بھی تھے 'یکے از برادرانِ شفیق'
جو میرا حال تھا، مسلم ضیائی جانتے تھے
میں کیسا شخص ہوں، یہ میرے بھائی جانتے تھے
انہوں نے کی مری تعریف، اور ایسی کی
کہ بات ہو گئی پکی ہماری 'منگنی' کی
عجیب لمحہ تھا، آنکھوں میں اشک بھر آئے
جو مجھ پہ گزری، کوئی اس کو کیا سمجھ پائے
یہ لمحہ وہ تھا کہ اپنے خدا پہ پہلی بار
اُمڈ کے آیا مرے دل میں پیار، ایسا پیار
کہ گر پڑا تھا میں سجدے میں اور روتا رہا
اور اپنے اشکوں سے دل کا غبار دھوتا رہا
وہ دن ہے آج بھی روشن مری نگاہوں میں
بچھے ہوئے تھے ستارے سے میری راہوں میں
یہ زندگی مجھے کتنی حسین لگتی تھی
ہر ایک چیز مجھے بہترین لگتی تھی

جنت نگاہ

آج یہ کس سرزمیں کا آسماں آنکھوں میں ہے
جو کبھی دیکھا نہیں تھا، وہ سماں آنکھوں میں ہے
شاخ جسموں پر مہکتے پھول چہروں کی بہار
زندگی کے پھول بن کا اِک جہاں آنکھوں میں ہے
رنگ روشن ہیں کہ رنگیں روشنی کا گلستاں
چھوٹتی مہتابیوں کی کہکشاں آنکھوں میں ہے
دل کی دھڑکن میں ہے رقص بے خودی کی کیفیت
آنکھ سے اوجھل تھا جو، وہ جانِ جاں آنکھوں میں ہے
خواب میں بیدار ہوں یا ہے یہ بیداری کا خواب
روح میں حسن یقیں، حسن گماں آنکھوں میں ہے
اب سے پہلے تو کبھی اتنی حسیں دنیا نہ تھی
آج کس کا حسن، زیرِ آسماں آنکھوں میں ہے
میں تو شاعر ہوں، بھلا دیکھوں نہ کیوں میں بھی وہ خواب
جو غموں سے دور میری خوش گماں آنکھوں میں ہے

۱۱

یہاں کچھ ایسے بھی **'اہلِ قلم'** تھے جن کی نظر
وہ پڑھ رہی تھی، لکھا تھا جو 'لوحِ فردا' پر
اِنہیں خبر تھی، یہاں جو بھی ہونے والا ہے
'نظام' کا جو اثاثہ ہے، کھونے والا ہے
بدلتے وقت کے تیور، سمجھ رہے تھے لوگ
زمیں پہ رہ کے' فلک سے الجھ رہے تھے لوگ
یہ وہ زمانہ تھا **'زیرِ زمیں'** تھے جب مخدوم
مگر زمیں پہ اُنہیں کے کلام کی تھی دھوم
وہ جنگلوں میں تھے ہتھیار بند، محو ستیز
مگر تھا شہروں میں ان کا کلامِ شورِ انگیز
'دیارِ ہند کا وہ راہبر، تلنگانہ'
'بلا رہا ہے بہ سمتِ دگر، تلنگانہ'
'پڑی ہے فرقِ مبارک پہ ضربتِ کاری'
'حضورِ آصفِ سابع پہ ہے غشی طاری'

اہل قلم۔اختر حسن (مدیر روزنامہ 'پیام اور عوام') **عالم خوندمیری** (نقاد) **مسلم ضیائی**۔**وہاب حیدر**، **قمر ساحری**، **عزیز قیسی**، **امجد یوسف زئی** (افسانہ نگار) **سلیمان اریب**، **مغنی تبسم**، **غوث محی الدین** (مدیر ماہنامہ 'سویرا') **سردار الہام** اور راقم الحروف۔**زیرِ زمیں**۔Under Ground مخدوم پہلے شاعر ہیں جنہوں نے حیدرآباد دکن میں 'بادشاہت' کے خلاف کھل کر نظمیں لکھیں۔('یہ اشعار' اُن کی مشہور نظم 'تلنگانہ' سے ماخوذ ہیں)

'اُدھر' **کرشن'** نے 'جب **کھیت جاگے'** لکھی تھی
اِدھر لکھا گیا تلگو زباں میں **'مابھومی'**
جو اس ڈرامے کا خالق تھا 'بھاسکرراؤ'
سب اس کو پیار سے کہتے تھے ہند کا **'ماؤ'**
لبوں پہ پھول سہی، دل میں آگ جلتی تھی
اِک آرزو تھی کہ خوابوں میں آنکھ مَلتی تھی

O

دکن میں کانگرسی بھی تھے، اشتراکی بھی
سپاہِ قاسمِ رضوی بھی، فوجِ شاہی بھی
کہیں تھی شاہ پرستی، کہیں تھی بیزاری
بصد قرینہ، سیاست کی تھی عملداری
کوئی یہ کہتا کہ 'بھارت' ہمارا دشمن ہے
اگر ہے دوست ہمارا تو **'سڈنی کاٹن'** ہے
دکن کے سارے مسلماں تھے خوش گمان بہت
تھا اُن پہ 'عالمِ اسلام' مہربان بہت

کرشن۔کرشن چندر۔**جب کھیت جاگے** (کرشن چندر کا ناولٹ) **مابھومی** (تلگو ڈرامہ) **ماؤ** (ماؤزے تنگ) **سڈنی کاٹن**۔(ایک اسمگلر) کہا جاتا ہے کہ یہ بذریعہ بیلی کاپٹر حیدرآباد میں ہتھیار پہنچاتا تھا۔

ہمارے روز و شب و ماہ و سال **'ایرانی'**
دیارِ تُرک، ولی عہد کا تھا **'سرالی'**
'عرب' سے خاص تعلق، عجم سے یارانہ
الگ الگ سہی عنوان، ایک افسانہ
سیاست ایک ہی ہوتی ہے بادشاہوں کی
(جہاں میں کم نہیں تعداد، کم نگاہوں کی)

O

ادیب ہو گئے **'دارالسلام'** میں یکجا
وہ مختلف تھے، ہوئے 'عرفِ عام' یکجا
'معین' ہوں کہ وہ **'تحسین'**، **'جلیس'** ہوں کہ **'نظر'**
جنابِ قاسمِ رضوی کے سب تھے زیرِ اثر
ہر ایک آنکھ میں اُترا ہوا تھا خوں گویا
تمام شہر پہ طاری تھا اِک جنوں گویا

ایرانی۔حیدرآباد میں ایرانی 'تقویم' رائج تھی یعنی فصلی سنہ (ہمارے فصلی مہینوں کے نام تھے۔آذر۔دئے بہمن۔اسفندار۔فروردی۔اردی بہشت۔خورداد۔تیر۔امرداد۔شہریور۔مہر۔آبان) **سرالی**۔ولی عہد شہزادہ اعظم جاہ بہادر کی بیگم شہزادی دُرِشہوار تر کی کے خلیفہ عبدالحمید کی صاحبزادی تھیں۔نظام کے دوسرے شہزادے نواب معظم جاہ مفخم کی بیگم شہزادی نیلوفر بھی تر کی کے شاہی خاندان سے تھیں۔نواب معظم جاہ کے دربار کا احوال حضرت صدق جائسی نے 'دربارِ دُربار' کے نام سے دو جلدوں میں تحریر کیا ہے جس سے بہت سے 'رازہائے درون پردہ' نمایاں ہوگئے۔**عرب**۔سعودی عرب کے بدو قبیلے کے لوگ ریاست میں 'چاؤش' کہلاتے تھے۔یہ نظام کی 'بے قاعدہ فوج' تھی (انہیں کچھ مخصوص ہتھیار رکھنے کی اجازت تھی) **دارالسلام**۔حیدرآباد دکن میں 'مجلس اتحادالمسلمین' کی وزارت تھی ان کے رضا کاروں کا مرکز **دارالسلام** تھا۔**معین** (خواجہ معین الدین۔ڈرامہ نگار) **تحسین** (تحسین سروری۔محقق) **جلیس** (ابراہیم جلیس۔افسانہ اور کالم نگار) **نظر** (نظر حیدرآبادی)

وہ ریڈیو ہو کہ اخبار، راستے ہوں کہ بزم
برستے رہتے تھے مضموں، گرجتی رہتی تھی نظم
ترانے گونجتے رہتے فضاؤں میں ہر سو
ہر ایک شعر میں شعلہ بنا ہوا تھا لہو
خطیب، غازیِ گفتار ہوتے جاتے تھے
ادیب، برہنہ تلوار ہوتے جاتے تھے
وہ مسجدیں ہوں کہ گھر ہوں کہ کوچہ و بازار
تمام 'ملک تھا' لڑنے کے واسطے تیار

O

میں اُس زمانے میں اخبار چھوڑ بیٹھا تھا
اور اپنا رشتہ کہیں اور جوڑ بیٹھا تھا
اُنہی دنوں مری آواز سن کے مائیک پر
لے آئے مجھ کو 'دکن ریڈیو' پہ **'بھائی ظفر'**
یہاں **'وراثت و ماجد'** تھے **'بدر رضواں'** تھا
'امیرِ احمدِ خسرو' سا اِک غزل خواں تھا

بھائی ظفر۔مرزا ظفرالحسن جنہوں نے ۱۹۴۷ء میں مجھے **'دکن ریڈیو'** میں سروس دلائی تھی۔میرے بارے میں ان کا مضمون **'لڈو سے الائچی کے پان تک'** (مطبوعہ رسالہ **'غالب'** اپریل تا جون ۱۹۷۵ء) انہیں حوالوں اور دیرینہ تعلق پر روشنی ڈالتا ہے۔**وراثت**۔وراثت مرزا (اناؤنسر اور نیوز ریڈر) **ماجد**۔عبدالماجد (ڈرامانگار، اداکار) **بدر**۔بدر رضواں (اناؤنسر) **خسرو**۔امیر احمد خسرو۔غزل کے مشہور شاعر۔

میں قدرداں بھی تھا اُن کا، پہ ہم خیال نہ تھا
وہ میرے ساتھ تھے، میں اُن کے حسبِ حال نہ تھا
میں لکھتا رہتا 'سویرا' میں بھی 'پیام' میں بھی
مری رسائی تھی اِس طرح خاص و عام میں بھی
کہ ایک دن یہ خبر گونجنے لگی گھر گھر
'دکن' میں رات، در آیا ہے بھارتی لشکر
یہ حملہ 'کفر' نے 'اسلام' پر کیا، گویا
بُتوں کا پھر ہے خدا سے مقابلہ، گویا
یہ جنگ، جنگِ مسلسل ہے کفر و ایماں کی
(اور اس میں فتح تو ہونی ہی ہے مسلماں کی)
ہمارے ساتھ صف آرا تھے سارے جنِ و مَلک
ہماری تیغ، ہِلال اور ہماری ڈھال، فلک
مگر محاذ پہ پہنچی نہیں نظام کی 'فوج'
لڑی ہے بھارتی لشکر سے بس 'عوام کی فوج'
عوام یعنی دکن کے وہ نوجواں بیٹے
جو آ کے جوش میں ٹِنکوں کے آگے جا لیٹے

فوج۔ دکن کی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل العدروس تھے۔ جنہوں نے (کہا جاتا ہے) ہندوستانی فوج کے جنرل چوہدری سے درپردہ کوئی معاہدہ کر لیا تھا۔ اس لیے دکن کی فوج نے جنگ میں حصہ نہیں لیا (ستمبر ۱۹۴۸ء)

نہ اُن کے پاس تھا فوجوں سا اسلحہ کوئی
نہ اُن کو جنگ میں لڑنے کا تجربہ کوئی
وہ نوجواں تھے 'رضا کار' موت سے راضی
شہید ہونے کو تیار، قوم کے غازی
سو دو ہی دن میں یہ جنگ اختتام کو پہنچی
سحر طلوع ہوئی تھی کہ شام کو پہنچی
اسیر ہو گئے حضرت مجاہدِ اعظم
اور اُن کے سب 'وزراء' بھی 'بصد وقار و حَشم'
کُھلا کہ جو بھی ہوا، 'شاہ' کی رضا سے ہوا
نصیب کا تھا لکھا 'مرضیِ خدا' سے ہوا

۱۲

وہ رات، قبر سی تاریک، دن، قیامت خیز
زمیں پہ عالَمِ ہو، آسمان وحشت خیز

وزراء۔ انڈیا کے حملے کو حکومت ہند نے 'پولیس ایکشن' کا نام دیا تھا۔ حیدرآباد کے بیشتر شاعر و ادیب قاسم رضوی کے زیرِ اثر تھے۔ چنانچہ اُن کی تحریریں بہت جوشیلی تھیں۔ جب تک ریاست رہی 'استادِ شاہ' فصاحت جنگ جلیل مانک پوری کی یہ غزل 'قومی ترانے' کے طور پر گائی جاتی رہی۔

تا ابد 'خالقِ عالم' یہ ریاست رکھے
تجھ کو عثمانؔ بصد اجلال' سلامت رکھے
(اے بسا آرزو کے خاک شدہ)

نگاہ، خوف زدہ، دل کی دھڑکنیں، خاموش
تمام شہر نظر آئے، مرگ در آغوش
نہ تیغ زن ہی کہیں تھے، نہ وہ قلم کے دھنی
لبوں میں دفن تھا جوش و خروشِ نعرہ زنی
ہر ایک لمحہ یہ دھڑکا کہ مار دے نہ کوئی
'ہزار سال' کا قرضہ اُتار دے نہ کوئی
وہ 'نفرتیں' جو بہت 'پیار' سے اُبھاری گئیں
دلوں میں 'دین' کے عنوان سے اُتاری گئیں
بڑے ہنر سے سیاست کے کام آئی تھیں
دل و دماغ پہ 'دانشورانہ' چھائی تھیں
یہ سب اُنہیں کا کرم تھا کہ اپنا سایہ بھی
ہمارا اپنا ہی ہو کر لگے 'پرایا' بھی
عجیب دور تھا، کوئی کسی کا یار نہ تھا
پڑوسیوں کا پڑوسی کو اعتبار نہ تھا
خبر نہ تھی کہ بھرے شہر میں ہے کون، کہاں
بس اِک اشارہ کہ سب جا چکے ہیں پاکستاں

ہزارسال۔ ہندوستان پر مسلمانوں کے حملوں کا آغاز۔

O

میں ریڈیو پہ اکیلا ہی رہ گیا تھا اب
جو لوگ تھے بھی کہیں تو سبھی تھے مہر بہ لب
میں فکر مند تھا 'لاتور' کے لیے بے حد
کہ اُس سے ملتی تھی ہندوستان کی سرحد
جنابِ قاسمِ رضوی کا بھی تھا شہر، وہی
(کہ تھا بِنائے عداوت، بِنائے قہر، وہی)
یہ خوف تھا کہ بہت لوٹ مار ہو گی وہاں
تباہ ہونے سے شاید بچے کسی کا مکاں
مگر کسی کو کسی نے بھی لوٹنے نہ دیا
پڑوسیوں کے بھی رشتے کو ٹوٹنے نہ دیا
یہ ہندوؤں کی، مسلماں سے تھی وفا گویا
برس برس کی رفاقت کا تھا، صلہ گویا
کیا تھا فوج نے بھی اہتمامِ امن بہت
عوام نے بھی کیا انتظامِ امن بہت
جو لوگ بھاگ چکے تھے، وہ لوٹ کر آئے
کہ منتظر تھے بہت اب بھی اُن کے ہمسائے

O

وہ لوگ جو اِسے اِک ہار مان بیٹھے تھے
وہ دل کو تھامے پئے امتحان بیٹھے تھے
سمجھ رہے تھے کہ اب 'کافروں' کا ہو گا راج
نہ اپنا ملک رہا ہے' نہ اپنا تخت و تاج
کسی بھی قوم کی پہچان 'بادشاہ' سے ہے
کسی بھی ملک کی طاقت فقط 'سپاہ' سے ہے
جو بادشاہ نہ ہو گا تو فوج کیا ہو گی
جو بحر ہی نہیں ہو گا تو موج کیا ہو گی
ہر ایک ملک میں لاکھوں عوام ہوتے ہیں
جو 'بھیڑ بکری' کی صورت مدام ہوتے ہیں

O

کسی بزرگ کی یہ سوچ بھی تھی غور طلب
(اور اُن کی سوچ پہ تنقید بھی ہے 'حدِ ادب')
وہ کہہ رہے تھے، قیامت کے ہیں یہ سب آثار
ہزاروں سال کے **'پس ماندہ'** سر پہ ہوں گے سوار

پس ماندہ۔(دراوڑی) ہندوستان کے اصل باشندے جو امریکہ کے 'ریڈ انڈین' کی طرح آج بھی پس ماندہ ہیں۔

یہ بھیل، گونڈ، دراوڑ، یہ دھیڑ، مانگ، چمار
وہ جن سے اپنے بزرگوں نے لی سدا **'بیگار'**
سنا ہے اُن کو بھی کرنا پڑے گا جُھک کے سلام
جنہیں خدا نے بنایا، ابنِ غلام
غلام بن کے رہیں گے اب اہلِ ایماں سب
'اچھوت' ہی کی طرح ہوں گے اب مسلماں سب

O

عجیب سوچ کے انداز تھے، عجب معیار
نہ زندگی کی حقیقت نہ آدمی کا وقار
ہر ایک چیز کی قیمت زر و زمین سے تھی
ہر ایک قدر عبارت، زر و زمین سے تھی
مگر تضاد کا عالم بھی دیدنی تھا بہت
جو مسئلہ رہا ناگفتہ، گفتنی تھا بہت

بیگار(مفت کام لینا) **اچھوت**(نیچ ذات کے لوگ) برہمنوں کا عقیدہ ہے کہ اچھوت اگر کسی کو 'چھو لے' تو آدمی 'ناپاک' ہو جاتا ہے۔انڈیا میں 'ذات پات' کے عقیدے کے نتائج میں 'چار فرقے' بن گئے تھے۔'برہمن' (عقیدہ ہے کہ وہ 'برہما' کے 'دماغ' سے پیدا ہوئے اس لیے سب سے 'اعلیٰ' ہیں) 'چھتری'۔'برہما' کے 'بازوؤں' سے پیدا ہوئے اس لیے طاقتور ہیں اور 'حکومت' کرتے ہیں۔'ویش'۔برہما کے 'پیٹ' سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے 'کسان' ہیں'۔'شودر' (اچھوت) 'برہما' کے 'پیروں' سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے ان کا کام 'خدمت' کرنا ہے'۔

رقص۔(صوتی قافیہ) **زمیں**۔

زمیں پہ پاؤں نہیں اور آسماں پہ دماغ
یہ 'ہجرتی' بھی ہیں بس' سایۂ خدا کی طرح

(حمایت علی شاعر)

جشنِ دوالی۔ میرے خیال میں یہ 'اضافت' جائز ہے۔

O

مرے عزیز، جہاں بھی تھے، سب سلامت تھے
مگر سب اپنی جگہ پیکرِ ہزیمت تھے
وہ خاندان بھی 'لاتور' چھوڑ آیا تھا
وہ جس نے 'پیار' سے اپنا مجھے بنایا تھا
نہ صرف اُس کی ہی، میری بھی یہ تمنا تھی
کہ میرے ساتھ رہے 'وہ' جو میری دنیا تھی
سو میرے خواب کی تعبیر مسکرانے لگی
بفضل رب، مری تقدیر مسکرانے لگی

O

وہ دن ہے یاد مجھے جب خوشی کی ساعت آئی
بنے ہوئے تھے مرے 'سرپرست' **'مسلم بھائی'**
'عزیز قیسی و انور، عزیز اور ممتاز'
بنا کے 'نوشہ' مجھے لے چلے بصد اعزاز

مسلم بھائی (مسلم ضیائی پر میرا مضمون ان کی زندگی میں ماہنامہ 'افکار' (جولائی ۱۹۷۵ء) میں شائع ہوا تھا اور میری کتاب 'شخص و عکس' (۱۹۸۴ء) میں بھی موجود ہے (مسلم بھائی کا انتقال ۵ جون ۱۹۷۷ء کو کراچی میں ہوا) **عزیز قیسی**۔ میرا دوست اور ایک بہت اچھا شاعر جس کا انتقال ۳۰ ستمبر ۱۹۹۲ء کو بمبئی میں ہوا۔ اُس پر میری نظم 'سب رس' (کراچی) اور 'تکمیل' (بمبئی) 'عزیز قیسی نمبر' (اکتوبر ۱۹۹۲ء تا مارچ ۱۹۹۳ء) میں شائع ہو چکی ہے۔ **انور** (انور عنایت اللہ) **عزیز** (عزیز کارٹونسٹ) **ممتاز** (ممتاز اختر ایڈیٹر 'پرواز') میرا بچپن کا دوست۔

مگر وہ شادی کے 'آداب' جانتے ہی نہ تھے
سبھی کنوارے تھے احباب، جانتے ہی نہ تھے
کہ سر پہ 'سہرہ و دستار' بھی ضروری ہیں
شگفتہ پھولوں کے کچھ ہار بھی ضروری ہیں
تو پھر عزیز کی ٹوپی بنی مری دستار
مجھے سجایا گیا پھر سے نزدِ **'چار مینار'**
وہاں بنایا گیا پھر دلہن کا سہرہ بھی
مجھ ایسے 'شاعرِ ملکِ دکن' کا سہرہ بھی
عزیز قیسی نے لکھا بڑی محبت سے
مگر یہ بات بھی کہہ دی بڑی متانت سے
کہ میری شادی کا سہرہ بھی تم لکھو گے ضرور
مری طرح سرِ محفل اسے پڑھو گے ضرور
سو میں نے وعدہ کیا اور پھر دعا مانگی
(خدا سے اُس کی 'دلہن' بھی بہ التجا مانگی)
مجھے خبر تھی کہ وہ بھی ہے دل لگائے ہوئے
کہیں تھا وہ بھی مقدّر کو آزمائے ہوئے
تو ایک ہار اُسے بھی پہنا دیا میں نے
شگون ایک اسے بھی نیا، دیا میں نے

چار مینار۔ حیدر آباد کی مشہور تاریخی عمارت جس کے اطراف بڑے تجاروں کا ایک بڑا بازار پھیلا ہوا ہے۔

O

سبھی کی آنکھوں میں کچھ خواب تھے، سہانے خواب
کُھلے ہوئے تھے ہر اِک دل میں حسن و عشق کے باب
مگر بس ایک تھے **'مسلم ضیائی'** جن کا غم
سدا چھپا رہا دل میں، بہ پاس عہدِ صنم
وہ اپنے عشق میں ناکام بھی نہیں تھے مگر
وہ دور دور رہے پھر بھی مثلِ شمس و قمر
ہمیشہ اپنی محبت کا احترام کیا
کہ جس سے عشق کیا اس کا نام بھی نہ لیا
سنا ہے 'وہ' بھی ہے اب تک اداس اور تنہا
عجیب دل تھے، رہے پاس پاس اور تنہا
جہاں میں فرض و محبت کا اتصال تھے وہ
ہمارے دور میں ایثار کی مثال تھے وہ
ضیاء کہ دوست تھا عبدالوہاب مسلم کا
جو دستِ راست رہا تھا، جنابِ مسلم کا
یکا یک ایک بڑا سانحہ ہوا اِک دن
یکا یک اس کو خدا نے اٹھا لیا اِک دن

مسلم ضیائی۔ عبدالوہاب مسلم کاکوری نے اپنے دوست ضیاءالدین کے انتقال کے بعد اپنا ادبی نام 'مسلم ضیائی' رکھ لیا۔

وہ لمحہ ایک قیامت لیے ہوئے آیا
اجل نے لوٹ لیا زندگی کا سرمایہ
پھر ایک دوست نے اپنی ہر اِک خوشی تج دی
ضیاء کی بیوہ، پہ بچّے پہ، زندگی تج دی
رہے اکیلے وہ، مرحوم دوست کی خاطر
جو دکھ بھی جھیلے، وہ مرحوم دوست کی خاطر
'ضیائی' بن گئے 'عبدالوہاب' آخرِ کار
ادھورا رہ گیا، ہر ایک خواب آخرِ کار

O

'کرشن' نے بھی جو خاکہ لکھا ہے 'پودے' میں
وہ اِک کتابِ محبت ہے ایک صفحے میں

O

'ضیا' تو اب بھی ہے **'مسلم ضیائی'** میں زندہ
مگر وہ 'غم' جو ہے ان کے کلام میں زندہ
وہی جو راکھ میں سلگے تھا، آگ کی صورت
وہ جس نے عمر گزاری ہے 'تیاگ' کی صورت

کرشن۔ (کرشن چندر نے ترقی پسند مصنفین کانفرنس حیدرآباد ۱۹۴۵ء کی بابت اپنے مشہور پورتاژ 'پودے' میں مسلم ضیائی کے ان واقعات کا ذکر نہایت خوبصورت انداز میں کیا ہے)

اب ایک 'تارے' تھا 'اردو محل' تھا اور وہ تھے
دلِ شکستہ کا ردِّ عمل تھا اور وہ تھے
بس اِک قلم تھا، کتابیں تھیں اور کچھ احباب
اور اپنی دکھ بھری تنہائیاں اور اپنے خواب

O

میں آج اپنے وہ دن رات یاد کرتا ہوں
تو یوں سمجھئے' پھر اِک جنم سے گزرتا ہوں
پھر ایک زیست' بہ ہر لمحہ کاٹتا ہوں میں
ہزار لمحوں میں پھر خود کو بانٹتا ہوں میں

O

وہ رات، ہاں وہ مری سب سے خوبصورت رات
وہ میرے کلبۂ ویراں میں نور کی برسات
خزاں میں جیسے وہ اِک 'کھلتے پھول سی ساعت'
خوشی لٹاتی ہوئی وہ 'ملول' سی ساعت

تارے۔ حیدرآباد دکن میں مسلم ضیائی بچوں کا ایک پندرہ روزہ رسالہ 'تارے' کے نام سے نکالتے تھے۔ نئی نسل کے اکثر مشہور اہل قلم' نے اسی رسالے سے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ **اردو محل** (مسلم ضیائی کا اشاعت گھر) جہاں سے ابراہیم جلیس کی پہلی کتاب 'زرد چہرے' اور بعد میں 'نکو نادیس، چور بازار، چالیس کروڑ بھکاری' شائع ہوئی۔ **کھلتے پھول سی ساعت**۔ میری شادی کا دن۔ **ملول**۔ شادی کی تاریخ تک والد بھی حیدرآباد نہیں پہنچے تھے۔ جب میری 'نکاح خوانی' ہو رہی تھی اُسی وقت والد دلہن کے لیے کچھ کپڑے اور زیور لے کر آ گئے۔

ملول یوں کہ نہ والد نہ 'والدہ' موجود
عجب نصیب تھا میرا کہ بود بھی نابود
بس ایک حضرت مسلم ضیائی کا سایہ
خدا کی طرح تھا میرا تمام سرمایہ
اگرچہ دوست تھے اور اقربا بھی تھے موجود
اُداس اُداس سی لگتی تھی ساعتِ مسعود

O

میں اپنے سہرے کی لڑیوں میں سر جھکائے ہوئے
کسی خیال میں گم تھا، نظر جھکائے ہوئے
کہ ناگہاں، مرے ابّا مجھے نظر آئے
(اور اُن کو لے کے جو میرے سُسر اُدھر آئے)

تڑپ کے میں بھی اُٹھا اور لپٹ گیا اُن سے
قدم کو چھو کے کچھ ایسے چمٹ گیا اُن سے
کہ جیسے اب جو الگ ہوں تو چھوٹ جائیں گے
نہ صرف میں، مرے ابّا بھی ٹوٹ جائیں گے

والدہ۔ میری 'دوسری والدہ' بھی شادی میں شریک نہ ہو سکیں۔ حیدرآباد، اورنگ آباد سے ساڑھے تین سو میل کے فاصلے پر ہے۔ والدین سے ان کا کرایہ ادا نہیں کر سکتے تھے اس لیے وہ اکیلے آ گئے اور جو پیسہ بچا اس سے اپنی 'بہو' کے لیے کچھ خرید لیا۔ پھر وہ کچھ دن حیدرآباد میں رہ کر مجھے اور اپنی بہو کو اورنگ آباد لے کر گئے۔ پھر وہاں ہمارے سارے عزیزوں نے خوشیاں منائیں۔

O

میں رو رہا تھا اور ابّا بھی رو رہے تھے مگر
خوشی تھی ایسی کہ ہنس بھی رہے تھے رہ رہ کر
وہ ہار مان کے خوش تھے، میں جیت کر نادم
وہ ایک لمحہ، رکھا جس نے عمر بھر نادم

۱۴

یہاں وہ 'نظم' بھی آ جائے تو بُرا کیا ہے
جو میری رام کہانی ہے، مری بپتا ہے
جو اعتراف بھی ہے اور ایک عزم بھی ہے
جو ایک رزم پہ اکسائے، ایسی نظم بھی ہے

جو حرف حرف ہے میری وفا کا آئینہ
وہی جو مجھ کو دکھاتی ہے میرا آئینہ

ادھوری کہانی

آج سے چند برس قبل کہ جب تو بھی نہ تھی
اور کوئی بھی مرا مونس و غمخوار نہ تھا

نظم۔آگ میں پھول۔میرا پہلا مجموعۂ کلام ہے۔(مطبوعہ۔۱۹۵۶ء کراچی)

شہر کے کوچہ و بازار تھے اور میرے قدم
اور کوئی مری محنت کا خریدار نہ تھا
میری حالت سے کسی کو بھی سروکار نہ تھا

تھک کے رہ جاتے مرے پاؤں میں چلتا رہتا
بھوک کی آگ کو پانی سے بجھاتا رہتا
ایک اَن جانی مسرت کی لگن دل میں لیے
اپنی بیزار طبیعت کو لبھاتا رہتا
نت نئی راہ امیدوں کو دکھاتا رہتا

جانے وہ کیسی مسرت تھی کہ جس کی خاطر
زہر کو زہر سمجھ کر بھی پیے جاتا تھا
زندگی' عرصۂ سکرات ہوئی جاتی تھی
اور میں موت کے سائے میں جیے جاتا تھا
اپنے دامانِ دریدہ کو سیے جاتا تھا

یک بیک تجھ سے جو اِک روز ملاقات ہوئی
دور نظروں میں کوئی خواب سا شرمانے لگا

گنگناتے ہوئے بیدار ہوئے روح کے تار
دل کے نزدیک کوئی گیت سا لہرانے لگا
اپنے اطراف کی ہر چیز پہ پیار آنے لگا

تو دبے پاؤں چلی آئی مرے دل کے قریب
اور میں بھول گیا میری حقیقت کیا ہے
میں کہ افلاس، مری جہد مسلسل کا صلہ
میری دنیا میں ترے پیار کی وقعت کیا ہے
بھوک کیا جانے کہ تعظیم محبت کیا ہے

میں کہ اُس رہ گزرِ زیست کا تنہا رہرو
اپنی راہوں کے خم و پیچ سے اکتایا ہوا
کوئی ہمدم نہیں، مونس نہیں، غمخوار نہیں
ایک دل وہ بھی غم دہر سے گھبرایا ہوا
سہما سہما ہوا' ہر گام پہ تھرایا ہوا

تیری آنکھوں میں محبت کا اشارہ پا کر
میری آنکھوں میں بھی اِک خواب سا لہرا ہی گیا

میں نے تیرے لیے دنیا سے بغاوت کر دی
اور اُس خواب کی تعبیر کو میں پا ہی گیا
اپنی قسمت کو ترے حسن سے چمکا ہی گیا

کیسی کیسی نہ اُمنگیں تھیں، تمنائیں تھیں
تو دُلہن بن کے جب آئی مرے غم خانے میں
کہکشاں وسعت گردوں سے سمٹ آئی تھی
میری آنکھوں کے چھلکتے ہوئے پیمانے میں
ایک جنت تھی پشیماں مرے ویرانے میں

سوچتا تھا کہ خود اس آگ میں جل جاؤں مگر
تجھ کو سرتابہ قدم رشکِ گلستاں کر دوں
نکہت و رنگ لٹاتے ہوئے محلوں کی طرح
تیری دنیا کو بھی فردوس بداماں کردوں
زندگانی کی حقیقت کو فروزاں کردوں

کہکشاں دور سے ہنس ہنس کے اشارے کرتی
اور میں ایک نظر ڈال کے بڑھ جاتا تھا

چاندنی جیسے بہ ہرگام اُڑاتی تھی مذاق
پاؤں اٹھتے ہی نیا جال اُبھر آتا تھا
چار جانب سے اندھیرا مجھے دہلاتا تھا

رات دن فکرِ معاش اور فقط فکرِ معاش
بس یہی محورِ تاریک تھا اور میری حیات
کون سی صبح، پسینے میں شرابور نہ تھی
کس شب ماہ نے پائی غم فردا سے نجات
ایک تھی میرے لیے دھوپ ہو یا چاندنی رات

تو مرے سوزِ غمِ دہر سے واقف تھی مگر
اور کیا غم ہیں مجھے، یہ تجھے معلوم نہ تھا
تو کسی حال میں ہو، ہنستی ہی رہتی تھی سدا
تیری آنکھوں میں شکایت کا بھی مفہوم نہ تھا
یوں بہ ظاہر ترا اِک لمحہ بھی مغموم نہ تھا

روز و شب کٹتے رہے، وقت گزرتا ہی رہا
اور اِک لمحۂ بے فکر بھی ہم پا نہ سکے

دور نظروں میں کسی جنتِ گم گشتہ کا عکس
مسکراتا رہا اور ہم اسے اپنا نہ سکے
زیست کو زیست کا آئینہ بھی دکھلا نہ سکے

تیرے ملبوس پہ پیوند ابھی ہیں کہ جو تھے
رنگ سنولائے چلا جاتا ہے چولھے کا دھواں
آنکھ کے گرد سیاہی سی بڑھے جاتی ہے
کھا گیا تیری جوانی کو ترا سوزِ نہاں
کتنا بے درد ہے، بے رحم نظامِ دوراں

O

میں خوش نصیب ہوں کتنا کہ جس سے عشق کیا
بہ فیض جذبۂ دل اُس کو میں نے پا بھی لیا
مرے کلام میں جو ہے، اُسی کا پَرتَو ہے
اُسی کے نکہت و رنگ اور اُسی کی اِک ضو ہے
مرے کلام کا مجموعہ ہے جو 'آگ میں پھول'
بیاں ہے اس میں، مری شاعری کہ وجہِ نزول

وہ میرا گھر ہو، وطن ہو کہ یہ جہان بسیط
مرا کلام ہے سب، میری زندگی پہ محیط
لکھا ہے جو بھی، وہ اپنے ہی واسطے سے لکھا
غمِ جہاں بھی، غمِ دل کے راستے سے لکھا
میں اپنے عشق میں ثابت قدم رہا کتنا
اور اپنی ذات میں 'خود محترم' رہا کتنا
ملیں گی اِس کی مثالیں یہاں، مگر کم کم
کہ لوگ ہوتے ہیں دنیا میں معتبر کم کم
اگرچہ دور تھا وہ میری نوجوانی کا
وطن پہ اہلِ سیاست کی مہربانی کا
وطن میں بے وطنی، گھر میں بے گھری کا عذاب
مگر نگاہ میں خوش فہمیوں کے رنگیں خواب
قدم قدم پہ نئے مسئلے، نئی پیکار
کبھی تو خود سے نبرد آزما، کبھی بیزار

O

میں لطف آشنا خود سے ہوا تھا پہلی بار
چراغ اور ہی دل میں جلا تھا پہلی بار

وہی چراغ جو دو وحدتوں کو ایک کرے
جو آدمی کو خدا کی نظر میں نیک کرے
جو زندگی کو سزا کی جگہ جزا کر دے
جو عمر بھر کی رفاقت کو باوفا کر دے
وہ جس کے سائے میں اِک خواب سی لگے دنیا
گلاب سی، کبھی مہتاب سی لگے دنیا
جو لمس لمس سے لہکے، نکھر نکھر جائے
حجابِ ذات سے نکلے، بکھر بکھر جائے
سنور کے خود کو جو فردوس پیرہن کر دے
جو اپنی روح کو آئینہ بدن کر دے

O

عجیب دور تھا، اِک سمت، عشق تھا بیدار
تو دوسری طرف اِک جذبۂ جنوں آثار
دکن میں آئی تھی جمہوریت جو پہلی بار
تو جاگ اُٹھی تھی ہر اِک دل میں جرأت اظہار
وہ بات جو کبھی ہوتی تھی استعاوں میں
وہ شعر جو کبھی گویا رہے اشاروں میں

وہ اپنے لفظ و معانی کے ساتھ بول اُٹھے
دلوں کی صدق بیانی کے ساتھ بول اٹھے

O

’حیات‘ لے کے چلو، کائنات لے کے چلو
’چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو‘

O

ہر اِک دہن میں تھی مخدومؔ کی زباں گویا
رگوں میں آتشِ سیال تھی رواں گویا
نہ صرف میں، مرے اکثر بزرگ اور احباب
ہمیشہ دیکھتے رہتے اِک انقلاب کے خواب
وہ انقلاب جو روس اور چین میں آیا
جو کوریا سے اُٹھا، ویت نام پر چھایا
وہ جس کے **مغربی بنگال** میں بھی تھے آثار
دکن میں بھی تھی تلنگا نے کی زمیں ہموار

حیات۔مخدوم کا مقبول ترین شعر (پیدائش ۱۹۰۸ ۔ وفات ۲۵ اگست ۱۹۶۹ء) ہندوستان میں ’مخدوم ایوارڈ‘ دیا جاتا ہے۔ مجھے ’مخدوم محی الدین عالمی ایوارڈ‘ ۱۹۸۹ء میں ’عالمی اردو کانفرنس‘ کے دوران دہلی (انڈیا) میں دیا گیا تھا **مغربی بنگال**۔انڈیا میں جمہوریت کے باعث ’جیوتی باسو‘ کی کمیونسٹ حکومت ’کیرالا‘ میں بنی تھی۔

’**کیرالا**‘ میں بھی تھی سرگرم ’موپلا تحریک‘
اور اُس میں ہند کے اکثر ادیب بھی تھے شریک
اُٹھا کے بنگلہ و ’**ملیالمی**‘ ادب دیکھو
کبھی مراٹھی و تلگو کی شاعری پڑھ لو
ہر اِک زبان کا، ہر ایک باشعور قلم
خود اپنے عہد کی تاریخ کر رہا تھا رقم
’**کرشن چندر**‘ کی تصنیف ’صبح ہوتی ہے‘
(وہ اِک کتاب نہیں، ایک پیش گوئی ہے)
ادھر دکن میں ترقی پسند اہل قلم
(کہ جن پہ رہتا تھا سرکار کا بہت ہی کرم)
وہ لکھ رہے تھے، جو سچائیوں کا حاصل تھا
انہیں کی صف میں بہ ہرگام، میں بھی شامل تھا

O

تھے نوکری کے سبب، میرے نام کچھ ’قلمی‘
میں شاعری میں تھا ’**نردوش**‘ و ’**ابن مریم**‘ بھی

کیرالا (کیرالا میں ’نمودری پد‘ کی کمیونسٹ حکومت ’موپلا کسان تحریک‘ کے سبب قائم ہوئی تھی) **ملیالی**۔ کیرالا کی **مادری زبان** جس کا ادب بھی بنگلہ، تلگو اور مراٹھی ادب کی طرح بڑا اور وسیع ہے۔ **کرشن چندر**۔ کیرالا میں ترقی پسند ادبی کانفرنس کے بارے میں کرشن چندر کا رپورتاژ۔ **نردوش ابنِ مریم**۔ ان **قلمی** ناموں سے میری نظمیں بمبئی اور حیدرآباد دکن کے بعض رسائل میں چھپتی رہیں۔ میرے پاس ’شاہد‘ (ہفتہ وار۔ بمبئی) کا صرف ایک شمارہ یکم مئی ۱۹۴۹ء محفوظ ہے۔ جس میں میری نظم شائع ہوئی تھی۔

مگر بطور صحافی، بحیثیت باغی
عجیب نام تھا **'ابلیس'** وہ بھی 'فردوسی'
جو نوجوانی کے جذبات کا تھا آئینہ
اور آپ اپنے تضادات کا تھا آئینہ
مگر مجھے تو اُسی 'فخر بندگی' کی ادا
(جو کر گئی اُسے 'مردود و راندہ درگہ')
پسند اِس قدر آئی کہ میرے دل نے کہا
خدا سے، اِس سے بڑا عشق اور کیا ہو گا
یہ 'انحراف' بھی ہے، عشق کی 'انا' گویا
بجز خدا، کسی در پر بھی اس کا سر نہ جھکا
وگرنہ ہم تو خدا کے وہ نیک بندے ہیں
بجز خدا، ہر اِک انساں کے آگے جھکتے ہیں

O

میں جو بھی سوچتا، لکھتا، بہ فیضِ جرأتِ فکر
مشاعروں میں بھی پڑھتا، بہ فیضِ جرأتِ فکر

ابلیس۔ روزنامہ 'ہمدرد' میں 'ابلیس فردوسی' کے نام سے میرے طنزیہ کالم چھپتے تھے۔

اگرچہ اس کے سبب مجھ پہ کچھ ستم بھی ہوئے
بنامِ دیں **'علماء'** کے بڑے کرم بھی ہوئے
مرے رفیق، قمر ساحری و **'عاتق شاہ'**
عزیزی **'قیسی و مغنی'** سبھی ہیں اس کے گواہ
کہ ایک دن سٹی کالج کے اِک مشاعرے میں
مرے کلام پہ 'اہلِ ادب' کے دائرے میں
اِک ایسی 'بے ادبی' کا مظاہرہ بھی ہوا
کہ صدر **'زور'** نہ ہوتے تو کچھ بھی ہو جاتا
انہوں نے جنابِ اقبال کی سند کے ساتھ
کچھ ایسے کیں، مری فکر اور فن کی توضیحات
کہ دیر تک مجھے احساس بھی نہ ہو پایا
کہ میں بڑا ہوں حقیقت میں یا مرا سایا

O

میں اپنے آپ میں گم تھا کہ اِک ہوا جو چلی
مرے چراغ کی لُو تھرائی، بجھنے لگی

علماء۔ ایک مذہبی رسالے میں میری ایک نظم پر روایتی قسم کے اعتراضات کر کے مجھے 'مطعون' کیا گیا تھا۔ لیکن 'صاحبِ علم' ادیبوں نے میری تائید کی تھی۔ **عاتق شاہ** (حیدرآباد دکن کے منفرد ترقی پسند افسانہ نگار) **مغنی**۔ مغنی تبسم۔ **زور** (ڈاکٹر محی الدین قادری زور)

میں چونک اُٹھا کہ اندھیرا نہ پھر سے چھا جائے
میرے چمن میں کہیں پھر خزاں نہ آ جائے

۱۵

عجیب لوگ ہیں ہم بھی، نصیب کے بیٹے
فلک کو سر پہ اٹھائے، زمین کے بیٹے
خود اپنے نشے میں سرشار، خوش گماں، شاداں
وطن کی خاک کو منہ پر ملے ہوئے ناداں
یہ جان کر بھی کہ کچھ دل کے راز ہوتے ہیں
زمین کے بھی نشیب و فراز ہوتے ہیں
بڑے ہی فخر سے کھاتے ہیں تیر ہنس ہنس کر
اور اُس کے بعد تڑپتے ہیں جال میں پھنس کر
میں خود بھی ایسا ہی بسمل بنا، شکار ہوا
جب ایک ضرب پڑی، تب میں بے قرار ہوا
تھی دفترانہ سیاست کہ فرقہ وارانہ
میں **'نوکری'** سے نکالا گیا 'حریفانہ'

نوکری۔ ۱۶/اکتوبر ۱۹۵۰ء کو 'آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد' سے میری ملازمت ختم کر دی گئی۔

نہ صرف میں، مری بیوی کو بھی ہٹایا گیا
کلہاڑا اس پہ بھی **'تخفیف'** کا چلایا گیا
نہ کوئی جرم نہ الزام، بس، خدا حافظ
ملا تو یہ ملا انعام، بس، خدا حافظ

O

یہ اپنے ملک سے اپنی وفا تھی، کیا کہتے!
ہمارے اپنے کئے کی سزا تھی، کیا کہتے!
تعصّبات کی 'سوغات' مل رہی تھی مجھے
سحر کے پردے میں پھر رات مل رہی تھی مجھے

O

اِدھر خدا نے نوازا، ہری ہوئی گودی
اُدھر وہ آئی مصیبت کہ 'مامتا' رودی

O

ہوئے تھے صاحبِ اولاد ہم کہ یہ افتاد
پڑی تھی ایسی کہ آباد گھر ہوا برباد

تخفیف۔ میرے بعد میری بیوی کو بھی 'تخفیف' کے بہانے سروس سے ہٹا دیا گیا۔

میں سوچنے لگا، اب روزگار کیا ہو گا
نہ جانے اب رُخِ لیل و نہار کیا ہو گا
میں اب اکیلا نہیں تھا کہ ضبط کر جاتا
یہ غم لیے ہوئے ہر راہ سے گزر جاتا
میں نوجوان تھا، خوددار بھی تھا' باغی بھی
مرے خمیر میں زندہ تھا اِک 'سپاہی' بھی
سو میں نے طیش میں آ کر اُٹھا لیے 'اخبار'
نکل پڑا سرِ بازار، بیچنے اخبار
مری نظر میں تھا ہر کام' قابلِ تعظیم
ہر ایک صاحبِ محنت تھا، لائقِ تکریم

O

مگر وہ دور کہ انسانیت کا دور تھا وہ
ادب کی' علم کی' حقانیت کا دور تھا وہ
ادب، ادب تھا مگر زندگی پسند بھی تھا
عوام دوست بھی تھا اور کچھ بلند بھی تھا

سبھی تھے ایک نظریے کے ماننے والے
وہ غیر کو بھی تھے اپنا ہی جاننے والے
زباں نہ رنگ نہ مذہب کرے اُنہیں تقسیم
وہ 'آدمی' کو سمجھتے تھے قابلِ تعظیم
سو میرے واسطے سب ہی نے احتجاج کیا
ہر ایک اہلِ قلم نے بہ یک زبان کہا
یہ ظلم ہے، یہ تعصب کا شاخسانہ ہے
یہ نفرتوں کی سیاست کا اِک بہانہ ہے
عوام دوست ادیبوں سے دشمنی ہے یہ
وطن کے سارے غریبوں سے دشمنی ہے یہ

O

وہ سنہ پچاس تھا، اُس دور کے کئی **'اخبار'**
اِس احتجاج کے ہیں ترجمان و آئینہ دار

اخبار۔روزنامے۔اردو اخبارات 'رہنمائے دکن'۔'خورشید'۔'پیام'۔'عوام' اور 'سیاست' کے علاوہ انگریزی اخبار۔

’کراس روڈز‘ نئی زندگی، بلٹز، پیام‘
سبھی میں تھا مرا قصہ، سبھی میں میرا نام
کسی نے ’نوٹ‘ کسی نے ’اشاریہ‘ لکھا
کسی ’رسالے‘ نے مجھ پر ’اداریہ‘ لکھا
اُسی زمانے میں ’پرواز‘ نے بھی اِک ’گوشہ‘
مرے حوالے سے ترتیب دے کے چھاپ دیا
غرض سبھی نے مرے غم کو اپنا غم سمجھا
مجھے بھی اپنا رفیق، اپنا ’ہم قلم‘ سمجھا
سبھی نے مجھ کو نوازا، وہ ’مرتبہ‘ بخشا
کہ میں بھی خود کو ’بڑا آدمی‘ سمجھنے لگا
مگر ہر ایک صدا، دشت کی صدا ٹھہری
یہ بے نیازی بھی سرکار کی ادا ٹھہری
وہ ایک شعلہ جو بھڑکا تھا، جل کے راکھ ہوا
’یہ ’رزقِ‘ خاک نشیناں تھا، رزقِ خاک ہوا‘

کراس روڈز (ہفتہ وار بمبئی۔ایڈیٹر کرانجیا) میں خواجہ احمد عباس نے اپنے ہفتہ وار کالم Last page میں بھی میرے لیے احتجاجی **نوٹ** لکھا تھا۔اس کے علاوہ حیدرآباد دکن کے اخبار **پیام** جس کے پہلے ایڈیٹر قاضی عبدالغفار تھے اور پھر اختر حسن ہوئے۔میرے بارے میں آواز اٹھائی (اختر حسن پر میرا ایک مضمون ہفتہ وار ’پرواز‘ مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا تھا۔یہ مضمون ’شخصیت‘ (کراچی) حمایت علی شاعر نمبر (مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۹۶ء) میں بھی ’ابتدائی تحریریں‘ کے حوالے سے منتخب کیا گیا ہے) **رسالے**۔ماہوار رسائل میں ’شاہراہ‘ (دہلی) ایڈیٹر ساحر لدھیانوی اور پرکاش پنڈت، ’نقوش‘ (جالندھر) ایڈیٹر فکر تونسوی اور نریش کمار شاد۔ اور ’ادب لطیف‘ (لاہور) میں مرزا ادیب نے بھی احتجاجی نوٹ لکھے۔ **پرواز** (ہفتہ وار حیدرآباد دکن) ایڈیٹر ممتاز اختر نے ۹ نومبر ۱۹۵۰ء کو میرے حوالے سے ’پرواز‘ کا ایک ’خصوصی شمارہ‘ شائع کیا جس میں تمام احتجاجی تحریروں کے اقتباسات دیئے گئے تھے۔

O

مرے چمن میں کھلا تھا جو ’پھول‘ پہلی بار
تو میں نے کر لیا ہر غم قبول پہلی بار
میں آشنا تھا اب اِک ’باپ کی محبت‘ سے
ملی تھی مجھ کو یہ دولت، خدا کی قدرت سے
عجیب تھا مرا عالم، اس آگہی کے بعد
کہ روشنی بھی مقدر ہے تیرگی کے بعد
یہ اِک تسلسل عہد وفا ہے، جاری ہے
ازل سے تا بہ ابد زندگی ہماری ہے
ہم اپنی ذات میں ہیں آپ اِک جہاں کی طرح
زمین پر بھی اگر ہیں تو آسماں کی طرح
وہ نظم جو میری بیٹی پہ میں نے لکھی تھی
وہ ایک کیفیتِ خاص، میرے دل کی تھی

جاوداں

یہ میری بیٹی، یہ زندگی کے حسین خوابوں کی ایک منزل
مری محبت بھری رفاقت کا، میرے عہدِ وفا کا حاصل

یہ ننھی سی شمع جس کی لُو میں مرا لہو سانس لے رہا ہے
مری نگاہ و خرد کو رازِ بقاء کا عرفان دے رہا ہے
میں سوچتا ہوں کہ فرد کی زندگی بھی کتنی جماعتی ہے
اِک آدمی کے جسد میں اِک کائنات خاموش سو رہی ہے
کلی کی ننھی سی گود میں محوِ خواب ہیں گلستاں ہزاروں
زمیں کے ایک ایک ذرّے میں سانس لے رہے ہیں جہاں ہزاروں
نہایتِ قطرہ ابرِ باراں، مآلِ خورشید، کہکشاں ہے
قدم قدم پر ہے موت لیکن حیات کا کارواں، رواں ہے

عروسِ گیتی کے رُخ پہ بادِ سموم نے لاکھ دھول اُڑائی
سحر نے اُٹھ کر دُھلا دیا منہ، تو شام گیسو سنوار آئی
ہزار طوفاں اُمڈ کے لپکے، بپھر بپھر کر اُٹھے بگولے
کسی میں جرأت ہوئی نہ اتنی، اچھل کے شمس و قمر کو چھو لے
ہزار بجلی نے دانت پیسے، گرج گرج کر گھٹائیں چھائیں
شعاعیں، قوسِ قزح کی مالا، فضا کی گردن میں ڈال آئیں
خزاں بدل لے ہزار پہلو، بہار زد میں نہ آ سکے گی
حیات کی رنگ رنگ وادی پہ موت چھائی نہ چھا سکے گی

میں اپنی بچی کو دیکھتا ہوں تو آپ ہی آپ دل کے اندر
کچھ ایسی ہوتی ہے گُد گُدی سی کہ جاگ اُٹھیں قہقہے لبوں پر
میں لاکھ خود کو سنبھالتا ہوں، بہک ہی جاتے ہیں میرے پاؤں
کوئی مسلسل یہ چاہتا ہے کہ خوب ناچوں، اُدھم مچاؤں
چٹکنے لگتی ہیں خوں میں کلیاں، مچلنے لگتی ہے دل کی دھڑکن
شعور کی سرحدوں کو یک لخت پھاند آتا ہے میرا بچپن
جبیں کی شکنوں کا یہ تقاضہ، وقارِ عمرِ رواں سنبھال لوں
ہمکتے دل کی یہ ضد کہ فکر و نظر کی ہر شمع کو بجھا دوں

یہ ننھی سی شمع جس کی لَو میں ابھی کوئی روشنی نہیں ہے
نظر کا حسنِ فریب دیکھو، ابھی سے میری نظر کہیں ہے
میں اُس کے چہرے میں اپنے خوابوں کا حسنِ تعبیر دیکھتا ہوں
میں اپنے فردا کے آنکھ اوجھل اُفق کی تنویر دیکھتا ہوں
میں دیکھتا ہوں کہ میں تناسخ کے اِک عمل سے گزر رہا ہوں
میں اپنے انجام تک پہنچ کر پھر اپنا آغاز کر رہا ہوں
مری شریکِ حیات اور میں، جو دو تھے اب ایک ہو گئے ہیں
ہمارے عہدِ وفا کے لمحات آج سب ایک ہو گئے ہیں

نئے خدوخال سے ہمارے جسد کی تشکیل ہو رہی ہے
ادھورا پن ختم ہو رہا ہے، ہماری تکمیل ہو رہی ہے

۱۶

ابھی میں سوچ رہا تھا کہ کیا کیا جائے
کہ ایک دن مرے اِک دوست میرے گھر آئے
کہا کہ ایک رسالہ نکالتے ہیں، چلو
جو ہو سکے تو مرے ساتھ بمبئی میں رہو
'محاذ' کو تو حکومت نے بند کر ڈالا
'نیا محاذ' نکالیں' جو تم نے ساتھ دیا
وہاں پہ اور بھی کچھ کام ہو تو کر لینا
کہیں پہ 'قطعہ' کہیں 'فلمی گیت' لکھ دینا
قیام کے لیے 'اورنگ آباد' بہتر ہے
وہ بمبئی سے بس اِک شب کے فاصلے پر ہے

محاذ۔ترقی پسند ادیبوں کے ہفتہ وار رسالے 'تحریک' اور پھر 'محاذ' جن کے مدیر ڈاکٹر عالیہ امام کے بڑے بھائی محمد مہدی تھے۔ **نیا محاذ**۔ پریس کی نقد ضمانت کے سبب 'نیا محاذ' جب نہ نکل سکا تو 'لیل ونہار' کے نام سے ایک اور رسالے کی اجازت مانگی گئی مگر وہ بھی نہ ملی سکی۔ نیا محاذ کی خبریں اُس دور کے ادبی رسائل کے علاوہ ہفتہ وار 'پرواز' (حیدرآباد دکن) کے مختلف شماروں میں بھی چھپیں (اسکول سے ہٹائے جانے کے بعد معراج نسیم 'پرواز' کے حصہ خواتین کی ایڈیٹر ہوگئی تھیں۔ اُن کا پہلا افسانہ 'ٹوٹتے جالے' یکم جنوری ۱۹۵۱ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا)
اورنگ آباد (عمومی تلفظ)

تم اپنے شہر کو پھر اپنا مستقر کر لو
جو ہو سکے تو وہاں پھر سے اپنا گھر کر لو
یہ مشورہ مرے دل کو بہت ہی اچھا لگا
میں بلدہ چھوڑ کے، 'اورنگ آباد' جا پہنچا

O

وہاں سبھی نے محبت سے کی پذیرائی
گلے ملے تھے بڑے پیار سے بہن بھائی
'عنایت' اور مجاہد ہوں یا کہ فرزانہ
شعور و ساجد و رضوان ہوں کہ ریحانہ
ہماری بیٹی کے سب آس پاس رہتے تھے
سب اپنی بھابھی کے محوِ سپاس رہتے تھے
تھی امّی جان بھی اپنی بہو کی شیدائی
اور ابّا جان بھی کرتے تھے قدر افزائی
ہم اپنے صحنِ چمن کی بہار تھے گویا
عزیز جو بھی تھے، ہم پر نثار تھے گویا
میں اپنے شہر میں آیا تھا، چار سال کے بعد
ملی تھیں مجھ کو یہ خوشیاں بڑے ملال کے بعد

عنایت۔میرے حقیقی بھائی اور چچازاد بھائی بہن۔

عجیب عالمِ راحت تھا میرے تن من میں
عجب سکون تھا، آبائی گھر کے آنگن میں
خدا کسی کو بھی گھر سے کبھی جدا نہ کرے
مری طرح کوئی در در پھرے ، خدا نہ کرے
مگر یہ فکرِ معاش اور یہ جستجوئے معاش
کہاں کہاں لیے پھرتی ہے روٹیوں کی تلاش!

O

میں بمبئی میں تھا گردش میں صورت پرکار
'نیا محاذ' ہی نکلا نہ کوئی 'لیل و نہار'
یہاں تو 'اپنی حکومت' تھی مہرباں کچھ اور
یہ اپنے اہلِ قلم سے تھی بدگماں کچھ اور
'قرارداد' جو منظور **'بھیمڑی'** میں ہوئی
وہ اقتدار کی نظروں میں سرکشی ٹھہری

بھیمڑی (نواحی بستی) بھیمڑی کانفرنس میں تلگو زبان کے ادیب بھاسکر راؤ کی زبانی تلنگانے میں کانگریس حکومت کے مظالم کی داستان سن کر ایک سندھی ادیب نے جوش میں بے ساختہ شیخ ایاز کا ایک جوشیلا شعر پڑھ دیا تھا۔ میں ایاز کے نام سے پہلی بار اسی کانفرنس میں واقف ہوا تھا۔ بھیمڑی کانفرنس کے بارے میں ماہنامہ 'افکار' ۱۹۴۹ء (ایڈیٹر صہبا لکھنوی) 'نیا پرچم' ۱۹۴۹ء (ایڈیٹر ضمیر نیازی اور دشوامتر عادل) کے خصوصی نمبر تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔

مگر یہ فیصلہ ہر باشعور ادیب کا تھا
ضمیر حال کا، فردا کے ہر نقیب کا تھا
کہ اپنے دیس میں جمہوریت کا ہو گا راج
سیکولرزم کا، انسانیت کا ہو گا راج
زمین دار نہ جاگیردار ہو گا کوئی
نہ سامراج کا **'پروردہ یار'** ہو گا کوئی
جو بوئے گا، وہی کاٹے گا فصل کھیتوں میں
کوئی 'اچھوت' نہ ہو گا وطن کے بیٹوں میں
تمام ملک میں محنت کشوں کا ہو گا راج
بدلنا ہو گا لٹیروں کا تاجرانہ سماج
صحافت اور ادب پر نہ ہو گی پابندی
کسی کے ذہن پہ، لب پر نہ ہو گی پابندی
سو یوں ہوا کہ گرفتار ہو گئے وہ ادیب
سمجھ رہے تھے کہ آزاد ہو گئے ہیں غریب
کہیں اسیر تھے **'سردار و ظ'** انصاری
کہیں نیاز، کہیں ساہنی، کہیں کیفی

پروردہ یار۔ ریاستوں کے بادشاہ اور راجہ جنہیں 'یار برطانیہ' کہا جاتا تھا (اسی 'یاری' کے سبب انہیں زمینیں اور جاگیریں عطا کی گئی تھیں)۔
سردار وظ۔ علی سردار جعفری۔ ظ۔ انصاری۔ نیاز حیدر۔ بلراج ساہنی۔ کیفی آعظمی۔ پرویز شاہدی اور بیشتر ترقی پسند ادیب و شاعر اشتراکی خیالات رکھتے تھے۔ اس لیے وہ 'روس اور چین' کے طرف دار تھے۔

اُدھر بہار میں پرویزؔ شاہدی تھے اسیر
دکن میں کتنے تھے جن کی نہ تھی کوئی تشہیر
غرض نگاہِ حکومت میں تھے سبھی باغی
سبھی تھے روس کے شیدائی، چین کے حامی

O

مجھے بھی رہتا تھا اندیشہ گرفتاری
اور اس پہ طُرفہ نیا شہر اور بیکاری
عجب عجب سے خیالات دل میں آتے تھے
کبھی جو ضبط کی حد سے گزر بھی جاتے تھے
دلوں پہ بارِ گراں بن گیا تھا ہر قانون
کبھی کبھی اتر آتا تھا میری آنکھ میں خون
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا کیا جائے
بغیر کام یہاں کس طرح رہا جائے
کہ ایک دن کسی محفل میں مل گئے 'ساحرؔ'
(وہ آ گئے تھے یہاں دہلی چھوڑ کر آخر)

ساحر۔ ساحر لدھیانوی دہلی سے سہ ماہی رسالہ 'شاہراہ' نکالے تھے، بمبئی آجانے کے بعد یہ رسالہ پرکاش پنڈت ایڈٹ کرنے لگے۔

وہ آئے تھے کہ یہاں فلم سے ہوں وابستہ
کہ تھا دلوں میں اُترنے کا یہ بھی اِک رستہ
ادب میں اُن کا تھا جو مرتبہ، وہ ہم جانیں
مگر عوام تو اُن کا مقام، کم جانیں
چنانچہ سب ہی ترقی پسند اہلِ قلم
جہانِ فلم میں بھی اب جما رہے تھے قدم
'کرشن و عصمت' و عباس اور اپندر ناتھ
ضیاء و بیدی و معصوم اور مہندر ناتھ
وہ جاںنثارؔ ہوں، ساحرؔ ہوں یا شلندرؔ ہوں
وہ راما نند ہوں، مجروحؔ ہوں کہ اخترؔ ہوں
کوئی کہانی، کوئی گیت لکھ رہا تھا کہیں
سب انقلاب کی ہموار کر رہے تھے زمیں

O

'ستونِ دار' پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ'
'جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے'

کرشن و عصمت۔ کرشن چندر، عصمت چغتائی، خواجہ احمد عباس، اپندر ناتھ اشک، ضیاء سرحدی (فلم 'ہم لوگ' کے ڈائریکٹر اور 'تاحد نگاہ' کے مصنف) راجندر سنگھ بیدی، راہی معصوم رضا، مہندر ناتھ، جاںنثار اختر، شلندر (مزدور لیڈر اور گیت نگار) راما نند ساگر ('اور انسان مر گیا' ناول کے مصنف) مجروح سلطان پوری، اختر الایمان فلموں میں کہانیاں اور نغمات لکھ رہے تھے۔ **ستونِ دار۔** یہ مجروح سلطان پوری کا شعر ہے۔

O

مگر یہ 'زر' کہ تھا اِک **'سامری'** کا 'گوسالہ'
بنا چکا تھا اِک 'اُمّت' کو اپنا متوالا
رہے 'کلیم' تو اللہ سے گفتگو میں مگن
نہ کام آسکا 'ہارون' کا بھی زورِ سخن
وہ قوم، زر کی ہوس میں خدا کو بھول گئی
خدا کو بھول گئی، ناخدا کو بھول گئی
تو یہ ادیب، یہ شاعر، یہ پیٹ کے مارے
'طلسمِ سام' سے کس طرح بچتے بیچارے
وہ دائرہ کہ جو تھا کوئے یار کے مانند
وہ ہو کے رہ گیا اِک دن حصار کے مانند
'عوام' تک تو یقیناً سبھی کے نام آئے
مگر سنا ہے کہ **'شاہین'** بھی زیرِ دام آئے
میں سوچتا تھا کہ میرا مآل کیا ہو گا؟
ہر ایک لمحہ تھا دل میں سوال' کیا ہو گا؟

سامری۔ جادوگر۔ جس نے سونے کا بچھڑا 'گوسالہ' بنایا تھا (گائے کے بچّے کو 'گوسالہ' کہتے ہیں) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت 'یہودی' اُس کی پوجا کرنے لگی تھی۔ **طلسم سام۔** سامری کا جادو (عرف عام میں امریکہ کو بھی 'چچا سام' کہا جاتا ہے۔ مراد طلسم زر) **شاہین۔** علامہ اقبال کی شعری علامت۔ اونچی اڑان والے پرندے کا نام جو کبھی زیر دام نہیں آتا۔

۱۷

وہ بمبئی کے شب و روز' وہ تلاشِ معاش
بس ایک فکر کہ مل جائے کوئی کام اے کاش
کہ ایک دن مجھے **'اپٹا'** میں مل گئی **'اُوشا'**
(دکن میں اس کا مرا ساتھ ریڈیو میں تھا)
وہ اپنے عشق میں پاگل ہوئی، یہاں پہنچی
کہاں کی خاک تھی، اُڑتی ہوئی کہاں پہنچی
وہ مجھ سے کہنے لگی، اِک 'بھجن' لکھو ایسا
ہو جس میں **'صدر ٹرومن'** کی 'مورتی پوجا'
وہ مورتی جو بنے، اس کے ہوں گے **'ہاتھ ہزار'**
ہر ایک ہاتھ میں ہوں گے، نئے نئے ہتھیار
وہ 'ہیرو شیما' کے ملبے پہ ہو گی استادہ
کہ جیسے ہو کسی چنگیز کی فرستادہ
تمام صدر و شہنشاہ و رہبرانِ وطن
پجاریوں کی طرح مل کے گائیں گے یہ بھجن

اپٹا (Ipta) انڈین پیپلز تھیٹر ز ایسوی ایشن۔ **اوشا۔** جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے ایک پروفیسر کی صاحبزادی جو بہت باشعور اور انقلابی تھی۔ ایک نوجوان سے محبت کے سبب بمبئی آ گئی اور شادی کر لی وہ (اپٹا) میں کام کرتی تھی۔ ڈرامے اسٹیج کرتی اور خود بھی بہت اچھی فنکارہ تھی۔ **صدر ٹرومن۔** امریکی صدر جس کے دور میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرایا گیا تھا (اُن دنوں کوریا میں جنگ شروع ہو چکی تھی) **ہاتھ ہزار۔** ہری کے ہاتھ ہزار (محاورہ)۔

کچھ ایسے چہرے بنیں گے کہ اصل کا ہو گماں
کچھ ایسے راز کھلیں گے کہ ہو سکیں نہ بیاں
نہ صرف ہند، وہ پاک و عرب ہو یا ایران
کُل ایشیا کا نمائندہ ہو گا ہندوستان
ہر ایک بول میں اِک ڈر، اِک التجا ہو گی
اُس انقلاب سے بچنے کی اِک دعا ہو گی
وہ انقلاب، جو بھارت میں آنے والا ہے
وہ جس سے صرف 'ٹرومن' بچانے والا ہے
سو میں نے ایک **'سیاسی بھجن'** لکھا ایسا
اور اُس کو 'اوشا' نے اسٹیج بھی کیا ایسا
کہ بمبئی میں بہت اس کا ہو گیا چرچا
جسے بھی دیکھو وہی گنگنانے گانے لگا
'پریم دھون' نے دھن بھی بنائی تھی کیا خوب
مگر یہ 'خوب' بھی آخر کو ہو گیا 'ناخوب'

سیاسی بھجن ڈالر دیس کے راجہ اوسب راجوں کے رکھوالے کٹھن گھڑی ہے ہم بھگتوں پر آ کر ہمیں بچالے
اوسب راجوں کے رکھوالے

یہ بھجن میرے مجموعہ کلام 'آگ میں پھول' کے دوسرے ایڈیشن میں 'اپٹا' کے حوالے سے شامل ہے۔ **پریم دھون**۔'اپٹا' کے میوزک ڈائریکٹر اور شاعر' جنہوں نے 'عالمی امن تحریک' کے گیتوں کی دھنیں بنائی تھیں، جن میں شیلندر کا یہ گیت بہت مقبول ہوا تھا۔
اِس بار لڑائی لانے والا بچ کے نہ جانے پائے گا
اُس دور میں پی ٹی رندوے، آل انڈیا کمیونسٹ پارٹی کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے کانگریس حکومت کے خلاف 'ڈائریکٹ ایکشن' کی پالیسی اختیار کر رکھی تھی اس لیے بعض ادیبوں اور دانشوروں کو اس سے اختلاف تھا چنانچہ ظ۔ انصاری اور بلراج ساہنی وغیرہ نے اُس سے اختلاف کا مظاہرہ بھی کیا اور حکومت سے 'معافی' مانگ کر جیلوں سے باہر آ گئے۔

سی آئی ڈی نے کچھ اس طرح کی پذیرائی
کہ ایک دن پولس، اوشا کے گھر چلی آئی
خدا کا شکر کہ اُس دن کوئی نہ تھا گھر میں
اور اُس کے بعد تو کوئی نہیں رہا گھر میں
پریم دھون بھی، اوشا بھی ہو گئے روپوش
میں خود بھی اپنے 'نگر' جا کے ہو گیا خاموش

O

عجیب دور تھا، گویا میں اِک حصار میں تھا
کسی کے اور نہ خود اپنے اختیار میں تھا
میں اپنے شہر میں رہتا تھا اجنبی کی طرح
بہت ہی عام سے گمنام آدمی کی طرح
اگرچہ جو بھی خطا تھی، وہ شوخ و سادہ تھی
مگر سزا جو ملی، وہ بہت زیادہ تھی

O

(جو قلمی نام تھے) 'نردوش' و 'ابن مریم' بھی
کوئی نہ جانتا، حتی کہ میری بیگم بھی

کہ یہ بھی نام تھے میرے، یہ کام میرا تھا
حوالہ غیر کا تھا اور کلام 'میرا' تھا
مگر لکھا گیا جو بھی، وہ اِک حقیقت تھی
ہمارے عہد کی منہ بولتی صداقت تھی

O

گزر رہے تھے شب و روز اور گزرتے گئے
سی آئی ڈی کی نظر سے بھی ہم اترتے گئے
میں شہر میں بھی کبھی گھوم پھر کے لوٹ آتا
کبھی رفیقوں، عزیزوں کے گھر چلا جاتا
مگر دماغ میں بس اِک سوال رہتا تھا
عجیب سا کوئی خوفِ مآل رہتا تھا
سحر کے ساتھ ہی ہوتی تھی، فکرِ شام مجھے
کئے ہوئے تھی ہر اِک فکر، زیرِ دام مجھے
ہمارے **'کھیت'** بھی، کھلیان بھی ہمارے نہ تھے
ملے ہوئے تھے جو اجداد کے سہارے، نہ تھے

کھیت۔ پولیس ایکشن کے بعد ہمارے کھیتوں پر کچھ غیر مسلموں نے قبضہ کر رکھا تھا جو کچھ عرصے بعد چھڑا لیا گیا۔

تعصّبات کی زد میں تو سب کو آنا تھا
'رحیم و رام' کی یکجائی تو فسانہ تھا

O

کبھی دیا تھا بزرگوں نے ہم کو یہ پیغام
کہ 'ایشور' ہو کہ 'اللہ' سب **'خدا'** کے نام
وہ لوگ 'دل' میں خدا کو بسائے رکھتے تھے
وہ 'مندروں' کو بھی 'مسجد' بنائے رکھتے تھے
اُنہوں نے ہم کو کبھی بدگماں نہ ہونے دیا
ہمارے دل کو کبھی بے اماں نہ ہونے دیا
مگر یہ دور، جو نفرت کی کوکھ سے پھوٹا
یہ خار زار، جو جنّت کی کوکھ سے پھوٹا
ہمارے 'سورگ' کو دوزخ بنائے جاتا تھا
حیات و موت کا **'برزخ'** بنائے جاتا تھا

رحیم ورام۔ صوفیائے کرام اور بھگتوں کی تعلیمات یہ تھیں کہ۔۔۔۔ 'رام کہو کہ رحیم کہو مطلب تو اسی کی ذات سے ہے'۔
اور 'ایشور، اللہ تیرو نام' ہمارے دور کے روشن خیال ہندو ادیب و شاعر مثلاً پنڈت سندر لال اور کانشی رام چاؤلہ وغیرہ جن کی کتاب 'پریم سنگیت' تمام مذاہب کی ہم خیال تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح ہندو شعراء کی نعتیں جو سیکڑوں کی تعداد میں ہیں ('بہ ہر زماں۔ بہ ہر زباں' مرتبہ نور احمد میرٹھی) اور دلّو رام کوثری جو بڑے فخر سے خود کو ہندوستانی 'حسان بن ثابت' (نعت نگار) کہتے تھے۔ اُن کا ایک 'غیر مطبوعہ' نعتیہ دیوان بھی ہے۔ **خدا۔** مخدوم کی نظم 'طور' کا مصرعہ ؎ خدا بھی مسکرا دیتا تھا جب ہم پیار کرتے تھے
برزخ۔ یہ 'دوزخ' کا قافیہ نہیں ہے مگر اپنے مفہوم اور صوتی آہنگ کی خاطر میں نے لکھ دیا ہے کہ اس سے بہتر کوئی لفظ ممکن نہ تھا۔

O

میں سوچتا، کبھی دن رات سوچتا رہتا
میں کیا بتاؤں کہ کیا مجھ سے میرا دل کہتا
کبھی تو ایسے اُلجھتے بہم یقین و گماں
کہ دل کی آتش پنہاں سے اُٹھنے لگتا دھواں
کوئی یہ کہتا کہ جب بن گیا ہے پاکستان
تو جاؤ، ہند پہ حق بھی تمہارا کیا ہے میاں!

O

یہ بات سننے میں گو بار بار آتی تھی
مگر کبھی مرے دل میں نہیں سماتی تھی

O

اُنہیں دنوں مرے ابّا نے ایک بات کہی
(نظر بچا کے بہو سے) مجھے نصیحت کی
یہ شاعری تمہیں شہرت بھی دے گی، عزت بھی
مگر نہ دے گی ضمانت، یہ ایک روٹی کی

میں چاہتا تھا کہ کچھ اور بھی بناؤں تمہیں
پڑھا لکھا کے 'بڑا آدمی' بناؤں تمہیں
تم اپنے دل کے کہے پر چلا کئے اب تک
جو ہم پہ گزری، وہ ہم بھی سہا کئے اب تک
میں مانتا ہوں کہ اب تم بہت ہی 'قابل' ہو
مگر جو ہو سکے بٹیا تو 'میٹرک' کر لو
یہ بات تیر کے مانند میرے دل کو لگی
(تب امتحان کی تاریخ بھی قریب ہی تھی)
میں روزگار کی خاطر 'نصاب' پڑھنے لگا
جو روٹیاں مجھے دے، وہ کتاب پڑھنے لگا

۱۸

میں امتحان سے فارغ ہوا ہی تھا کہ سنا
کہ 'بند' ہونے کو ہے پاک و ہند کا رستہ
وہ غالباً تھا مئی اور سن تھا اکیاون
کہ میرے دل میں در آیا، خیالِ ترکِ وطن

بڑا آدمی۔ مشہور شاعر سکندر علی وجد ہمارے عزیز تھے۔ وہ ایچ سی ایس (حیدر آباد سول سروس) کر کے ایک بڑے عہدے پر فائز ہو گئے۔ میرے والد کی آرزو تھی کہ میں بھی ان کے نقش قدم پر چلوں مگر میں ۱۹۴۵ء میں میٹرک میں فیل ہو گیا تھا اور تعلیم چھوڑ بیٹھا تھا۔ البتہ میری شاعری جاری تھی۔ **بند۔** ۱۹۵۱ء میں پاکستان میں 'قانون شہریت' نافذ ہونے کے سبب ہندوستان سے 'آزادانہ آمدارفت' بند ہو چکی تھی اور میں پاکستان آنے کا پروگرام بنا رہا تھا۔

میں اپنی بیوی کو ہم راز تھا بنائے ہوئے
کہ ہم تھے دونوں ہی، حالات کے ستائے ہوئے
گزر رہی تھی جو ہم پر، سبھی تھا پیشِ نظر
نظر میں دور تلک تھی، نہ کوئی راہِ مفر
سبھی کی نوکریاں ختم تھیں 'بفضل خدا'
وہ وقت تھا کہ بہم لوگ ہو رہے تھے جدا
مرا یہ حال کہ میں گھر کا بوجھ تھا گویا
ضعیف باپ کے بھی سر کا بوجھ تھا گویا
کوئی ہنر، کوئی بزنس نہ کوئی فن سیکھا
کوئی وسیلہ بھی پیدا کِیا نہ روٹی کا
تو اب یہ سوچا کہ یہ بوجھ خود اٹھاؤں گا
اور اپنی بگڑی ہوئی زندگی بناؤں گا
نئی زمیں ہو تو کیا، آسماں تو ہو گا وہی
خدا تو ہو گا وہی، مہرباں تو ہو گا وہی

O

مری نظر میں تھے دو ملک 'ہند و پاک' مگر
میں اُن کو دیکھتا 'یک جان و دو بدن' یکسر

زباں، لباس بھی، رسم و رواج بھی یکساں
فنون و علم بھی یکساں، سماج بھی یکساں
وہاں کے 'مندر و مسجد' یہاں کا آئینہ
یہاں کے 'مسجد و مندر' وہاں کا آئینہ
خدا بھی ایک ہے ہر جا، فقط ہیں نام جدا
عبادتوں کا ہے البتہ اہتمام جدا
مگر یہ فرق تو حسنِ نظام فطرت ہے
اسی کا نام روایت، اسی کا جدّت ہے
یہ دشمنانہ سیاست، یہ نفرتوں کا وفور
رہا ہے اور نہ رہے گا، یہ ختم ہو گا ضرور
جب ایک سی ہو ہر اِک چیز، ایک سی ہو فضا
یہاں رہو بھی تو کیا اور وہاں رہو بھی تو کیا

O

سو میری سوچ ارادے میں ڈھل گئی اِک دن
ارادہ بن کے زباں سے نکل گئی اِک دن
یہ بات جس نے سنی، میرا ہم خیال ہوا
مرا یہ فیصلہ سب کے لیے مثال ہوا

عزیز و دوست بھی، چلنے کو ہو گئے تیار
سبھی کے دل میں نئی آرزوئیں تھیں بیدار
'شفیع' خواجہ نصیر اور **'عروج'** ساتھ ہوئے
وطن سے اپنے، برائے خروج ساتھ ہوئے
وہ اِس زمین کو اپنی ہی کب سمجھتے تھے
وہ انڈیا کو تو **'دارالحرب'** سمجھتے تھے
وطن میں خود کو ہمیشہ ہی اجنبی سمجھا
قیام، اپنا یہاں سب نے عارضی سمجھا
ہر اِک نظر میں تھا اب غیر ملک ہندوستان
سمجھ رہے تھے کہ ان کا وطن ہے پاکستان

O

اگرچہ میں بھی تھا اپنے وطن میں پابہ رکاب
مگر تھا دل کسی انجانے درد سے بے تاب

شفیع (شفیع الدین فرفت) جو پاکستان میں 'قاضی شفیع' کے نام سے مشہور ہوئے (میرے پھوپھی زاد بھائی تھے) **عروج** (عبدالرؤف عروج) میرے لڑکپن کے دوست' پاکستان میں روزنامہ 'حریت' سے متعلق رہے۔ کئی کتابیں تالیف وتصنیف کیں۔ مجموعہ کلام 'چراغ آفریدم' کے نام سے شائع ہوا۔ (تاریخ وفات ۷ امئی ۱۹۹۰ء) **دارالحرب** (بالفتح بھی لکھا جاتا ہے) اپریل ۱۹۲۰ء کو مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے فتویٰ دیا تھا کہ ہندوستان 'دارالحرب' ہے۔ مسلمان یہاں سے ہجرت کر کے کسی آزاد مسلم ملک میں چلے جائیں چنانچہ 'تحریک ہجرت' عمل میں آئی اور مسلمان اپنی زمینیں اور مکان بیچ کر افغانستان جانے لگے۔ مگر کچھ ہی دنوں بعد وہاں کے حکمران حبیب اللہ خان نے سرحد بند کر دی مجبوراً لوگ واپس ہوئے۔ بہت سے راستے میں مر گئے۔ رئیس المہاجرین 'جان محمد جونیجو' جن کا تعلق لاڑکانہ سے تھا۔ اور جن کی رہنمائی میں سندھ کے مسلمانوں نے ہجرت کی تھی، اجمیر چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

میں دیکھتا کبھی بیوی کو اور بچّی کو
کبھی ضعیف سے ابّا کو اور امّی کو
کبھی اُداس بہن بھائیوں کی صورت کو
کبھی وطن کو، کبھی پیٹ کی ضرورت کو
کبھی میں خود کو بہت 'خود غرض' نظر آتا
کبھی میں حد تعین سے بھی گزر جاتا
کبھی نظر میں وہ مانوس روپ بھی ہوتا
جو میرے واسطے **'ممتا سروپ'** بھی ہوتا
کچھ ایسا لگتا کہ مجھ کو پکارتا ہے وہ
قریب آ کے 'نظر بھی اتارتا' ہے وہ
تڑپ کے وہ کبھی میری بلائیں لیتا ہے
اُٹھا کے ہاتھ مسلسل دعائیں دیتا ہے
کبھی وہ چومتا، رو رو کے میری پیشانی
(رُلائے جاتی مجھے اس کی اشک افشانی)
میں اُس کے قُرب میں پاتا عجیب راحت سی
کہ جیسے ملتی ہو کھوئی ہوئی محبت سی

ممتا سروپ۔ ماں کی محبت کا روپ۔

وہ مجھ کو پیار سے جس دم گلے لگا لیتا
'خدا بھی دیکھ کے خاموش مسکرا دیتا'

۱۹

قریب آتی چلی تھی جدائی کی ساعت
کہ میں نے دیکھا عجب اِک کرشمۂ قدرت
پرند اُڑنے لگے میرے آس پاس بہت
وہ چیختے تھے کہ ہوں جیسے بدحواس بہت
کبھی وہ نوچتے آ، آ کے میرے کپڑوں کو
کبھی پکارتے وہ، دوسرے پرندوں کو
میں 'بد شگونی' سمجھ کر اُنہیں اُڑا دیتا
بہت ہی سخت دلی سے اُنہیں بھگا دیتا

O

کبھی یہ دیکھا کہ مجھ سے وہ کچھ خفا سے ہیں
اُنہیں بھی جیسے گِلے کچھ مری وفا سے ہیں

بدشگونی۔ حکایت ہے کہ جس صبح حضرت علی شہید ہوئے، کچھ بطخوں نے اُن کا دامن پکڑ کر اُنہیں گھر سے باہر جانے سے روکنا چاہا تھا۔

وہ اِک درخت پہ بیٹھے تھے سر جھکائے ہوئے
بہت اُداس، بہت چپ، نظر جھکائے ہوئے
میں ایک ڈال کے پاس آ کے اُن کو تکنے لگا
تو اُن کی آنکھوں سے اِک درد سا جھلکنے لگا
وہ درد، جو مری مرحوم ماں کے پیار میں تھا
ضعیف باپ کی اِک آہِ دل فگار میں تھا
جو میری بیوی کے جذباتِ آشکار میں تھا
جو میرے گھر کے ہر اِک فرد بے قرار میں تھا
جو اشک بن کے لرزتا سبھی کی آنکھوں میں
جو اُوس بن کے چمکتا مرے شگوفوں میں
برس برس کی رفاقت کا آئینہ تھا جو درد
بڑی خموش محبت کا آئینہ تھا جو درد
وہ درد پھیل گیا پھر ہوا کی لہروں میں
بلک بلک کے گلے ملنے والی شاخوں میں
بکھرتے پتّوں میں، خوشبو لٹاتے پھولوں میں
ہمارے کھیتوں میں، اُڑتے ہوئے بگولوں میں
اُداس گلیوں میں، سڑکوں پہ، شاہراہوں میں
تمام مسجد و مندر میں، خانقاہوں میں

O

کبھی غصیلی نگاہوں سے دیکھتا سورج
کبھی اُداس نظر آتی چاند کی سج دھج
کبھی مجھے کوئی دروازہ غور سے تکتا
کبھی مجھے نظر آتا تھا ہر طرف 'سکتہ'
کبھی تو مجھ پہ مرا دل ہی پھبتیاں کستا
کبھی ضمیر مرا، سانپ کی طرح ڈستا
کبھی ہوائیں لپک کر لپٹ لپٹ جاتیں
پہاڑ بن کے مرے راستے میں ڈٹ جاتیں
ہر ایک چیز مری راہ روکتی رہتی
بہت ہی پیار سے ہر گام ٹوکتی رہتی
گلی گلی مجھے کہتی، جناب، تم بھی چلے!
بُھلا کے اپنی محبت کے خواب، تم بھی چلے!
یہیں پہ کھیلا تھا بچپن تمہارا، یاد نہیں؟
یہی ہے برسوں سے مسکن تمہارا، یاد نہیں؟
یہیں جواں ہوئے، مفہومِ زندگی سمجھا
یہیں تو عشق کو تم نے ذری ذری سمجھا

کہیں خدائے حقیقت، کہیں خدائے مجاز
کہیں حرم کی ضرورت، کہیں صنم کا جواز
کہاں کہاں نہ کیا، اعترافِ حسن و جمال
کہاں کہاں نہ بنی، سجدہ گاہِ خواب و خیال
یہیں 'ایلورہ' اساطیر کا صنم خانہ
یہیں 'اجنتا' کا وہ رنگ رنگ افسانہ
وہ سنگ و رنگ کی دنیا، وہ وقت کے شہکار
وہ جن کے حسن کا آئینہ، وجدؔ کے اشعار

O

'مئے خیال' ہے سنگین آبگینوں میں'
'دلوں کا سوز نہاں، پتھروں کے سینوں میں'
'چھپائے نور ازل بت ہیں آستینوں میں'
'حیات جذب ہے اِن بےشکن جبینوں میں'
'تصورات کے پیکر، تراش ڈالے ہیں'
'دیے وہ دل، جو ہمیشہ دھڑکنے والے ہیں'

مئے خیال۔ سکندر علی وجد کی نظم 'ایلورہ' کے اشعار جوان کے کلیات 'جمالِ اجنتا جلالِ ہمالہ' میں شامل ہے۔ اُن کی ایک نظم 'اجنتا' پر بھی ہے۔ وجد کے شعری مجموعوں کے نام یہ ہیں (لہو ترنگ۔ آفتاب تازہ اور بیاض مریم)

O

عجیب ملک ہے ہندوستان بھی یارو
کہ جس پہ رشک کرے آسمان بھی یارو
پناہ گاہ رہا کتنے بے زمینوں کی
قیام گاہ رہا کتنے رہ نشینوں کی
وہ آریا ہو کہ منگول و ترکی و سامی
جہاں میں کون نہیں اس کے پیار کا حامی
یہاں کے لوگ، وہی سانولے سلونے لوگ
بہت ہی سادہ و معصوم سے کھلونے لوگ
سبھی کو دل میں بسایا، یہاں کے لوگوں نے
حیات کرنا سکھایا، یہاں کے لوگوں نے
یہ 'کرشن' و 'بدھ' کی زمیں 'بھرتری ہری' کا وطن
یہ 'والمیک' کا اور 'کالی داس' کا گلشن
یہ 'ٹیکسلا' وہ 'گیا' وہ عظیم 'نالندہ'
یہ علم و فکر کے مرکز، 'دیارِ تابندہ'

بھرتری ہری۔ وہ شاعر جس کا ذکر اقبال نے 'جاوید نامہ' میں کیا ہے اور جس کے ایک شعر کا ترجمہ 'بالِ جبریل' میں بھی ہے۔ **والمیک**۔ رامائین کا مصنف۔ **کالی داس**۔ سنسکرت کا بڑا ڈرامہ نگار ('شکنتلا' کا مصنف) **ٹیکسلا**۔ ٹیکسلا اور نالندہ (ہندوستان میں 'بدھ ازم' کے تعلیمی مراکز)

یہیں سے چینیوں، یونانیوں نے پایا علم
تمام دہر پہ سورج کی طرح چھایا علم
جہاں کے اہلِ نظر میں رہا ہے کیا بھارت
گواہ اب بھی ہیں 'رامائن' و 'مہابھارت'
کہوں میں کیا کہ ہر اِک حاشیہ اضافی ہے
ثبوت کو یہ 'موہن جو دڑو' ہی کافی ہے

O

میں سوچتا مگر اِک سوچ اور اُبھر آتی
جو مجھ کو ایک نئے دائرے میں لے جاتی
خدا، یہ ارض و سما، اور یہ حیات ہے کیا
سب آدمی کے لیے ہے، یہ کائنات ہے کیا
دیارِ پاک تو کیا، کل جہان اپنا ہے
جہاں جہاں ہے خدا کا مکان، اپنا ہے

مہابھارت۔ جس میں مہاتما گوتم بدھ نے برگد کے نیچے مہینوں بیٹھ کر غور و فکر کیا تھا اور ایک مذہب کی بنیاد ڈالی تھی۔ **موئن جودڑو**۔ پانچ ہزار سال پہلے کی تہذیب کا علاقہ جس کے آثار حالیہ کھدائی میں دریافت ہوئے۔

کبھی تو کرتے تھے **'اقبال فکر'** ارزانی
کبھی نگاہ میں ہوتے **'جمال افغانی'**
اُسی حوالے سے یہ بھی خیال آ جاتا
اگر یہ بات نہ ہوتی تو ملک بن پاتا؟
وہاں سے کتنے ہیں نزدیک، سارے مسلم ملک
ملے ہوئے ہیں بہم، سب ہمارے مسلم ملک
یہ سب ہوں دوست، تو نادان، کیا سے کیا ہو جائیں
جہاں کے سارے مسلمان، کیا سے کیا ہو جائیں
کہیں تو مجھ میں بھی پوشیدہ 'وہ مسلماں' تھا
جو اپنی ذات میں 'بھولا سا ایک انساں' تھا
سو میں بھی خواب میں 'کچھ اور' دیکھنے لگتا
سیاستوں کے 'چھپے طور' دیکھنے لگتا
میں دل سے کر تو چکا تھا ارادۂ ہجرت
تو چھوڑ آیا میں اِک روز 'پیار کی دولت'

اقبال کی فکر۔ ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست اور مسلم ہیں ہم وطن ہے، سارا جہاں ہمارا
جمال افغانی۔ جمال الدین افغانی (۱۸۳۸ء تا ۱۸۹۷ء) جو پین اسلام ازم' کے داعی تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ تمام مسلم ملک الگ الگ رہ کر بھی ایک دوسرے سے 'پیوست' رہیں اور اسلامی ملکوں کو ایک بلاک بنایا جائے۔ مگر یہ ممکن نہ تھا کیوں کہ بقول غالب۔
'کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے' وقت کا تقاضا کچھ اور تھا۔

۲۰

عجب سفر تھا، میں جب آ رہا تھا پاکستان
کہ میرے پیچھے تھا 'کفر' اور سامنے 'ایمان'
میں **'مونا باؤ'** سے جس رات پہنچا **'کھوکھراپار'**
لگا کہ دل مرا اِس پار ہے، دماغ اُس پار
زمیں کے ساتھ یہ تقسیم تو مقدر تھی
مگر نگاہ میں اِک صبح بھی منوّر تھی
وہ صبح، ایک صدی کاٹ کر جو آئی تھی
وہ جس نے عہدِ غلامی پہ فتح پائی تھی
دیارِ ہند ہو یا وہ دیارِ پاکستاں
یہ صبح دونوں پہ یکساں ہوئی تھی ضو افشاں
اگرچہ باہمی نفرت کا اِک جواز بھی تھا
جو **'سومناتھ'** سے محمود تا **'ایاز'** بھی تھا

مونا باؤ۔ راجستھان میں ہندوستانی سرحد کا آخری ریلوے اسٹیشن۔ **کھوکھراپار** (اسی علاقے میں پاکستانی سرحد کا پہلا گاؤں)۔
سومناتھ۔ محمود غزنوی کے زمانے میں ہندوستان کا سب سے بڑا مندر جس کی تمام مورتیاں سونے کی بنی ہوئی تھیں۔ **ایاز**۔ محمود کا غلام۔ کہا جاتا ہے کہ محمود، ایاز پر عاشق تھا۔ میرا ایک شعر ہے۔

غزنوی ہوں اور گرفتارِ خمِ زلفِ ایاز
'بت شکن' ہوں اور دل میں 'بت کدہ' رکھتا ہوں میں

کہیں تھے شیخ و برہمن کے حرص و آز نہاں
کہیں تھی کشمکشِ 'شودر' و ایاز نہاں
وہ اقتدار کے حربے، یہ بے بسی کا صلہ
اِنہیں زمین پہ خلد، اُن کو وعدۂ فردا
غرض کہ دین کے پردے میں جو سیاست تھی
وہی عوام میں صدیوں سے وجہِ نفرت تھی
فرنگیوں نے بھی اس سے اُٹھایا فائدہ خوب
مگر اب اُن کا بھی خورشید ہو گیا تھا غروب
اُنہوں نے دین 'دھرم' کو بنا کے آلہ کار
رکھا تھا عہدِ غلامی میں برسرِ پیکار
میں سوچتا تھا کہ جب یہ غبار ڈھل ہی گیا
فرنگیوں کا بھی ہم پر فریب کھل ہی گیا
تو اب عوام سمجھ جائیں گے حقیقت بھی
دلوں میں جاگ اُٹھے گی بہم محبت بھی
وہ مسئلے کہ جو تھے حل طلب، وہ حل ہوں گے
جو آج گر نہیں ہو پائے ہیں، تو کل ہوں گے

شودر۔ شودر ہندستان کے قدیم باشندے 'دراوڑ' جنہیں آریا قوم نے اپنا 'غلام' بنا رکھا تھا۔ 'شودر' نیچ ذات کے لوگ کہلاتے ہیں۔ اب انہیں 'ہری جن' کہا جاتا ہے یعنی جنہیں 'ہری' یعنی بھگوان نے جنم دیا۔ وہ بھی انسان ہیں اور اُن کی بھی عزت کرنی چاہیے۔ **دھرم۔** دھرم بالفتح بھی جائز ہے۔

O

یہ آرزو ہر اِک 'انسان دوست' ادیب کی تھی
ہر اِک شریف امیر اور ہر اِک غریب کی تھی
جنابِ قائد اعظم نے بھی کہی تھی یہ 'بات'
کہ اب نہ مسلم و ہندو کوئی نہ ذات نہ پات
سبھی وطن کے ہیں بیٹے، سبھی وطن کے سپوت
یہی وفا کا تقاضا، یہی وفا کا ثبوت
چلیں گے سب سوئے منزل، بڑھیں گے سوئے حیات
تمام اہلِ وطن اب ملا کے ہاتھ میں 'ہاتھ'

O

سحر کا وقت تھا، میں میرپور خاص آیا
یہاں بھی مسلم و ہندو بہم تھے ہمسایہ
یہاں جو مسجد و مندر، قریں نظر آئے
تو میری آنکھ میں آنسو خوشی سے بھر آئے
سماں یہ دیکھ کے، بے ساختہ دعا نکلی
دعائے خیر لبوں سے، بہ التجا نکلی

بات۔ قیام پاکستان کے بعد قائد اعظم کی پہلی تقریر۔ **ہاتھ۔** یہ قافیہ بھی درست ہے۔

خدا سبھی کو یہاں سایۂ اماں میں رکھے
ہر آدمی کو محبت کے سائباں میں رکھے
ہے جس کا جو بھی عقیدہ، قدیم ہو کہ جدید
وہ اُس کے حق میں ہے اچھا، قدیم ہو کہ جدید
ہر اِک عقیدے کا لازم ہے احترام کریں
جو بات جس میں ہو بہتر، اُسے سلام کریں

O

ٹرین پہنچی تھی جس وقت میری 'حیدراباد'
تو اِک عجیب مسرت سے ہو گیا دل شاد
یہ نام تو مری 'محبوب سر زمیں' کا ہے
دیارِ دل میں مرے خوابِ اوّلیں کا ہے
تڑپ کے دل نے یہ چاہا کہ شہر کو دیکھ آؤں
(مگر زمین پہ رکھّے نہیں تھے میں نے پاؤں)

O

یہاں سے میں جو 'کراچی' گیا تو کیا دیکھا
دیارِ پاک میں بمبئی کا 'آئینہ' دیکھا

حیدراباد (ضرورت شعری کی خاطر اصل تلفظ میں تصرف سے کام لیا ہے) **کراچی** (۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے ۳۱ جولائی ۱۹۶۰ء تک کراچی پاکستان کا صدر مقام رہا) **آئینہ**۔ بمبئی کی طرح یہاں ٹرام بھی چلتی تھی۔

وہی ٹرام، وہی 'بگیاں' بسیں، کاریں
وہی ہجوم، وہی اونچی نیچی دیواریں
وہی سڑک، وہی بازار، گندگی بھی وہی
غریب لوگوں کا انداز زندگی بھی وہی
یہ دور وہ تھا کہ چلتے تھے 'سائیکل رکشا'
اُسی سواری کا سب سے کرایہ تھا سستا
ہم اُس پہ 'کینٹ' سے 'قائد کی قبر' تک آئے
(وہاں کچھ اور بھی رہبر تھے اُن کے ہمسائے)
وہیں پہ جیل کے رستے پہ ہے ''خدا کا گھر''
یہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی (اب ہے سب سے بڑی)
بڑی ہی شان سے جمشید روڈ پر ہے کھڑی
وہاں سے جیل تلک تھے، مہاجریں آباد
جہاں پہ جھونپڑی ڈالی، ہوئے وہیں آباد
جہاں پہ آج ہے کشمیر روڈ (جیل کے پاس)
کل اُس کو کہتے تھے 'اسلام باد' 'عوام و خواص'

بگیاں۔ انگریزوں کے عہد کی بگّیاں اب بھی کہیں کہیں نظر آتی ہیں۔ **سائیکل رکشا**۔ اس میں آدمی 'سوار' ہوتے اور آدمی ہی اُسے 'کھینچتے' تھے (شاید پاکستان کے بعض شہروں میں اب بھی یہ سواری ہو)۔ **کینٹ** کینٹ ریلوے اسٹیشن کراچی۔ **قائد کی قبر**۔ مزار کا سنگ بنیاد ۳۱ جولائی ۱۹۶۰ء کو صدر پاکستان جنرل ایوب خاں نے رکھا تھا۔ اور مقبرے کی تعمیر تک صرف ایک چبوترا تھا جو قبر کے نشان کو طور پر بنا دیا گیا تھا۔ **اسلام باد** (عوامی تلفظ) **عوام**۔ ضرورت شعری کی خاطر 'ع' کو الف کا 'ہم آواز' مان کر لکھا ہے۔ **خواص**۔ صوتی قافیہ۔

یہیں بسائی گئی **'حیدراباد کالونی'**
(جو اُن دنوں میں 'کراچی' کی آخری حد تھی)
یہیں پہ سارے غریب الدیار رہتے تھے
نئے وطن کے سبھی جاں نثار رہتے تھے
چنانچہ ہم بھی وہیں جھونپڑی میں رہنے لگے
ہنسی خوشی سبھی جبرِ معاش سہنے لگے

۲۱

کراچی آئے تھے ہم روزگار کے مارے
یہاں بھی گھوم رہے تھے خلا میں سیارے
کھلا ہوا تھا یہاں پر جو **'حیدراباد ٹرسٹ'**
تو کر رہے تھے اُسی پر یہ نامراد ٹرسٹ
وہاں سے نقد کی صورت جو ملتی کچھ امداد
تو لوگ نعرہ لگاتے 'نظام زندہ باد'
دو ایک **'فیکٹریاں'** بھی بنی ہوئی تھیں کہیں
لگا ہوا تھا غریبوں کا روزگار وہیں

حیدراباد کالونی۔ (عمومی تلفظ) **حیدرآباد ٹرسٹ۔** کراچی میں ریاست حیدرآباد دکن کے سرمائے سے ایک 'امدادی ٹرسٹ' قائم کیا گیا، جس کے زیرِ اہتمام کارخانے، ہسپتال، مدارس، اکیڈمی اور پبلشنگ ہاؤس قائم کرنے کی پلاننگ تھی۔ حیدرآباد دکن سے آنے والے مہاجرین کو کچھ مالی امداد بھی دی جاتی تھی۔ حیدرآباد کالونی میں 'ٹرسٹ' کا اب صرف ایک 'ہسپتال' باقی رہ گیا ہے۔ **فیکٹریاں۔** سرامک فیکٹری اور ماچس فیکٹری۔

ٹرسٹ کی نگرانی میں **'کاروان'** بھی تھا
دکن کے اہلِ ادب کا جو ترجمان بھی تھا
جو اُس میں لکھتا، اُسے کچھ معاوضہ ملتا
مگر کچھ اور بھی تھے، جن کو کچھ سوا ملتا
نہ میں 'سوا' میں تھا شامل نہ 'ماسوا' میں کہیں
نہ میرا نام تھا 'یارانِ باوفا' میں کہیں
مرا کلام بھی اس میں چھپا ہے دو اِک بار
پھر اُس کے بعد تھا میں اور 'راستے کا غبار'

O

میں ریڈیو ہی میں تقدیر آزماتا رہا
کہ ریڈیو سے ہمیشہ ہی میرا ناتا رہا
یہاں پہ **'بدر و وراثت'** تھے اور **'جہاں آرا'**
(جدھر بھی دیکھے جلوہ، دکن کا تھا سارا)
اِدھر ڈرامے میں **'قیوم و ماجد و محمود'**
اناؤنسرز میں اب، میں بھی تھا یہاں موجود

کاروان۔ ایک ادبی رسالہ (جس میں اہلِ قلم کو اُن کی تحریروں کا معاوضہ بھی ملتا تھا) **بدر۔** بدر رضوان۔ **وراثت۔** وراثت مرزا۔ جہاں آراء سعید (انگلش نیوز ریڈر) **قیوم۔** احمد عبدالقیوم عارف (ڈراما پروڈیوسر) **ماجد۔** عبدالماجد (ڈرامہ نگار و صداکار۔ اسکی ناگہانی موت پر میری نظم 'ماجد۔ میرا دوست' میرے مجموعہ کلام 'مٹی کا قرض' میں شامل ہے) **محمود۔** محمود علی (صداکار)

عمر مہاجر و ظفر الحسن تھے، انور بھی
پھر آ گئے تھے قمر بھی، رِضی اختر بھی
کبھی ریاض بھی آتے، نظر بھی، تحسیں بھی
کبھی جلیس بھی، خواجہ معین الدیں بھی
دکن کے ساتھ تھے، یوپی کے ہم سخن بھی یہاں
دیارِ پاک کے تھے ماہرینِ فن بھی یہاں
حفیظ و تابش و بہزاد اور عشرت بھی
رفیع پیر تھے، احمد بشیر و حسرت بھی
سلیم و محشر و مدنی، فراز و ہمدانی
ارم، حمید نسیم و سلیم گیلانی
اور ایک بات جو سب سے اہم تھی، اعلیٰ تھی
یہاں پہ زیڈ اے 'بخاری' کی ذات والا تھی

عمر مہاجر (پروڈیوسر، ڈراما نگار) مرزا ظفر الحسن (مخدوم اور فیض کے دوست، کئی کتابوں کے مصنف جنہوں نے غالب لائبریری کی بنیاد ڈالی اور سہ ماہی 'غالب' کے ایڈیٹر رہے) انور عنایت اللہ، قمر جمیل، رضی اختر شوق، ریاض فرشوری، نظر حیدر آبادی، تحسین سروری، ابراہیم جلیس، خواجہ معین الدین، حفیظ ہوشیار پوری تابش دہلوی (مسعود تابش کے نام سے خبریں پڑھتے تھے)، بہزاد لکھنوی، عشرت رحمانی، رفیع پیرزادہ (ڈراما پروڈیوسر، عثمان پیرزادہ کے والد) احمد بشیر، چراغ حسن حسرت ('سندباد' کے قلمی نام سے بھی کتابیں لکھی ہیں) سلیم احمد، محشر بدایونی، عزیز حامد مدنی، احمد فراز، احمد ہمدانی، ارم لکھنوی (جن کا کوئی مجموعہ کلام شائع نہیں ہو سکا) اُن کا یہ شعر بہت مشہور ہے ۔

تصویر بنی دیکھی اک جان تمنا کی
آنسو مری آنکھوں میں کیا سلسلہ وار آئے
ان کے لیے وہ آسماں' میرا گزر وہاں کہاں
میرے لیے یہی زمیں' آئیں گے وہ یہاں کہاں

☆☆☆

یہ سب اُنہیں کا تھا فیضان اور اُنہیں کا کرم
کہ ریڈیو پہ تھے یک جا، یہ سارے اہل قلم
یہاں پہ جو بھی تھا وہ 'لاجواب' تھا گویا
دیارِ پاک کا بس 'انتخاب' تھا گویا

O

جو میرے ساتھ یہاں اور غم کے مارے تھے
اگرچہ ان کے بھی گردش ہی میں ستارے تھے
مگر کہیں نہ کہیں رزق تو اترنا تھا
کبھی تو بکھری ہوئی زیست کو سنورنا تھا
تو اُن سبھی کو کہیں کوئی کام مل ہی گیا
کوئی وسیلۂ رزق و طعام مل ہی گیا
مگر وہ ایک خلا جو ہمارے اندر تھا
جو ہم سے کتنے ہی افراد کا مقدر تھا

☆☆☆ حمید نسیم، سلیم گیلانی، ذوالفقار علی بخاری (ریڈیو پاکستان کے کنٹرولر، شاعر، صداکار، اداکار) بخاری صاحب کا بھی کوئی مجموعۂ کلام شائع نہ ہو سکا۔ ان کے کئی اشعار مشہور ہیں مثلاً ۔

اڑوں کہاں ہوا میں جال پھیلے ہیں
میں پر سمیٹ کے بیٹھا ہوں آشیانے میں
کوئی نہیں ہوتا ہے بجز ذات الٰہی
معراج کی شب ہے شب ہجراں مرے نزدیک

کہ سب ہی ساتھ تھے دن رات اور سب تنہا
کسی کی صبح اکیلی، کسی کی شب تنہا
سب اپنے اپنے خیالوں میں گم، اداس اداس
(اگر تھا 'کوئی' تو خوابوں میں تھا کسی کے پاس)
ہمارے ساتھ فقط اِک عروجؔ تھا ایسا
جسے نہیں تھا کوئی دل کا روگ ہم جیسا
شفیع بھی تھا کہیں تانک جھانک میں مصروف
مگر وہ سلسلہ، ہجرت نے کر دیا موقوف
نصیرؔ تو نئی دلہن کو چھوڑ آیا تھا
مرا جو حال تھا، وہ میں ہی جان سکتا تھا
مری تو روح تھی گویا مرے بدن سے جدا
کہ جیسے پھول کو کر دے کوئی چمن سے جدا
کہ جیسے لفظ سے معنی الگ ہوں، آنکھ سے نور
بجز خدا تھی ہر اِک چیز جیسے مجھ سے دور
ہزار لوگ تھے اطراف، میں اکیلا تھا
جدھر بھی دیکھئے، پرچھائیوں کا میلہ تھا
سبھی سے دور، سدا میری ذات رہتی تھی
ہمیشہ اِک مری تنہائی ساتھ رہتی تھی

بس ایک چھوٹی سی تصویر تھی 'شریکِ حیات'
'**مری حیات**'، مری کائنات، میرا ثبات'
میں اُس کو دیکھتا پہروں بڑی محبت سے
اور اپنا شہر دکھاتا بڑی ندامت سے
یہ جھونپڑوں کی قطاریں، مزارِ قائد تک
نئے وطن کی بہاریں، مزارِ قائد تک
مگر جو اُن میں تھے آباد، خوش گماں تھے بہت
دیارِ پاک کے دل سے قصیدہ خواں تھے بہت
اگرچہ اُن کا ابھی تک کوئی ٹھکانہ نہ تھا
یہ ایسا قافلہ تھا جو کہیں روانہ نہ تھا
کٹی پتنگ کے مانند تھے ہوا میں وہ سب
بنائے رہتے تھے اونچے محل، خلاء میں وہ سب
بس ایک جوش تھا جو نعرہ زن تھا صبح و شام
بس ایک خواب تھا جو دیکھتے تھے لوگ مدام

O

بلندیوں پہ تو جاری تھی اقتدار کی جنگ
نشیب میں وہی روٹی کی، روزگار کی جنگ

مری حیات۔ مخدوم محی الدین کی مشہور نظم 'تلنگانہ' کا مصرعہ جسے میں نے اپنی ایک نظم 'حاصلِ حیات' میں بھی استعمال کیا ہے۔

۲۲

میں ہند میں تھا تو خبریں یہاں کی سنتا تھا
یہاں کے حال پہ پھر اپنا سر بھی دھنتا تھا
سنا یہ تھا کہ 'ترقی پسند' اہل قلم
(جو ابتداء سے حکومت کے سہہ رہے تھے ستم)
کبھی تو نوکریوں سے نکالے جاتے تھے
ذرا سی بات پہ جیلوں میں ڈالے جاتے تھے
کہیں **ظہیرؔ**، کہیں **فارغؔ** و **حمید اخترؔ**
کہیں تھے سبطِ حسن، قید اور کہیں 'بابر'
بغیر جرم، **حسن عابدی** بھی جیل میں تھے
ندیمؔ جیسے شریف آدمی بھی جیل میں تھے
کبھی تھے قید میں مسلّم ضیائی اور **ممتازؔ**
کبھی **جلیسؔ**، کبھی کاملؔ و رفیقؔ و **ریاضؔ**
غرض یہ ملک، یہ 'شاعر کے خواب' کی تعبیر
اور اُس میں رہتے کئی شاعر و ادیب اسیر

ظہیر۔ظہیر کاشمیری، عبداللہ ملک (کمیونسٹ ادیب اور صحافی) **ظہیر بابر** (صحافی 'امروز' لاہور کے ایڈیٹر اور خدیجہ مستور کے شوہر) **فارغ بخاری**، **حمید اختر** (افسانہ نگار، صحافی، 'کال کوٹھڑی' کے مصنف) **حسن عابدی** (شاعر، صحافی) مجموعہ کلام 'نوشتِ نے' اور 'جریدہ'۔ **ندیم**۔ احمد ندیم قاسمی (اس وقت 'نقوش' کے ایڈیٹر تھے اور انجمن ترقی پسند مصنفین کے جنرل سیکرٹری بھی) مسلم ضیائی، پروفیسر ممتاز حسین۔ کامل القادری۔ رفیق چودھری اور ریاض رؤفی۔ **ابراہیم جلیس** (جنہوں نے پاکستان میں 'دو ملک ایک کہانی اور 'جیل کی راتیں جیل کے دن' لکھیں) **ریاض** (ریاض رؤفی) **شاعر کے خواب**۔ پاکستان علامہ اقبال کے 'خواب' سے منسوب ہے۔

سبب تھا اِس کا بھی لاہور کا وہی 'منشور'
کیا گیا تھا جو 'اُنچاس' میں یہاں منظور

O

وہ 'بھیمڑی' ہو کہ لاہور بات ایک ہی تھی
کہ دونوں ملکوں کی طرزِ حیات ایک ہی تھی
وہاں تھی تاجروں، سرمایہ داروں کی سرکار
یہاں وڈیرے، مَلِک اور قبائلی سردار
فرنگیوں کے نمک خوار، اقتدار میں تھے
کہ دونوں ملک، لٹیروں کے اختیار میں تھے
سیکولرزم کے پردے میں ذات پات وہاں
خدا کے نام پہ مجبور تھی حیات یہاں

O

ادیب ایسے میں چپ کس طرح بھلا رہتے
جو ہو رہا تھا، اُسے وہ بھی برملا کہتے
وہ کیسے دیکھتے قوم و وطن کی بربادی
ملی تھی کیا اِسی خاطر انہیں یہ آزادی؟

لاہور کا منشور۔کل پاکستانی ترقی پسند مصنفین کانفرنس **بھیمڑی** انڈیا (منعقدہ ۲۷ تا ۲۹ مئی ۱۹۴۹ء)

سو وہ ہوا، جو ہے تاریخ میں رقم اب تک
کہ جبر سہہ کے بھی، لکھتے رہے قلم اب تک
وہ 'حرفِ حق' کہ ہے جس پر ہمارے عہد کو ناز
وہ 'حرفِ حق' کہ جو اہلِ قلم کا ہے اعزاز
وہی کہ جس نے سدا، سر بلند ہم کو رکھا
ادب کی صف میں 'ترقی پسند' ہم کو رکھا

O

'یہ داغ داغ اجالا' یہ شب گزیدہ سحر'
'وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں'

O

'پھر بھیانک تیرگی میں آ گئے'
'ہم گجر بجنے سے دھوکہ کھا گئے'

O

پھر ایک دن، یہ اچانک ہمیں ہوا معلوم
یہاں پہ **'فیضؔ'** وہاں قید ہو گئے مخدومؔ

فیض۔فیض احمد فیض جنہیں ۹ مارچ ۱۹۵۱ء کو گرفتار کیا گیا (مخدوم محی الدین کو بھی اسی مہینے حیدرآباد دکن میں گرفتار کیا گیا تھا)

جنابِ **'راج بہادر'** **'روی نارائن'** بھی
اور اُن کے ساتھ **'تلنگانے'** کے سبھی باغی
وہاں تو خیر، الیکشن کا اِک بہانہ تھا
یہاں مگر کسی سازش کا شاخسانہ تھا
چنانچہ ہند میں 'پیرول' پر رہا بھی ہوئے
اور اُس کے بعد الیکشن میں سب ہی جیت گئے
مگر یہاں تھے گرفتار، 'بنّے بھائی' بھی
اور اُن کے ساتھ ہی کچھ **'افسرانِ فوجی'** بھی
کہا گیا کہ یہ 'پنڈی' کی ایک سازش ہے
درونِ خانہ وطن توڑنے کی کوشش ہے
حکومت اُن کو سمجھتی تھی باغی و غدّار
مگر عوام تھے، اُن پر ہزار جاں سے نثار
وہ جیل جا کے بھی لوگوں کے دل میں رہتے تھے
کسی بھی حال میں ہوں، بات سچ ہی کہتے تھے

راج بہادر ڈاکٹر راج بہادر گوڑ (ادبی مطالعے، ادبی جائزے، ادبی تناظر اور کئی اردو اور انگریزی کتابوں کے مصنف) حیدرآباد دکن میں اپریل ۱۹۵۰ء میں گرفتار کئے گئے تھے۔ **روی نارائن**۔ روی نارائن ریڈی (کمیونسٹ رہنما تلنگانہ تحریک کے سربراہ) مخدوم کے ساتھ انہیں بھی گرفتار کرلیا گیا۔ **تلنگانہ**۔ ریاست کے زمانے میں یہاں جاگیرداروں اور زمینداروں کے خلاف کسانوں نے مسلح بغاوت کردی تھی جو ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۱ء تک جاری رہی۔ ۱۹۵۲ء کے انتخابات میں ان رہنماؤں نے حصہ لیا اور جیت گئے مخدوم اور راج (ایم پی اے) ہوئے اور روی نارائین (ایم این اے) **فوجی افسران**۔ جنرل اکبر خاں، بریگیڈیر صادق خاں، کرنل ضیاء الدین، کرنل نیاز محمد ارباب، میجر حسن خاں، کیپٹن ظفر اللہ پوشنی، کیپٹن خضر حیات، میجر محمد اسحاق، جنرل نذیر احمد، ایئر کموڈور جنجوعہ، بریگیڈیر لطیف خاں اور محمد حسین عطا۔

وکیل اُن کے، عدالت میں تھے 'سہروردی'
(جنابِ فیض نے لکھی تھی 'نظم' اُن پر بھی)
بقول فیضؔ، اُنہیں 'اس بات' پر ہوئی تھی سزا
'وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا'

O

'بنے' تھے اہل ہوس' مدّعی بھی، منصف بھی'
جو روزِ حشر سے شاید نہیں تھے واقف بھی

O

عجیب رنگِ سیاست رہا ہے اپنا بھی
کہ آج تک ہوا پورا نہ کوئی سپنا بھی
اگرچہ قائدِ ملت کا وہ زمانہ تھا
'نواب زادہ لیاقت' کا وہ زمانہ تھا

سہروردی۔ حُسین شہید سہروردی (جو دو بار پاکستان کے وزیرِ اعظم بنے) دسمبر ۱۹۵۱ء تک اس مقدمے کی وکالت کرتے رہے لیکن فیض اور سجاد ظہیر کے ساتھ ان تمام فوجی افسروں کو 'راولپنڈی سازش کیس' کے سلسلے میں چار چار سال کی سزا ہوگئی (۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۵ء) **بنے**۔ یہ بھی فیض کا مصرعہ ہے۔ **نظم**۔ نظم کا عنوان تھا 'مدح' جو ایک سپاس نامے کی صورت میں حسین شہید سہروردی کو پیش کی گئی تھی۔ یہ نظم میں نے اپنے رسالے 'شعور' ۳۔۴۔ (۱۹۵۶ء) حیدر آباد سندھ میں شائع کی تھی۔ فیض صاحب نے اسے اپنے چھٹے مجموعہ کلام 'شامِ شہر یاراں' میں شامل کیا جو ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا تھا۔ نظم یوں شروع ہوتی ہے ؎

کس طرح بیاں ہو تیرا پیرایۂ تقریر
گویا سرِ باطل ہو چمکنے لگی شمشیر

جو سوچئے تو وہی لیگ کے تھے روحِ رواں
جو وہ نہ ہوتے تو بنتا نہ آج 'پاکستاں'
وہ دوست خاص، محمد علی جناح کے تھے
نظر شناس، محمدعلی جناح کے تھے
بنا ہے یار ہمارا جو آج، امریکہ
ہوا ہے آنکھ کا تارا جو آج امریکہ
تو یہ جنابِ لیاقت کی 'مہربانی' ہے
اُنہیں کے طرزِ سیاست کی مہربانی ہے
اُنہوں نے مسئلہ کشمیر کا اُٹھایا تھا
اور انڈیا کو تو مُکّا بھی اِک دکھایا تھا
یہ اور بات اُنہیں لوگ قتل کر بیٹھے
ہٹا دیا اُنہیں رستے سے اپنے، گھر بیٹھے
پھر اُس کے بعد سیاست کا جو بھی رنگ ہوا
وہ دور جس نے بھی دیکھا، سُنا، وہ دَنگ ہوا

مہربانی۔ قیامِ پاکستان کے بعد سب سے پہلے روس کی کمیونسٹ حکومت نے وزیرِ اعظم پاکستان کو سوویت یونین آنے کی دعوت دی تھی۔ پھر امریکہ نے دعوت دی لیکن نواب زادہ لیاقت علی خاں ۱۹/اپریل ۱۹۵۰ء کو امریکہ چلے گئے اور کچھ سیاسی اور فوجی معاہدے کر کے ۶ مئی ۱۹۵۰ء کو وطن واپس آئے (بحوالہ 'لیل ونہار' لاہور، مورخہ ۱۱/اگست ۱۹۵۵ء) **مُکّا**۔ ۲۷ جولائی ۱۹۵۱ء کو جہانگیر پارک کراچی کے ایک جلسہ عام میں لیاقت علی خاں نے انڈیا کو مُکّا دکھایا تھا جو بہت مشہور ہوا۔ ۱۶/اکتوبر ۱۹۵۱ء کو راولپنڈی کے جلسہ عام میں تقریر کے دوران لیاقت علی خان کو گولی ماردی گئی اور ساتھ ہی اُن کے قاتل 'سید اکبر' کو بھی۔ چنانچہ اس سازش پر پردہ پڑ گیا۔

کسی پہ کھل نہ سکا اُن کا رازِ قتل اب تک
کوئی بھی جان نہ پایا، جوازِ قتل اب تک
ہر اِک عمل میں تھی پوشیدہ ایک سازش بھی
'بفضل رَبّی' رہی 'غیب' کی نوازش بھی
وہ غیر ملکی روابط میں راز کی باتیں
درونِ خانہ، وہ ناز و نیاز کی باتیں
یہود اور نصاریٰ سے رشتۂ دینی
تو روس و چین سے دوری، بہ عذرِ 'لا دینی'
غرض ہزار بہانے، ہزارہا بہروپ
کہیں تھی دھوپ میں چھاؤں کہیں تھی چھاؤں میں دھوپ

O

وہ 'گوڈسے' ہو کوئی یا کہ 'سید اکبر' ہو
کسی کا ہاتھ ہو در پردہ، کوئی خنجر ہو
وہاں تھا دھرم کے پردے میں نفرتوں کا جواز
یہاں تھا دین کے باوصف، دستِ حرص دراز
سب اقتدار کے بھوکے، حدِ غلامی تک
قبول تھے جنہیں امریکیوں کے 'ٹامی' تک

تو ہم پہ ایک 'اپاہج' سوار ہو بیٹھا
'غلام' تھا مگر اِک 'شہریار' ہو بیٹھا

O

جو تھا **'نظامِ حکومت'** وہ سامراج کا تھا
کہ سر پہ سایہ بھی 'برطانیہ' کے تاج کا تھا

O

دیارِ پاک میں پہلی جو نظم میں نے لکھی
وہ اِک طرح سے، مرے دل کی کیفیت بھی تھی

شکستِ خواب

کس بزم میں لے آئی، اے دل تری ویرانی

دیواروں کی رنگت فق، دروازوں پہ چپ طاری
مبہوت سی خاموشی، گم سم سی فضا ساری

نظامِ حکومت۔ پاکستان میں ۱۹۵۶ء تک ۱۹۳۸ء کا 'قانونِ حکومتِ ہند' رائج تھا۔ **برطانیہ**۔ پاکستان 'کامن ویلتھ' کا ممبر تھا۔

ہر دل پہ گراں دھڑکن، ہر روح پہ تن بھاری
کعبہ ہو کہ بت خانہ، پتھر کی عمل داری

کیا چشم ولب و عارض، کیا زلف، جبیں، شانے
سب اپنے تضادوں کے منہ بولتے افسانے
دم توڑتے جاتے ہیں، جلتے ہوئے پروانے
اور شمع نہیں جانے، اپنے ہیں کہ بیگانے

یہ اہلِ ہنر کی ہے کیا خوب 'ہنرکاری'
جاگی ہوئی آنکھیں ہیں، سوئی ہوئی بیداری
ساقی ہے تو ساقی کی نظروں میں وہ پُرکاری
ہر رند تہی ساغر اور فیضِ کرم جاری

جس سمت نظر کیجئے اِک عالمِ حیرانی
یا زیست کی ویرانی، یا موت کی ارزانی
نے زُہدِ شراب آ گیں، نے کفرِ مسلمانی
کس بزم میں لے آئی، اے دل تری ویرانی

۲۳

مجھے کراچی میں آ کر ہوا تھا ایک ہی سال
کہ مجھ پہ کُھل گیا اپنے وطن کا سب احوال
برائے نام تھی جمہوریت 'بنامِ عوام'
برائے نام تھا مذہب، برائے نام 'اسلام'
ابھی تلک کوئی دستور تھا نہ کوئی نظام
رواں تھے **'راہِ غلامی'** پہ سب خواص و عوام
جسے بھی دیکھئے وہ زرگری میں تھا مصروف
بس ایک دوسرے کی ہم سری میں تھا مصروف
ہر ایک اپنے وسائل سے کام لیتا تھا
حلال ہو کوئی شے یا حرام، لیتا تھا
کچھ ایسے لوگ تھے جو 'دستِ غیب' رکھتے تھے
ہنر دکھائی دیں سب کو، وہ عیب رکھتے تھے
یہ لوگ وہ تھے (وہ بدبخت) جو بنامِ وطن
کسی طرح سے ہو، بھرتے تھے اپنا ہی دامن
مگر تھے سیکڑوں ایسے بھی جو بفضلِ خدا
نگاہ و فکر میں، کردار میں تھے سب سے جدا

راہ غلامی۔کوئی دستور نہ ہونے کے سبب حکومت میں تبدیلیاں اسمبلی میں جوڑ توڑ کے ذریعے ہو جاتی تھیں۔

جو اِس وطن کو خدا کی عطا سمجھتے تھے
جو اِس زمین کو عرشِ عُلا سمجھتے تھے
وہ خاک ہو گئے لیکن کسی سے کچھ نہ لیا
جو اپنے پاس تھا، وہ بھی وطن کی نذر کیا
اُنہیں کے دم سے ہے موجود یہ وطن اب تک
اُنہیں کے دم سے ہے سرسبز یہ چمن اب تک

O

اِسی چمن، اِسی صحرا میں، میں بھی رہتا تھا
اور اپنے شہر کے سب سرد و گرم سہتا تھا
کبھی میں شعر کی صورت بیانِ غم کرتا
کبھی میں حالِ وطن، طنزیہ رقم کرتا
کبھی میں ضبط کی حد سے نکل نکل پڑتا
کبھی میں غیظ میں آ کر اُبل اُبل پڑتا
کبھی وہ دن مجھے یاد آتے جو گزارے تھے
میں ایک چاند تھا اور ہر طرف ستارے تھے
عجب ترنگ تھی دل میں، عجب امنگ کے ساتھ
اُفق اُفق تھے اجالے، دھنک کے رنگ کے ساتھ

کبھی یہاں بھی میں اِس کیفیت کو اپنانے
بہت ہی دور نکل جاتا، دل کو بہلانے
کہ ایک شب کسی بزمِ سخن سے آتے ہوئے
کسی نے مجھ کو دی آواز مسکراتے ہوئے
رُکا جو میں تو قریب آ کے ایک کار رُکی
لگا کہ نکہتِ گل، بنتِ نوبہار رُکی
تھی کار میں کوئی خاتون، ادب کی شیدائی
بہ اشتیاق، مجھے اپنے گھر وہ لے آئی
وہ گھر نہیں تھا، وہ گوشہ تھا کوئی جنت کا
مظاہرہ تھا ہر اِک سمت اپنی دولت کا
جدھر بھی دیکھوں، بہت ہی حسیں تھی آرائش
ڈنر کے بعد ہوئی، شاعری کی فرمائش
ابھی میں سوچ رہا تھا کہ اُس نے مجھ سے کہا
وہی غزل، وہی 'آنکھیں' ہی پھر سنا دیں نا
عجب ادا سے یہ فرمائش اُس نے کی مجھ سے
کہ جیسے میری کوئی چیز چھین لی مجھ سے
میں اپنے لحن میں، 'آنکھیں' اُسے سنانے لگا
اور اُس کے شوق کو خاموش آزمانے لگا

آنکھیں

شبِ سیہ میں چراغِ نظر تری آنکھیں
رہِ حیات میں رختِ سفر تری آنکھیں
تو ساتھ ہو کہ نہ ہو، زندگی کی راہوں میں
رہیں ہمیشہ مری ہم سفر تری آنکھیں
خدا کرے کہ میں بس جاؤں تیری آنکھوں میں
کئے رہیں مری آنکھوں میں گھر، تری آنکھیں
طلوع ہو، تری پلکوں کے سائے میں، ہر صبح
جھکی رہیں، مری ہر شام پر تری آنکھیں
مری نگاہ میں رہ کر بھی جانے کیوں اب تک
مری نگاہ سے ہیں بے خبر تری آنکھیں
میں خودغرض بھی ہوں کتنا کہ بس یہی چاہوں
رہیں ہمیشہ مری منتظر تری آنکھیں

O

لہک لہک کے ہر اِک شعر میں سناتا رہا
اور اُس کی شربتی آنکھوں سے داد پاتا رہا

میں اپنے کیف میں سرشار، وہ بھی کچھ بے خود
نہ اُس کو اپنی خبر کچھ، نہ مجھ کو اپنی 'سدھ'

ترغیب

اُس شب، عجب ادا سے تھا وہ حسن مہرباں

وہ شبنمی گلاب سی رنگت، ڈھلی ڈھلی
شانوں پہ بے قرار وہ زلفیں کھلی کھلی
ہر خطّ جسم، پیرہنِ چست سے عیاں
ٹھہرے بھی گر نگاہ تو ٹھہرے کہاں کہاں
ہر زاویے میں حسن کا اِک تازہ بانکپن
ہر دائرے میں کِھلتے ہوئے پھول سی پھبن
آنکھوں میں ڈولتے ہوئے نشے کی کیفیت
روئے حسیں پہ ایک شکستہ سی تمکنت
ہونٹوں پہ اَن کہی سی تمنا کی لرزشیں
بانہوں میں لمحہ لمحہ سمٹنے کی کاوشیں
سینے کے جزر و مد میں سمندر سا اضطراب
اُمڈا ہوا سا جذبۂ بیدار کا عذاب

سدھ۔صوتی قافیہ۔

خوشبو طوافِ قامتِ زیبا کئے ہوئے
شیشہ بدن کا 'عزمِ زلیخا' لے ہوئے
پھر یوں ہوا کہ چھڑ گئی یوسف کی داستاں
پھر میں تھا اور پاکیِ دامن کا امتحاں
اِک 'سانپ' بھی تھا آدم وحوّا کے درمیاں

O جنت میں شیطان نے سانپ کی شکل میں ڈھل کر آدم وحوا کو بہکایا تھا (انجیل)

O

تھا اُن دنوں یہ کراچی، وطن کا صدر مقام
یہیں سے اٹھتے سیاسی مناقشات تمام
یہیں وزیر بھی رہتے، یہیں سفارت کار
یہیں تھے تاجر و سرمایہ دار و صنعت کار
یہیں تھے ملک کی قسمت سنوارنے والے
یہیں تھے نت نئے بہروپ دھارنے والے
زمین دار، وڈیرے، قبائلی سردار
یہیں پہ گھومتے رہتے تھے صورتِ پرکار
یہ اور بات، یہاں تھے مہاجرین بہت
بسے ہوئے تھے زمیں پر، یہ بے زمین بہت

تو کچھ نئے بھی مسائل تھے زیرِ غور یہاں
سیاستوں میں تھے کچھ داؤ پیچ اور یہاں
اُدھر تھا مشرقی بنگال اور اِدھر پنجاب
یہی تھے کھینچے ہوئے خیمۂ وطن کی طناب
جو اور صوبے تھے وہ اپنے آپ میں تھے مگن
ابھی دراز نہ تھا اُن کے شوق کا دامن
وہ 'دولتے' ہوں کہ 'نودولتے' سیاستداں
قُمار خانہ تھا ان کا، یہ شہر پاکستاں
یہیں پہ بنتے تھے اور ٹوٹتے تھے سب کے خواب
کُھلا ہوا تھا یہیں، دفترِ گناہ و ثواب

O

میں ایسے شہر میں رہ کر جو شعر کہتا تھا
تو یوں سمجھئے کہ سارے عذاب سہتا تھا
اُنہیں دنوں میں، ترقی پسند ادیبوں کی
بڑے قرینے سے **'کُل پاک کانفرنس'** ہوئی

کُل پاک کانفرنس۔ دوسری کل پاکستان ترقی پسند مصنفین کانفرنس (کراچی) منعقدہ ۱۲ اور ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء (اس کانفرنس کی روداد، پیغامات، مضامین، منشور، تجاویز، مختلف اخبارات کے اداریے اور منتخب شعراء کا کلام ماہنامہ 'افکار' آزادی نمبر اگست، ستمبر ۱۹۵۲ء میں شامل ہے۔ اس کانفرنس میں احمد ندیم قاسمی کے علاوہ پاکستان کے سبھی اہم ادیب اور شاعر شریک تھے۔

میں اُس میں نظم سنا کر جب آ رہا تھا گھر
(وہ نظم جس کا تھا عنواں **'مزار قائد پر'**)
تو مجھ کو راہ میں کچھ لوگ مل گئے ایسے
جو گفتگو سے لگے تھے 'سی آئی ڈی' جیسے
سو میں نے نام، پتہ سب غلط کہا اُن سے
مگر جو میں نے چھپایا نہ چھپ سکا اُن سے
سویرے جب میں گیا ریڈیو تو 'حکم' ملا
(وہ 'حکم' کیا تھا، مری نظم کا تھا گویا صلہ)
میں کانٹریکٹ پہ کرتا تھا کام، ختم ہوا
جو تھا وسیلہ رزق و طعام، ختم ہوا

وہ نظم آپ بھی پڑھ لیں، مضائقہ کیا ہے
اور اس کے بعد یہ سوچیں، مری خطا کیا ہے

مزار قائد پر

ترے دیار کو ہم ظلمتوں کے ماروں نے
بڑے ہی پیار سے، ارمان سے سنوارا تھا

مزار قائد پر۔ یہ نظم بھی ماہنامہ 'افکار' آزادی نمبر' اگست ستمبر ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی تھی اور میرے پہلے مجموعہ کلام 'آگ میں پھول' میں بھی ہے۔

قدم قدم پہ چھڑک کر جوانیوں کا لہو
ترے اُفق کو بڑے چاؤ سے نکھارا تھا
بچھا کے راہ میں کتنے ہی چاند تاروں کو
نئی سحر کے لیے راستہ اُبھارا تھا

خبر نہ تھی کہ سویرے کی رتھ پہ چڑھتے ہی
شعاعِ مہر، ستاروں کو بھول جائے گی
گُلوں کی آنکھ بھر آئے گی مسکراتے ہی
صبا کی ساری تگ و دَو، فضول جائے گی
تھکا تھکا سا تبسم، اُڑا اُڑا سا رنگ
بہار، صحن چمن سے ملول جائے گی

یہ دھوپ، چوس کے بیٹھی ہے جو شفق کا لہو
یہ کس کا وفا کا ہے انعام، سوچتا ہوں میں
اُبھر کے شرق سے 'مغرب' کی سمت ہے جو رواں
اُس آفتاب کا انجام سوچتا ہوں میں
ترا خلوص، ترا پیار، معتبر ہی سہی
ترا 'مآل' بہ ہر گام سوچتا ہوں میں

ذرا نگاہ اُٹھا کر یہ زندگی تو دیکھ
ترا مزار 'مزاروں' کے بیچ ہے کہ نہیں
وہ گلستاں جسے تو نے خزاں سے چھینا تھا
وہ آج اپنے ہی خاروں کے بیچ ہے کہ نہیں
بہ زعمِ اوجِ فلک، لاکھ بے نیاز رہے
یہ آفتاب، ستاروں کے بیچ ہے کہ نہیں

مہ و نجوم کی تابانیاں ہیں کم' لیکن
مہ و نجوم کی تابانیوں کو موت نہیں
سکوتِ موج میں مضطر ہیں سیکڑوں طوفاں
تہہِ سکوت کی طغیانیوں کو موت نہیں

ہزار روندے ستاروں کو چلچلاتی دھوپ
نگارِ وقت کی جولانیوں کو موت نہیں

۲۴

پھر ایک بار اُسی عالم میں آ گیا تھا میں
'جہاں' سے ہند میں اِک دن کبھی چلا تھا میں

مزاروں۔ قائداعظم محمد علی جناح کے مزار کے اطراف عرصہ دراز تک 'جھونپڑیاں' بنی رہیں۔ **جہاں**۔ اکتوبر ۱۹۵۰ء میں اال انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے نکالے جانے کے بعد بے روزگاری کے شب و روز۔

وہی تھیں شہر کی سڑکیں، وہی تلاشِ معاش
قدم قدم وہی ناکردہ جرم کی پاداش
میں ریڈیو پہ صدا کار بھی تھا، لیکھک بھی
تھا 'انجمن' کا کتب خانہ میری بیٹھک بھی
وہاں میں پہلے بھی 'جز وقتی' کام کرتا تھا
اور اب تو 'زیست' وہیں صبح و شام کرتا تھا
تھا انجمن کا جو کالج، وہ 'اردو کالج' تھا
جہاں علوم کا اردو نصاب رائج تھا
نہ صرف میں یہاں پڑھتے تھے 'ابن انشاؔ' بھی
'لطیفؔ و محشرؔ و ممتازؔ اور خواجہؔ' بھی

اُنہیں دنوں مجھے والد کا ایک تار ملا
کہ ہم نے 'شِپ' سے کراچی 'بہو' کو بھیج دیا
عزیز اور بھی ہمراہ ہیں 'بہو' کے ساتھ
بس اب ہماری دعائیں ہیں اور خدا کی 'ذات'

انجمن۔ انجمن ترقی اردو۔ **جزوقتی**۔ بابائے اردو کی ڈکشنری کے لیے منتخب الفاظ کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دینا۔ **ابن انشاء**۔ کالج کے رسالے 'برگ گل' کے ایڈیٹر تھے۔ **لطیف**۔ لطیف الزماں خاں (پروفیسر انگریزی ادبیات گورنمنٹ کالج ملتان، مرتب 'رشید احمد صدیقی کے خطوط') **محشر**۔ محشر بدایوانی۔ **ممتاز**۔ اے آر ممتاز (ایڈیٹر 'برگ گل' فانوس اور جائزہ۔ میرے بچپن کے دوست) **خواجہ**۔ مشفق خواجہ۔ **شِپ**۔ (Ship) اس زمانے میں بمبئی اور کراچی کے درمیان مسافروں کے لیے سمندری جہاز بھی چلتے تھے۔ **ذات**۔ صوتی قافیہ۔

O

عجیب کیفیتِ دل تھی اِس خبر کے بعد
کہ جیسے شام اچانک ہو، اِک سحر کے بعد

O

میں جھونپڑے میں پڑا سوچتا رہا شب بھر
کہ صبح آ کے لگے گا جہاز ساحل پر
اُسی جہاز سے **'معراج'** آنے والی ہے
اور اِس 'خرابے' کی قسمت جگانے والی ہے
وہ کیسے کیسے حسیں خواب دیکھتی ہو گی
اندھیری رات میں مہتاب دیکھتی ہو گی
اُسے گمان، یہاں اِک مکان تو ہو گا
کُھلے سروں پہ کوئی سائبان تو ہو گا
مگر یہاں تو زمیں تھی اور آسمان ہی تھا
اگر تھا کچھ، تو بس اِک ذہنِ خوش گمان ہی تھا

معراج۔میراج نسیم (میری شریکِ حیات)

O

تھا خاندان تو سب میرا ہند میں آباد
میں چھوڑ آیا تھا، جو کچھ تھا **'ورثۂ اجداد'**
اِک اور بات کہ میں تھا اِک 'اشتراکی' بھی
سمجھتا رہتا تھا خود کو اِک 'انقلابی' بھی
خیال و خواب کی دنیا تھی اور قلم میرا
بس ایک 'عالمِ امکاں' میں تھا قدم میرا

O

میں سوچتا رہا اور رات کٹ گئی ساری
سحر ہوئی تو عجب چپ تھی چار سو طاری
وہ دن تھا 'قائد ملت' کی پہلی برسی کا
شہیدِ قوم 'لیاقت' کی پہلی برسی کا
تمام شہر میں ہر سمت ہُو کا عالم تھا
ہر ایک قلب میں تازہ، شہید کا غم تھا

ورثۂ اجداد۔ پاکستان آ کر میں نے کبھی اپنے آبائی ورثے یعنی 'متروکہ جائداد' کے بارے میں کلیم (Claim) داخل نہیں کیا۔ سب کچھ اپنے بھائی بہنوں کے لیے چھوڑ دیا۔

سڑک پہ بس نظر آتی تھی اور نہ کوئی کار
دُکانیں بند تھیں، سنسان تھا ہر اِک بازار
مجھے یہ فکر کہ 'کیماڑی' جاؤں گا کیسے
اور اپنی بیوی کو، بچّی کو لاؤں گا کیسے
'شفیع' بولا کہ 'وکٹوریہ' کرائے کی لو
کبھی تو اپنی غریبی سے انتقام بھی لو
میں سوچنے لگا، تجویز یہ بھی اچھی ہے
کم از کم آج یہ عیاشی اپنا حق بھی ہے
وہاں سے آئے گی معراج، کتنی خوش ہو گی
یہ شان دیکھ کے وہ آج، کتنی خوش ہو گی
دیارِ پاک میں ہو گا جب ایسا استقبال
تو اپنے آپ کو دے گی نہ جانے کس کی مثال
کوئی بدیسی پرنسس، روایتی رانی
خود اپنے خواب کی فردوس، جانی انجانی
تو میں نے جتنے روپے تھے، لگا دیے سارے
تصوّرات کے منظر سجا لیے سارے

کیماڑی۔ کراچی کی بندرگاہ۔ **شفیع**۔ قاضی شفیع (افسانہ نگار) **وکٹوریہ**۔ انگریزی دور کے بڑے بڑے افسروں، نوابوں اور رئیسوں کی سواری جسے آزادی کے بعد بھی عرصے تک ان کے 'جانشین' فخریہ استعمال کرتے رہے۔

O

یہ نوجوانی کے دن بھی عجیب ہوتے ہیں
کہ 'بے وقوفی' سے بے حد قریب ہوتے ہیں

O

چلی جو پورٹ سے 'وکٹوریہ' وقار کے ساتھ
لگا کہ قافلۂ گل کا چلا، بہار کے ساتھ
میں اپنا شہر بھی معراج کو دکھاتا رہا
اور اُس کے بارے میں کچھ کچھ اُسے بتاتا رہا
یہ 'میٹی جیٹی' کا پل ہے، کئی دلِ ناکام
یہاں پہ ڈوب کے پاتے ہیں عشق کا انعام
یہ ہندوؤں کی نمائندہ 'لکشمی بلڈنگ'
ہے سونے چاندی میں گویا تُلی ہوئی بلڈنگ
یہ سندھ مدرسہ، قائد کی درس گاہِ قدیم
(اِسی سبب سے ہے سارے وطن میں سب سے عظیم)

میٹی جیٹی۔ اس پل سے ناکام و نامراد عاشقوں کے سمندر میں کود کر خودکشی کے اکثر واقعات مشہور ہیں۔ **لکشمی بلڈنگ**۔ بولٹن مارکیٹ کے پاس اُس وقت کا بڑا تجارتی مرکز (ہندو مائتھالوجی میں 'لکشمی' دولت کی دیوی کو کہتے ہیں)

یہ بلدیہ، وہ سٹی کورٹ اور وہ **'ڈی ایم سی'**
اور اس کے پاس عمارت وہ ایک تاریخی
وہ ہال، کہتے ہیں **'خالق دِنا'** کا ہال جسے
وہ ہال، کہیے محبت کی اِک مثال جسے
جہاں مقدمہ چلتا رہا 'خلافت' کا
(بہت ہی دور منوّر تھا وہ سیاست کا)
تھے ایک صف میں، مسلماں بھی اور ہندو بھی
جہاں **'محمد علی'** تھے، وہاں تھے **'نہرو'** بھی
مظاہرہ تھا دو قالب کی 'ایک جانی' کا
'بتوں' کو دعویٰ تھا کعبے کی پاسبانی کا'
کچھ ایسی شیر و شکر تھی تمام آبادی
سبھی کا ایک تھا مقصد 'حصولِ آزادی'

ڈی ایم سی۔ ڈاؤ میڈیکل کالج اور خالق دینا ہال۔ **خالق دینا۔** تحریک خلافت کے جن رہنماؤں پر 'خالق دینا ہال' کراچی میں مقدمہ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۱ء کو چلایا گیا تھا' ان کے نام یہ تھے، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، جگت گرو سری شنکر اچاریہ، مولانا حسین احمد مدنی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا نثار احمد اور پیر غلام مجدد۔ تحریک خلافت کے دوران جو نغمہ بہت مشہور ہوا، وہ یہ تھا۔

'بولیں اماں محمد علی کی۔۔۔ جان بیٹا خلافت پہ دے دو'

اس مقدمہ کے فیصلے کے بعد جو نغمہ مشہور ہوا، وہ یہ تھا۔

کہہ رہے ہیں کراچی کے قیدی
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

محمد علی۔ عمومی تلفظ اختیار کیا گیا (محمد علی جوہر) **نہرو۔** موتی لال نہرو۔ **بتوں۔** پاسباں مل گئے، کعبے کو صنم خانے سے۔

یہ ریڈیو ہے، یہاں 'صوت و حرف' پکتے ہیں
بنامِ قوم بڑے 'اہلِ ظرف' پکتے ہیں
یہ 'نشریے' جو صداؤں کی اِک ریاضت ہے
ہماری قوم کی 'تاریخ' سے عبارت ہے
یہ راستہ جسے کہتے ہیں اب بھی **'بندر روڈ'**
جو ہے کراچی کی سب سے طویل و بہتر روڈ
یہ جا کے جب 'گرومندر' کی سمت مڑتی ہے
وہاں سے پھر جو نئے راستوں سے جڑتی ہے
ہمارے قائد اعظم کا ہے **'مزار'** وہاں
(وہیں پہ 'مقبرہ' بننے کا ہے بہت امکاں)
وہاں سے جیل تلک ہیں جو **'بستیاں آباد'**
ہیں اُن میں ہم سی ہزاروں ہی ہستیاں آباد
وہی جگہ، جو ہے **'اسلام باد'** سے موسوم
(یہ نام کس لیے رکھا گیا، نہیں معلوم)

بندر روڈ۔ بندرگاہ (کیماڑی) کی طرف جانے والی سڑک۔ جس کا نام 'ایم اے جناح روڈ' رکھ دیا گیا ہے۔ مگر یہ اب بھی 'بندر روڈ' ہی کے نام سے مشہور ہے۔ **مزار۔** یہ ذکر ۱۹۵۲ء کا ہے (مقبرے کا سنگ بنیاد ۳۱ جولائی ۱۹۶۰ء کو صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے رکھا تھا) **بستیاں۔** ان جھونپڑیوں میں کئی مشہور ادیب، شاعر اور فنکار رہتے تھے مثلاً مسلم ضیائی، تحسین سروری، اطہر نفیس، عبدالرؤف عروج، منظر ایوبی، اور عبدالماجد وغیرہ۔ **اسلام باد۔** عمومی تلفظ (اب اس کا نام اسلام آباد نہیں کشمیر روڈ ہے۔ اب یہاں 'کے ڈی اے' کا آفیسرز کلب، پارک اور شادی لان ہیں۔

'بنامِ دیں' کوئی منصوبہ تاجرانہ ہو
زمیں پہ قبضے کا شاید کوئی بہانہ ہو
جو ہو تو کیا کہ ہیں ہم تو غبار کے مانند
'رموزِ مملکتِ 'پاک' 'حکمراں دانند'
یہاں سے اُٹھ کے کہیں اور جا بسیں گے ہم
اور اُس کو بھی کوئی اچھا سا نام دیں گے ہم
میں کہتا جاتا تھا اور دیکھتا بھی جاتا تھا
کہ گرد و پیش کا معراج پر اثر ہے کیا
مگر اُسے کوئی حیرت، نہ کوئی وحشت تھی
وہ مسکراتی رہی جیسے اُس کی عادت تھی

O

جب آ کے رُک گئے ہم جھونپڑوں کی بستی میں
بلندیوں سے گزر کر نشیب و پستی میں
تو میں نے دیکھا اُسے پھر، بڑی ندامت سے
(وہ دیکھتی تھی مجھے، فخریہ رفاقت سے)

حکمراں دانند۔ اصل مصرعہ ہے۔ رموزِ مملکت خویش 'خسرواں' دانند۔

کھڑے ہوئے اُسے تکتے تھے سارے ہمسائے
وہ آئی ایسے، کوئی جیسے 'اپنے گھر' آئے

۲۵

یہ شہر، شہرِ کراچی، دیارِ پاک کا دل
تمام ہجرتیوں کی یہ آخری منزل
ہزار طرح کے انساں یہاں پہ رہتے تھے
وہی جو خود کو 'غریب الدیار' کہتے تھے
سنا ہے اپنے 'بھرے گھر' وہ چھوڑ آئے تھے
بنامِ پاک' ہر اِک رشتہ توڑ آئے تھے
زمیں، دکان، حویلی، ہرے بھرے باغات
تمام کھیت، مِلیں اور تمام مصنوعات
زر و جواہر و زیور، خزانہ و دولت
لُٹا کے سب ہی، بچا لائے تھے فقط 'عزت'
یہ لوگ کون تھے، کیا 'جھوٹ' اور کیا 'سچ' تھا
سنا ہے اُس میں بھی پوشیدہ کوئی 'لالچ' تھا
زبانِ حال پہ افسانہ ہائے مظلومی
طلب کا آئینہ، ہر داستانِ محرومی

کہیں کِلیم، کہیں لائسنس، یا پَرمِٹ
(بدلتی رہتی تھی رنگت، بصورت گرگٹ)
کسے خبر کہ تھے کیا 'کاروبار' درپردہ
جو کام کرتے تھے کچھ 'دین دار' در پردہ
وڈیروں، پیروں سے نسبت بہ رنگ درباری
'تعلقاتِ خصوصی' بہ کارِ سرکاری
شراب خانے کی، نائٹ کلب کی سوغاتیں
وہ رقص و نغمہ میں ڈوبی ہوئی مداراتیں
وہ تاجروں کا' وزیروں سے خاص یارانہ
وہ افسروں سے روابط بھی 'رازدارانہ'
غرض یہ اور ہی طبقہ تھا اور ہی مخلوق
کہ ان کے اور ہی 'عاشق' تھے اور ہی 'معشوق'
وہ زرطلب بھی تھے، 'دینِ مبیں' کے حامی بھی
برستا رہتا تھا، خاص اُن پہ 'فضلِ ربّی' بھی

O

جہاں قیام تھا میرا، وہ اور بستی تھی
قدم قدم پہ وہاں مفلسی برستی تھی

یہاں بھی اپنے وطن ہی کے لوگ رہتے تھے
وہی کہ سب جنہیں 'دھرتی کا بوجھ' کہتے تھے
شریف و سادہ و معصوم و محنتی و غریب
اساتذہ و صحافی و حسن کار و ادیب
اُنہیں کے ساتھ ہمارے بھی دن گزرتے تھے
اِسی مقام پہ ہم، دن کو رات کرتے تھے

O

میں سوچتا تھا کہ یہ زندگی اور اُس کے روپ
کہ چھاؤں میں بھی ہومحسوس، چلچلاتی دھوپ
یہ میری پھول سی 'بچّی' یہ گندگی ہرسو
ہر ایک سانس میں یہ پھیلتی ہوئی بدبو
قدم قدم پہ' گڑھوں میں رُکا ہوا پانی
تکلّفات سے عاری، ہر ایک نادانی
جدھر بھی دیکھئے اِک ڈھیر سا غلاظت کا
نشاں تھا ایک یہی 'باہمی اخوت' کا

بچّی۔ میری بڑی بیٹی جاوداں میر (آج کل پروفیسر 'اسلامیات' ہے)

عزیز، دوست، پڑوسی سب ایک جیسے تھے
یہاں پہ خاک بسر لوگ کیسے کیسے تھے
کوئی نہ جانے کہاں کھو چکا تھا، کیا کیا کچھ
نہ جانے دل میں کسی کے چھپا تھا، کیا کیا کچھ
کوئی اداس، پریشان، نیم پاگل سا
کسی کا ذہن، خیالوں کا ایک جنگل سا
سبھی یہ سوچتے، ہونا تھا کیا، ہوا کیا ہے
یہ ابتدا ہے تو پھر اِس کی انتہا کیا ہے

O

کبھی کبھی مرا عالم عجیب ہوتا تھا
تلاشِ رزق کا منظر مہیب ہوتا تھا
میں محنتی تھا، بہت محنتی مگر یہ ملک
کہیں ثمر تھا کہیں شاخِ بے ثمر یہ ملک
کبھی میں رات گئے دور تک نکل جاتا
تو میرا کرب مری شاعری میں ڈھل جاتا

چل خسرو گھر اپنے

تھک چکے پاؤں، بس اب اے دلِ ناداں، چل بھی

چل کہ اب رات کا نشہ بھی ہے مائل بہ خمار
قمقمے اُونگھ رہے ہیں کہ بہت جاگ چکے
کچھ ستارے ہیں تو ان کی بھی ہیں آنکھیں بوجھل
وہ بھی تیرے لیے، نیند اپنی بہت تیاگ چکے

چاند، پہرے کے سپاہی کی طرح استادہ
سوچ میں ہے کہ جو تو جائے تو وہ بھی چل دے
رہگزر، ایک طوائف کی طرح وامانده
ایسے لیٹی ہے کہ کون آئے گا اب رات گئے

ایک اِک ذرے کی آنکھوں میں ہے نیند آئی ہوئی
تو بھی گھر چل کے ذرا دیر، مرے دل، سو لے
کوئی ایسا نہیں اس وقت جو تیری خاطر
چند لمحوں کے لیے ہی سہی، آنکھیں کھولے

اتنا خاموش ہے ماحول کے چلتے ہوئے اب
اپنی آوازِ کفِ پا بھی گزرتی ہے گراں
تیری دھڑکن مری سانسوں کی ضمانت ہی سہی
تیری چپ چاپ سی دھڑکن بھی وحشت ساماں

کب تک اس قبر کی وادی میں پھرے گا پاگل
یوں کبھی مل بھی سکی ہے غمِ دوراں سے نجات
چل کہ جن چہروں سے بڑھ جاتی ہے تیری وحشت
وہی چہرے ہیں مرے دل، ترا عنوانِ حیات

اور تجھے جینا ہے، اے کُشتۂ دوراں، کل بھی

O

یہ زندگی کا نیا دور، اور 'ہم دونوں'
نئے وطن کے نئے طور، اور ہم دونوں
یہ سوچ بھی کہ اِسی کو قبول کرنا ہے
یہ خار، خار سہی، اِس کو پھول کرنا ہے
یہیں پہ لانا ہے، وہ انقلابِ دوراں بھی
کہ جس کو دیکھ کے حیراں ہو چشمِ یزداں بھی

ہم دونوں۔ میں اور میری شریکِ حیات۔

O

اُنہیں دنوں میں، کراچی کے **'طالبانِ علوم'**
کئے گئے تھے جو اپنے حقوق سے محروم
نکل کے آ گئے کالج سے، شاہراہوں پر
برس پڑے تھے جو 'بے تاج' بادشاہوں پر
وہ حق طلب تھے، غصیلے ہجوم کی صورت
مگر یہ شہر تھا 'نیرو' کے روم کی صورت
سپہ، تفنگ بکف اور وہ تھے نعرہ بہ لب
بنا تھا شعلۂ جوالا، گلستانِ ادب
جو حکمران تھے وہ 'بانسری' بجاتے تھے
جو نوجوان تھے وہ خون میں نہاتے تھے
زمیں تھی اپنے ہی لوگوں کے خون سے رنگیں
کہ ماں تھی، اپنے ہی بیٹوں کے خون سے رنگیں
یہ سانحہ جسے اِک جرم شرمناک کہیں
کہ اوّلین گناہِ دیارِ پاک کہیں
مری نگاہ میں اب بھی ہے فلم کی صورت
یہیں سے بگڑی ہے، مکتب کی، علم کی صورت

طالبانِ علوم۔ ڈی ایس ایف کے تحت طلبہ کا تاریخی احتجاج ۸ جنوری ۱۹۵۳ء کو پولیس فائرنگ سے کئی طلبہ شہید ہوئے اور سینکڑوں زخمی۔ اُن دنوں غلام محمد گورنر جنرل، خواجہ ناظم الدین وزیرِ اعظم اور مشتاق احمد گورمانی وزیرِ داخلہ تھے۔

میں اُن دنوں بڑے بے باک شعر کہتا تھا
مری رگوں میں لہو، آگ بن کے بہتا تھا
سو میں نے غیظ میں آ کر لکھی تھیں 'دو نظمیں'
سنا ہے لوگوں کے دل کو لگی تھیں 'وہ نظمیں'
میں ایک نظم کے اشعار نقل کرتا ہوں
ذرا سی دیر کو اُس دور میں اُترتا ہوں

۸جنوری۱۹۵۳ء

ضعیف ماں، ترا فرزند، تیرا لختِ جگر
زمیں کی گود میں خاموش سو گیا ہے آج
جوان دل میں، جواں حسرتوں کو دفنائے
وطن کی خاک کا پیوند ہو گیا ہے آج

دو نظمیں۔ایک نظم ۸ جنوری ۱۹۵۳ء جو 'افکار' سالنامہ (۱۹۵۴ء) میں شائع ہوئی تھی اور دوسری نظم کا عنوان تھا 'دیوانی' (مطبوعہ 'مشرب' جنوری ۱۹۵۴) انہی دنوں کراچی کے اخبارات میں ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ زخمیوں اور لاشوں کے درمیان ایک عورت دیوانہ وار 'پاکستان زندہ آباد' کا نعرہ لگا رہی تھی۔اس نظم کا پہلا شعر تھا۔

خوشیاں مناؤ، رقص کرو، قہقہے لگاؤ
لوگو خموش کیوں ہو، مرے ساتھ تم بھی گاؤ

یہ دونوں نظمیں میرے پہلے مجموعہ کلام 'آگ اور پھول' میں شامل ہیں۔وہ نظمیں۔صوتی قافیہ (ضرورتِ شعری)

کسے دکھاتی ہے تو اپنے دل کی ویرانی
چمن کا سوزِ دروں، گل فروش کیا جانے
یہاں تجارتِ گل ہے، بہار کا مقصد
جو شاخِ گل پہ گزرتی ہے وہ خدا جانے

بجھا بھی دے کہ یہ اشکوں کے ٹمٹماتے دیے
ترے کھنڈر میں چراغاں نہ کر سکیں گے کبھی
تری فغاں، ترے نالے، فلک شگاف سہی
کسی 'خدا' کو پشیماں نہ کر سکیں گے کبھی

ترا چٹان سا بیٹا زمیں میں گڑ تو گیا
ہوئی ہیں کتنوں کی عمریں دراز، یہ بھی تو دیکھ
ہر ایک قلب میں ہے سرنگوں 'بتِ محمود'
کہاں پہنچ گیا 'دستِ ایاز' یہ بھی تو دیکھ

ضعیف ماں، یہ ہے انساں کا خوں، اسے پی کر
یہ 'خواجگی' کبھی سر سبز ہو نہیں سکتی
ہزار دل کی سیاہی کو داغِ زُہد چھپائے
'نماز' خون کے دھبّوں کو دھو نہیں سکتی

ہر اِک کتاب ہے، انساں کے ذہن کی تخلیق
کتاب، ذہن سے مستور رہ نہیں سکتی
کچھ اِس قدر ہے فزوں تشنگیٔ علم کہ اب
کسی 'تجوری' میں محصور رہ نہیں سکتی

ہم اپنے خوں سے جلائیں گے راستوں کے چراغ
اور اِن چراغوں سے اِک کہکشاں بنالیں گے
جہاں جہاں بھی بہا ہے لہو شہیدوں کا
وہیں وہیں پہ بِنائے حیات ڈالیں گئے

یہ قبر، قبر نہیں، مکتبِ شعور ہے یہ
یہیں پہ زیست کے نقشے سنورنے والے ہیں
یہ شمع، ہاں اِسی شمعِ مزار کی لُو سے
ہزارہا مہ و خورشید اُبھرنے والے ہیں

O

یہ دور وہ تھا کہ جمہوریت کے نام پہ ہم
تمام طالب علم ایسے ہو گئے تھے بہم

کہ ہم میں کوئی مہاجر تھا اور نہ سندھی تھا
کوئی پٹھان نہ پنجابی اور بلوچی تھا
ہماری ایک جماعت تھی، وہ تھی **'ڈی ایس ایف'**
بس اِک **'جمعیت طلبہ'** تھی ہم سے کچھ خائف
اُسے گماں تھا کہ ہم لوگ 'اشتراکی' ہیں
(خدانخواستہ) اپنے وطن کے باغی ہیں
ہمارا ربط ہے در پردہ، روس و چین کے ساتھ
ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے 'دین' کے ساتھ
وطن کا دوست کوئی ہے اگر تو 'امریکہ'
ہے رہزنوں میں کوئی راہبر تو 'امریکہ'
مگر ہمیں تھی خبر، کون دوست ہے اپنا
دکھا رہا ہے ہمیں کون دؤر سے سپنا
ہم ایک ایسے تغیر کا خواب دیکھتے تھے
کہ روزِ حشر کا گویا جواب دیکھتے تھے
ہمیں یقیں تھا کہ اِک انقلاب آئے گا
جو اِس زمین کو 'جنت نشاں' بنائے گا

ڈی ایس ایف۔'ڈیموکریٹک اسٹوڈنٹس فیڈریشن' جس کے مشہور 'طالب علم رہنما' تھے۔معراج محمد خاں، ڈاکٹر علی ہاشمی (سیکرٹری) ڈاکٹر سرور، ڈاکٹر منظور احمد، ڈاکٹر ادیب الحسن رضوی، ڈاکٹر ہارون احمد، بیرسٹر ودؤد، نسیم احمد (اسٹوڈنٹ ہیرالڈ) پروفیسر اقبال احمد خان ، یوسف جمال (ممبر پبلک سروس کمیشن) فتح یاب علی۔ مختار رضوی وغیرہ۔ **جمعیت طلباء**۔ جماعت اسلامی سے متاثر تھی (عمومی تلفظ اختیار کیا ہے)

۲۶

ذرا تو سوچئے کیسا نظامِ قدرت ہے
تضاد ہی سے ہر اِک شے یہاں عبارت ہے
یہ رات دن، یہ بہار و خزاں یہ شمس و قمر
رُکاوٹیں بھی ہیں لیکن سبھی ہیں محوِ سفر
کہیں حسین سی خوشیاں، کہیں بھیانک غم
کہیں ہے لب پہ تبسم، کہیں ہے آنکھ میں نم
کئی چراغ بجھے اور کئی چراغ جلے
اِسی طرح سے زمیں پر خدا کا پیار پلے

O

خدا کو ہم پہ بھی اِک روز پیار آ ہی گیا
ہمارے ہاں بھی پیامِ بہار آ ہی گیا
اندھیری رات میں (اِک دن) خوشی کے دیپ جلے
عطا ہوا مجھے 'بیٹا' کہ میرا نام چلے
میں اِس وطن میں بنوں اُس کا مورث اعلیٰ
دیارِ پاک میں اِک نسلِ نو کا رکھوالا

میں سوچتا کہ میں سیّد ہوں، یہ بھی ہو گا وہی
مگر جو ہے مری **'معراج'** وہ ہے 'صدیقی'
کہ جو ہے نام کی نسبت، وہی بنے پہچان
کوئی تو شیعہ کہے گا اسے، کوئی سنّی
نہ جانے کون سی خوبی ملے گی 'اسلامی'
سو میں نے نام وہ سوچا جو دؤر دؤر نہ تھا
جو خاندان کا آئینہ تھا نہ فرقے کا
میں چاہتا تھا کہ وہ آدمی بنے اعلیٰ
وہی کچھ اپنے 'پیمبر' سی خوبیوں والا
کُشادہ ظرف، کُشادہ جبیں، کُشادہ دل
شگفتہ خاطر و روشن خیال و سادہ دل
سو میں نے رکھ دیا **'روشن خیال'** اُس کا نام
خدا کرے کہ وہ ثابت یہی ہو، عمر تمام

O

اُنہیں دنوں مجھے سکھر سے ایک دعوت آئی
وہاں **'مشاعرہ'** اور ایک **'کانفرنس'** بھی تھی

معراج۔ میری بیوی کا نام۔ **روشن خیال**۔ میرا بیٹا کمانڈر روشن خیال (پاکستان نیوی) **مشاعرہ**۔ اردو کالج کا سالانہ مشاعرہ ۱۹۵۲ء (اس وقت میجر آفتاب حسن پرنسپل تھے) **کانفرنس**۔ 'اردو سندھی کانفرنس' جو پاکستان میں پہلی بار ۲۳ دسمبر ۱۹۵۳ء کو سکھر میں منعقد ہوئی تھی، اس میں کئی اردو اور سندھی ادیبوں نے حصہ لیا تھا۔ کانفرنس کا افتتاح اے کے بروہی نے کیا تھا اور صدارت عبدالمجید سالک نے۔ مشاعرہ بھی، ذؤلسانی تھا۔ 'کانفرنس کی روداد'۔ 'افکار' کے شمارہ فروری ۱۹۵۴ء میں موجود ہے۔

میں اپنے شہر سے باہر چلا تھا پہلی بار
مرے رفیق تھے خالد (علیگ) اور 'خمار'
یہ 'دو زبانوں کا پہلا ملاپ' تھا گویا
(دیارِ پاک کے اکثر ادیب تھے یکجا)
ہمارے ملک کی تھی 'پہلی یادگار مثال'
کہ 'شہ لطیف' سے ملنے کو آئے تھے 'اقبال'
مجھے خبر تھی کہ سکھر میں 'شیخ ایاز' بھی ہے
'بشیر و تاج' بھی ہے اور شیخ رازؔ بھی ہے
یہاں تھے احسنؔ و 'دلگیر' اور عرساؔنی
ملے یہیں پہ مجھے 'سوبو' گیان چندانی'

O

ایاؔز تھا مری نظروں میں سندھ کا 'مخدومؔ'
کہ گاؤں گاؤں میں تھی اُس کی شاعری کی دھوم
وہ شعر کہتا تھا 'اردو' میں بھی بہت اعلیٰ
کہ شاعری میں تھا غالبؔ کا دل سے متوالا

خمار۔خمار انصاری ('تابندگی' نعتیہ کلام) **شیخ ایاز**۔جدید سندھی ادب کا عہد آفریں شاعر۔**بشیر**۔بشیر موریانی (افسانہ نگار) **تاج**۔تاج صحرائی (شاعر) **شیخ راز**۔شیخ عبدالرزاق راز (شاعر و ادیب) **احسن**۔احسن الہاشمی (شاعر و محقق) **دلگیر**۔ہری دلگیر دریانی (شاعر و نقاد) **عرسانی**۔محمد اسمٰعیل عرسانی (ادیب و ڈراما نگار) **سوبو**۔سوبو گیان چندانی (انقلابی رہنما) **مخدوم**۔مخدوم محی الدین (دکن کا انقلابی شاعر)

تھا اُس کا 'مجموعہ' غالبؔ کے شعر سے منسوب
وہ دو زبانوں کا تھا، 'ایک شاعرِ محبوب'
یہاں کچھ اور بھی مجھ کو ملے، مرے ساتھی
'حسنؔ حمیدی' و آفاقؔ و نکہتؔ و شمسی
تھے ن م نیازؔی بھی اور مظہرؔ بھی
جناب ف، الف، عثمانی اور اخترؔ بھی
وہی کہ جن کی محبت پہ ناز ہے مجھ کو
وہی کہ جن کی رفاقت پہ ناز ہے مجھ کو

O

مشاعرے میں مری نظم 'اجنبی مہمان'
پسند کی گئی اتنی کہ میں بھی تھا حیران
وہ نظم کیا تھی، بس اِک طنز تھا سیاست پر
غریب ملکوں سے 'امریکا' کی محبت پر

مجموعہ۔'بوئے گل نالۂ دل' شیخ ایاز کا پہلا اردو مجموعۂ کلام (مطبوعہ ۱۹۵۳ء۔مُرتّبہ۔آفاق صدیقی) **حسن حمیدی** ('شہر سلاسل'۔'جرم آگہی'، 'سحر آواز دیتی ہے' کے مصنف) آفاق صدیقی، نکہت بریلوی، مہر الٰہی شمسی (روزنامہ 'کلیم' سکھر کے مالک و مدیر) **اجنبی مہمان**۔(امریکی وزیر خارجہ مسٹر ڈلس کی پاکستان آمد پر) یہ نظم 'افکار' فروری ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی تھی اور 'آگ میں پھول' میں بھی موجود ہے۔

مگر یہ نظم بنی، سندھ میں مری پہچان
کہا گیا تھا یہیں مجھ کو 'شاعرِ مہران'

اجنبی مہمان
(امریکی وزیرِ خارجہ مسٹر ڈلس کی آمد پر)

اِک نئے دوست آئے ہیں گھر میں
دوستو! کوئی اہتمام کرو
نفرتوں کے جلال کے باوصف
اپنے مہماں کا احترام کرو
بھیگی آنکھوں میں، خشک ہونٹوں پر
مسکراہٹ کا انتظام کرو
اپنی آزادیوں پہ ناز کرو
اپنی قبروں میں جشن عام کرو
کُھل کے نعرے لگاؤ گام بہ گام
اور 'اونچا' وطن کا نام کرو

شاعرِ مہران۔ اگرچہ یہ 'لقب' ایک مشاعرے کا 'رسمی' اظہار تھا مگر بعض ہم عصروں کو بہت ناگوار گزرا (ملاحظہ ہو۔ 'برّشِ قلم'۔ مُرتّبہ۔ شمیم احمد)

یہ ہیں وہ 'صاحبِ خدا اوصاف'
جن کے صدقے میں ملک پلتے ہیں
جن کی 'رحمانیت' کی جنت میں
اختیاراتِ عرش چلتے ہیں
جن کی 'قہاریت' کی دوزخ سے
آفتابوں کے دل دہلتے ہیں
جن کی اَبرو کے اِک اشارے پر
انقلابات، رُخ بدلتے ہیں
جن کے بت خانہ سیاست میں
ناخدا کیا، خدا بھی ڈھلتے ہیں

یہ بہت دور ۔۔۔ دور مغرب سے
ارضِ مشرق سجانے آئے ہیں
ایشیا کے اُمڈتے طوفاں سے
ایشیا کو بچانے آئے ہیں
تپتے جسموں کے پاؤں کے نیچے
چھاؤں اپنی بچھانے آئے ہیں

’مِصر‘ کی طرح ارضِ پاک کو بھی
ایک ’ترکی‘ بنانے آئے ہیں
اِک دکاں کی بساط الٹا کر
ایک دوکاں جمانے آئے ہیں

آج اپنے وطن میں اِن کے لیے
سج رہا ہے حیات کا بازار
اپنے گلچیں ہی کر رہے ہیں پھر
اپنے گلشن میں اہتمام بہار
ہر کمیں گاہِ ماہ و انجم سے
صبحِ فردا پہ ہو رہے ہیں وار
اِک نیا ’کوریا‘ ہے زیرِ وجود
ہو رہی ہے نئی زمیں ہموار
موت سے ہے غمِ حیات کا لطف
غم نہیں ہیں تو ہر خوشی بیکار

کتنے خوش بخت ہیں یہ سکۂ زر
کتنا بدبخت ہے یہ اپنا دیار

کیسی سازش کو دے رہے ہیں پناہ
’معبدوں‘ کے بلند تر مینار
ماؤں کی گود میں بصد اخلاص
زندہ جسموں کے سج رہے ہیں مزار
ایک اِک گھر میں کر رہی ہے ’ہیر‘
اپنے ’رانجھا‘ کے خون سے سنگھار
شاہراہوں کے خشک کھیتوں میں
ابنِ آدم کی فصل ہے تیار

دوستو، کچھ تو بہر استقبال
اپنے مہمان پر نثار کرو
کچھ تو ہو گا تمہارے دل میں لہو
کچھ تو نذرِ جمالِ یار کرو
یہ شبِ وصل کٹ نہ جائے کہیں
اپنی نظروں پہ اعتبار کرو
کوئی اقدام ۔۔۔کوئی جرأتِ شوخ
کچھ تو اس شب کو شرمسار کرو

کچھ تو دو اس بہار کا انعام
کچھ تو اس گلبدن کو پیار کرو

O

ابھی میں لوٹ کے آیا ہی تھا کہ حکم آیا
یہاں رہے نہ کسی بھی مکان کا سایہ
جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، اٹھا دیئے جائیں
بنے ہوئے در و دیوار، ڈھا دیئے جائیں
تو یوں ہوا کہ ہٹائے گئے سبھی آثار
کہا گیا کہ چلے جائیں سب کراچی پار
وہ کالونی کہ 'ڈرگ ٹاؤن شپ' ہے جس کا نام
وہاں پہ ہو گا یہاں کے مہاجروں کا قیام
وہاں پلاٹ بھی سستے ہیں، قسط بھی کم کم
بنا سکیں تو بنا لیں کوئی مکان بھی ہم
سو ایک میں ہی نہیں، سب وہاں سے اٹھ آئے
کچھ اس طرح سے کہ جیسے جہاں سے اٹھ آئے
جناب 'مسلّم' و اطہر نفیس اور سرشار
عروج و ساقی و تحسین و منظر و مختار

ڈرگ ٹاؤن شپ۔ موجودہ نام شاہ فیصل کالونی۔ **مسلم**۔ مسلم ضیائی۔ سرشار صدیقی۔ عبدالرؤف عروج۔ ساقی امروہوی۔ تحسین سروری۔ منظر ایوبی۔ مختار حیات۔

یہاں پہ بس گئے آخر تمام خانہ خراب
بسا کے آنکھوں میں پھر کچھ نئے پرانے خواب

O

کراچی شہر سے ہم لوگ تھے کچھ اتنی دور
کہ پاس ہو کے بھی تھے دور رہنے پر مجبور
وہ اِک ٹرین جو 'لانڈھی' تک آتی جاتی تھی
وہی یہاں پہ ٹھہر کر ہمیں اٹھاتی تھی
میں اس میں روز تلاشِ معاش میں جاتا
اور اس طرح سے تھکا ماندہ شام گھر آتا
کہ جیسے ریل کی بوگی نہ ہو، جنازہ ہو
یہ جھونپڑا نہ ہو، مرقد میں اپنا لاشہ ہو
وہ منظر آنکھوں میں ایسے بسا ہے، کیا بتلاؤں
گراں نہ گزرے تو اس دور کی یہ 'نظم سناؤں'

لانڈھی (کراچی کا صنعتی علاقہ) **نظم سناؤں**۔ یہ نظم ماہنامہ 'افکار' (جنوری ۱۹۵۵ء) میں 'ابن مریم' میرے قلمی نام سے چھپی تھی۔ پھر میں نے 'آگ میں پھول' میں اپنے نام سے شامل کر دی۔

مہاجر بستیاں

صبح ہوتے ہی چیخ پڑتے ہیں قبروں کے دہن
اپنے مسکن سے نکل آتا ہے، لاشوں کا ہجوم
مادرِ پاک کے خوابوں سے تراشے ہوئے جسم
عقل، مجہول، نگہ کور، زباں بے مفہوم
اپنے امروز کا کچھ علم نہ فردا کی خبر
اپنی ہستی کی حقیقت ہی نہیں ہے معلوم
ایک اک دوش کہ پشتارۂ غم سے بوجھل
ایک اِک رگ کہ رمِ قطرۂ خوں سے محروم
ایک اِک دل میں دہکتے ہوئے دوزخ لاکھوں
اور آنکھیں کہ بسائے ہوئے خُلدِ معدوم
کچھ نہیں فکر، بجز نانِ جویں، نانِ جویں
اور ہو گی بھی تو کیا حاجتِ قلبِ مرحوم
شام ہوتی ہے تو پھر صبح کی بھوکی قبریں
چاٹ جاتی ہیں ہر اِک سایہ و ہر نقش قدوم

عمر تا عمر اسی طرح سے کٹ جاتی ہے
اپنی آنکھوں میں لیے گم شدہ منزل کی تلاش

اپنے سینے سے لگائے ہوئے 'اِک خواب' کی لاش
زندگی موت کی گودی میں سمٹ جاتی ہے

O

یہ شاعری بھی ستم گر عجب ہے، کیا کہیے
بگڑنے بننے کا' یہ بھی سبب ہے، کیا کہیے

O

اُنہیں دنوں مری اِک اور 'نظم' تھی مشہور
جو اپنی حد میں تھی دنیائے امن کا 'منشور'

نظم۔۱۹۵۱ء میں جب 'کوریا' میں جنگ شروع ہوئی تو 'تیسری عالمی جنگ' کا اندیشہ ابھر آیا چنانچہ 'عالمی امن تحریک' چلی۔ میری نظم 'بنگال سے کوریا تک' کی محرک یہی تحریک تھی۔ ایک بحر میں تین سو اشعار پر مشتمل یہ طویل 'افسانوی نظم' میں نے ۵۲ء اور ۵۳ء کے درمیان لکھی اور اس کے مختلف حصے پاکستان کے مختلف رسائل میں 'ماہ بہ ماہ' چھپتے رہے مثلاً اردو کالج کے رسالہ 'برگِ گل' مارچ ۵۳ء (مدیر، ابن انشاء اور اے۔ آر۔ ممتاز) 'مشرب' مئی ۵۳ء (مدیر، اختر انصاری اکبرآبادی) 'روح ادب' (شمارہ ۱۷) ۵۳ء (مدیر، ممتاز حسین) 'نیا دور' (۳۔۴) (مدیر، جمیل جالبی) 'سیّارہ' ستمبر ۵۳ء (مدیر، ممتاز حسین)۔ پھر 'پوری نظم' ہندوستان کے رسالے 'شاہراہ'۔ دہلی (مدیر، وامق جونپوری) کے سالنامے (مارچ ۱۹۵۴ء) کے 'ضمیمے' میں شائع ہوئی۔ جب یہ نظم میرے پہلے مجموعۂ کلام 'آگ میں پھول' (مطبوعہ ۱۹۵۶ء) میں چھپی تو میرے بعض 'کرم فرماؤں' (شمیم احمد، قمر جمیل اور محسن بھوپالی) نے اسے ساحر لدھیانوی کی نظم 'پرچھائیاں' کا 'چربہ' کہنا شروع کر دیا۔ جب کہ ساحر صاحب کی نظم کتابی صورت میں 'نومبر ۱۹۵۵ء میں' پہلی بار شائع ہوئی تھی۔ ساحر صاحب کی نظم کے 'پیش لفظ' پر تاریخ ۲۱ نومبر ۱۹۵۵ء اور علی سردار جعفری کے 'دیباچے' پر ۲۳ نومبر ۱۹۵۵ء موجود ہے۔ ساحر صاحب کی نظم 'مختلف بحروں' میں ہے اور زیادہ حصہ احسان دانش کی مشہور نظم 'بیتے ہوئے دن' کی بحر میں ہے جس کا ٹیپ کا مصرعہ تھا۔ 'بیتے ہوئے کچھ دن ایسے ہیں تنہائی جنہیں دہراتی ہے' جو Flash back ٹیکنیک میں اردو کی 'پہلی نظم' تھی۔ مجبوراً مجھے دونوں نظموں کے اشاعتی حوالے دینے پڑے (میرے مضامین کے مجموعے 'شخص و عکس' میں ساری تفصیل موجود ہے۔ چنانچہ قمر جمیل نے 'تحریری معافی' مانگ لی، جو مختلف اخبارات میں شائع ہوئی۔ 'بنگال سے کوریا تک' کا ترجمہ انگریزی کے علاوہ پاک و ہند کی کچھ علاقائی زبانوں میں بھی ہو چکا ہے۔ انگریزی میں اس کے دو ترجمے ہیں Flower in flames (مترجم۔ پروفیسر راجندر سنگھ ورما۔ پنجابی یونیورسٹی۔ پٹیالہ) اور Flute and bugle (مترجم۔ پرکاش چندر۔ ریذیڈنٹ ایڈیٹر 'Times of India' ۔لکھنؤ) سندھی میں 'گل باہ مہٗ' (پروفیسر ایم۔ ای۔ عالمانی) ہندی میں (پروفیسر جی این نداف) اور تلگو میں (ڈاکٹر دسرتی) معلوم ہوا ہے کہ مرہٹی اور بنگالی میں بھی ترجمے ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ 'حیدرآباد کے شاعر' (مُرتّبہ۔ سلیمان اریب۔ آندھرا پردیش مطبوعہ مارچ ۱۹۶۲ء) میں پوری نظم شامل ہے۔ (ہندوستان میں دونوں نظموں پر کوئی ایسا الزام بھی نہیں لگایا گیا)

مرا خیال تھا اُس وقت بھی اور آج بھی ہے
کہ اپنا دوست نہیں وہ، جو 'سامراج' بھی ہے
محاذِ جنگ سے ہو کوئی شہر کتنی ہی دور
لڑائی ہو گی تو وہ بھی تباہ ہو گا ضرور
وہ کوریا ہو کہ بنگال، ہیروشیما ہیں
'خدائے وقت' کے ہاتھوں میں سب 'کھلونا' ہیں
وہ نظم ایک کہانی تھی اور طویل بھی تھی
جو میرے جوہرِ تخلیق کی دلیل بھی تھی
وہ 'نظم' جس نے سنی، مجھ سے پیار کرنے لگا
اُسی سے 'بزمِ ادب' میں بھی اُبھرنے لگا

O

وہ اِک 'مشاعرہ' جس میں یہ نظم میں نے پڑھی
'حفیظؔ' بھی تھے 'بخاریؔ' بھی اور 'فضلیؔ' بھی
کچھ اتنی داد، سرِ بزم دی مجھے سب نے
گلے لگا لیا اٹھ کر حفیظؔ صاحب نے

مشاعرہ۔اردو کالج کا سالانہ مشاعرہ۱۹۵۳ء(اُس وقت میجر آفتاب حسن پرنسپل تھے)**حفیظ**۔حفیظ جالندھری(صدر مشاعرہ)حفیظ صاحب کا خط'شخصیت' حمایت علی شاعر نمبر۱۹۹۶ء میں شامل ہے۔جس میں موصوف نے اسی نظم کے حوالے سے میری قدر افزائی فرمائی تھی۔**بخاری**۔زیڈ اے بخاری'کنٹرولر ریڈیو پاکستان'۔**فضلی**۔فضل احمد کریم فضلی(سیکرٹری انفارمیشن اینڈ براڈ کاسٹنگ)۔

مگر اُنہیں مرے بارے میں جب ہوا معلوم
میں ریڈیو میں تھا اور اب ہوں اس سے بھی محروم
تو سب نے میری سفارش کی اور وکالت بھی
مگر جنابِ بخاریؔ نے کی نصیحت بھی
کہ یہ 'دکن' ہے نہ مخدومؔ کا 'تلنگانہ'
یہاں پہ جینا پڑے گا مجھے 'شریفانہ'
سو میں نے صبر کیا اور نوکری کر لی
قلم پہ 'جبر' کیا اور نوکری کر لی

۲۷

کراچی شہر ہے چھوٹا سا ایک پاکستان
یہاں پہ رہتے ہیں ہر رنگ و نسل کے انسان
اِنہیں میں شاعر و فنکار بھی، ادیب بھی ہیں
جو اہلِ علم ہیں، میری طرح غریب بھی ہیں
تھا ابتدا میں بھی عالم یہی کراچی کا
دکھائی دیتا تھا دم خم یہی کراچی کا
مگر امارت و غربت میں اتنا فرق نہ تھا
یہ شہر، نشۂ دولت میں اتنا غرق نہ تھا

بس اِک خرابی کی بنیاد پڑتی جاتی تھی
بنی ہوئی تھی جو صورت، بگڑتی جاتی تھی

O

ادب کا حال بھی تھا دیدنی بفضل خدا
اِدھر کا حلقہ الگ اور اُدھر کا حلقہ جدا
جو انجمن تھی 'ترقی پسند' ادیبوں کی
وہ اِک 'سیاسی جماعت' قرار پائی تھی
کوئی ادیب' جو سرکار کا ملازم تھا
اس انجمن سے، اسے اجتناب لازم تھا
بھگت رہے تھے 'ترقی پسند' خمیازہ
ملازمت کا سبھی پر تھا بند دروازہ
خبر نہیں، اُنہیں سرکار کیا سمجھتی تھی
سی آئی ڈی بھی مسلسل نگاہ رکھتی تھی

O

ادب برائے ادب کے جو لوگ تھے حامی
وہ اُن میں دیکھ رہے تھے کچھ اور ہی خامی

ہر اِک کلام کو وہ 'باغیانہ' کہتے تھے
اور اِس ادب کو بہت 'عامیانہ' کہتے تھے
صحافتی تھا، یہ وقتی تھا بلکہ لمحاتی
نظیر ہی کی طرح 'پوچ' اور 'خرافاتی'
ادب تھا اُن کی نظر میں ابد کا آئینہ
زبان ہو کہ بیاں، 'ابّ وجد' کا آئینہ
عوام اور شرفاء میں جو 'حدِ فاصل' ہے
وہی مقام، حقیقت میں فن کی منزل ہے

O

'جدیدیت' بھی اِسی جستجو کا ہے اِک نام
ابد کی بات ہو لیکن، بہ صورت ابہام
درونِ لفظ ہو معنی کی شکل تجریدی
جو بات ہو، وہ نہ تائیدی ہو نہ تردیدی
خیال و خواب کا ہو، اِک جہانِ پُراسرار
علامتوں میں ہو پوشیدہ، زیست کی پیکار
ہو تجزیہ کسی موہوم داخلیت کا
پڑے نہ عکس، کہیں سے بھی خارجیت کا

نظیر۔نظیر اکبرآبادی۔نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے 'گلشن بے خار' میں لکھا ہے ۔ 'کیے از پوچ گویان ادب'

O

کراچی ہو کہ وہ لاہور، شاعری کے یہ رنگ
کئے ہوئے تھے ہر اِک اہلِ فکر وفن کو دنگ
جو زندگی کے مسائل کا ترجماں تھا ادب!
جو آدمی کا تھا آئینہ، وہ کہاں تھا ادب؟

O

تھا ریڈیو بھی قدیم و جدید کا مامن
مگر جناب بخاریؔ تھے سب پہ سایہ فگن
بنی ہوئی تھی کئی ٹولیاں ادیبوں کی
شنیدنی تھی یہاں بولیاں ادیبوں کی
وہ اہلِ علم ہوں یا اہلِ فن کہ اہلِ ادب
تھے اصطلاح میں 'اسٹاف آرٹسٹ' ہی وہ سب
بزرگ، وقت کو 'آساں' بنائے رہتے تھے
جوان 'حلقۂ یاراں' بنائے رہتے تھے
اِنہیں جوانوں میں تھا اِک 'جواں' **'سلیم احمد'**
بنا ہوا تھا جو اپنی جگہ **'کلیم احمد'**

سلیم احمد۔کلیم الدین احمد (جنہوں نے غزل کو'نیم وحشی صنف' قرار دیا تھا) جمیل جالبی۔عزیز حامد مدنی۔جمیل الدین عالی۔مجتبیٰ حسین، فرید جاوید، جمال پانی پتی، ساقی فاروقی، احمد ہمدانی (عمومی تلفظ)، اطہر نفیس، امید فاضلی، محمد حسن عسکری۔

وہ اپنے حلقے کا تھا 'اکبرِ سخن' گویا
تھے اُس کے دوست سبھی اُس کے 'نورتن' گویا
وہ آدمی تو بہت لاجواب تھا لیکن
گزرتے رہتے تھے بحثوں میں اس کے رات اور دن
وہ کافی ہاؤس ہو، ٹی ہاؤس ہو کہ اُس کا گھر
گھرا ہی رہتا تھا وہ دوستوں میں شام و سحر
جمیلؔ و مدنیؔ و عالیؔ و مجتبیٰؔ و فریدؔ
جمالؔ و ساقیؔ و ہمدانیؔ و نفیسؔ و امیدؔ
اُسے تھی عسکری صاحب سے خاص اِک نسبت
بنی ہوئی تھی اُنہیں سے 'سلیم' کی عزت
ادب میں اُس کا روّیہ تھا جارحانہ بھی
مخالفوں سے مگر ربط، دوستانہ بھی
تھا اپنے حلقے میں وہ اِک ذہین فقرے باز
کبھی **'ندیمؔ'** نشانہ بنے، کبھی **'ممتازؔ'**
اُسے ترقی پسندوں سے لاگ رہتی تھی
قلم میں پگھلی ہوئی دل کی آگ رہتی تھی

ندیم (احمد ندیم قاسمی) 'انجمن ترقی پسند مصنفین' کو سیاسی جماعت قرار دینے کے بعد قاسمی صاحب نے سیکریٹری شپ سے استعفیٰ دے دیا تھا۔**ممتاز**۔ممتاز حسین۔

O

یہ وہ زمانہ تھا جب 'ہم' بکھر چکے تھے بہت
کہ قید و بند سے سب ہی گزر چکے تھے بہت
ندؔیم بھی نہ تھے اب انجمن کے سیکریٹری
تھے جیل میں ابھی 'فیضؔ' اور 'بنّے بھائی' بھی
'ظہیؔر' و سبط حسن بھی خموش بیٹھے تھے
ہر اِک ادارے میں 'حلقہ بگوش' بیٹھے تھے
تھے قد تو چھوٹے سے اُن کے، پہ ہاتھ لمبے تھے
وہ دوسروں کے سدا سائے سائے رہتے تھے
'نگاہِ نقد' میں بس دو تھے 'قطب ہائے ادب'
ہمارے حضرت ممتاز و عسکری صاحب
یہ دو نظریۂ شعر و ادب کے تھے استاد
اور اپنے عہد کے دونوں ہی تھے بڑے نقاد
مگر وہ دور تھا 'بالشتیوں' کا، 'بونوں' کا
ادب کے نام پہ 'چابی بھرے کھلونوں' کا
'ادیب' چپ تھے تو میدان سارا خالی تھا
جو لکھا جاتا وہ 'شہکار' تھا 'مثالی' تھا

فیض۔راولپنڈی سازش کیس (۱۹۵۱ء) ظہیر۔ظہیر کاشمیری۔

'بنا ہوا تھا کوئی اپنے منہ یگاؔنہ بہت'
'کوئی بجاتا بصد فخر 'شادیانہ' بہت'
ادب میں فیض 'غلط بخشیوں' کا جاری تھا
سلیؔم کا تو ہر اِک نوجواں پجاری تھا
سلیم ان کو اٹھاتا 'کہیں' بیٹھا دیتا
مگر جو سر کو اٹھاتے 'وہیں' بٹھا دیتا

O

اِدھر یہ شغل تھا اور میں تھا ایسے عالم میں
کہ جیسے چپ سی ہو طاری' کسی کے ماتم میں
میں سوچتا تھا مگر کچھ نہ بول سکتا تھا
جو رازِ دل تھا، کسی پر نہ کھول سکتا تھا
میں روزگار کا مارا تھا، نوکری کا اسیر
بڑھے ہی جاتی تھی ہر لحہ پاؤں کی زنجیر
اُنہیں دنوں کہ بہت تنگ تھے مرے دن رات
خدا نے مجھ کو عطا کر دی اور اِک سوغات

شادیانہ۔شاد عظیم آبادی کے شاگرد مرزا یاس یگانہ چنگیزی نے جب 'غالب شکن' لکھی تو کسی زندہ دل نے ان کی ہجو لکھ ڈالی جس کا ایک بند یہ ہے۔

کوئی بنا اپنے منہ 'یگانہ' کوئی بجاتا ہے 'شادیانہ'
غرض کہ 'پٹنہ' میں فی زمانہ، بڑا ابڑا 'ـــ' پڑا ہے

پھر ایک 'پھول سی 'بیٹی' پھر ایک فکرِ حسیں
پھر اِک خوشی جو مجھے لے گئی کہیں سے کہیں
پھر ایک سوچ کہ میں کیا، مری بساط ہی کیا
کٹی پتنگ ہوں میں، میری 'کائنات' ہی کیا
کئی سوال اور اِک میرا ذہنِ کم مایہ
پھر اِک جواب کہ اب تو یہی ہے سرمایہ
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا کیا جائے
یہی کہ دل کو بھی پتھر بنا لیا جائے
مگر کبھی تو تغیر کی کوئی بات چلے
'عجب نگر' ہے یہاں' دن چلے نہ رات چلے'

O

میں نظم کہتا تھا، اِک دن 'غزل' بھی کہہ بیٹھا
مگر تھی وہ بھی مرے روز و شب کا آئینہ

بیٹی۔فروزاں علی (آج کل اردو یونیورسٹی میں 'سیاسیات' کی پروفیسر ہے) **کائنات** (صوتی قافیہ) **عجب نگر**۔'مجروح سلطان پوری' کی 'غزل' کا یہ شعر بہت ہی مشہور ہے اور پاکستان میں بہت دنوں تک فیض صاحب سے منسوب رہا ۔

ستونِ دور پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ
جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے

غزل

اب بتاؤ جائے گی زندگی کہاں یارو
دور تک ہے نظروں میں دشتِ بے اماں یارو
اب نہ کوئی منزل ہے اور نہ رہگزر کوئی
جانے قافلہ بھٹکے اب کہاں کہاں یارو
پھول ہیں کہ لاشیں ہیں، باغ ہے کہ مقتل ہے
شاخ شاخ ہوتا ہے، دار کا گماں یارو
موت سے گزر کر یہ کیسی زندگی پائی
فکر' پا بجولاں ہے، گنگ ہے زباں' یارو
تربتوں کی شمعیں ہیں اور گہری خاموشی
جا رہے تھے کس جانب، آ گئے کہاں یارو
راہزن کے بارے میں اور کیا کہوں کھل کر
میرِ کارواں یارو، میرِ کارواں یارو
صرف زندہ رہنے کو زندگی نہیں کہتے
کچھ غمِ محبت ہو، کچھ غمِ جہاں یارو
وقت کا تقاضا تو اور بھی ہے کچھ لیکن
کچھ نہیں تو ہو جاؤ، میرے ہم زباں یارو

ایک میں ہوں جس کو تم مانتے نہیں شاعرؔ
اور ایک میں ہی ہوں تم میں نکتہ داں یارو

۲۸

اُنہیں دنوں ہوا، اِک اور 'رزق کا در' باز
کہ سندھ میں ہوا اِک **'نشرگاہ'** کا آغاز
'وہ' شہر تھا' مرا **'محبوب شہر'** حیدر اباد
جو میرے واسطے صدیوں سے تھا 'یہاں' آباد
سنا تھا لوگ کراچی سے جا رہے ہیں وہاں
سو میرے دل میں بھی پیدا ہوا یہی ارماں
بکھر چکے تھے کراچی کی وسعتوں میں جو لوگ
سمٹنا چاہتے تھے، اپنی وحدتوں میں وہ لوگ
سوچا ہامیں نے بھی، چھوٹے سے شہر میں بس جاؤں
جہاں نصیب ہو مجھ کو محبتوں کی چھاؤں
جہاں پہ چھوٹا سا اِک گھر ہو، فاصلے محدود
میں جب بھی چاہوں، مرے سارے دوست ہوں موجود

نشرگاہ۔۱۹۵۵ء میں ریڈیو پاکستان حیدر آباد کا آغاز ہوا تھا۔ **وہ**۔صوتی قافیہ۔ **محبوب شہر**۔ ہندوستان میں میرا تعلق ریاست 'حیدر آباد دکن' سے تھا۔

وہاں بھی میں کسی کالج میں داخلہ لے لوں
پڑھوں لکھوں بھی مگر نوکری بھی کرتا رہوں
چنانچہ میں نے کراچی کو خیرباد کہا
اور آ کے **'حیدرِآباد'** میں قیام کیا

O

عجب سکون تھا اس شہر میں، عجیب فضا
لگا زمیں پہ ہے آباد، خواب کی دنیا
وہاں کی گرمی و سردی، وہاں کی آب و ہوا
نہ جانے کیوں مجھے لگتی رہی بہشت نما
جو لُو چلے تو ملے، ماں کے گود کی گرمی
ہوائے شب میں ہو محسوس، پیار کی نرمی
تھی چاندنی میں بھی جیسے شراب کی تاثیر
دراز کاہکشاں، زلف یار کی تصویر
نہ جانے نام کا تھا یا کہ سندھ کا اعجاز
کُھلا نہ مجھ پہ کبھی شہر کی کشش کا راز

حیدراباد۔(عمومی تلفظ) **حیدرِاباد**۔ضرورت شعری (اضافت سے کام لیا ہے)

O

وہ ایک دور جو میں نے وہاں گزارا ہے
اُسی نے مجھ کو بہ ہر زاویہ سنوارا ہے
وہاں جو لوگ ملے، میرے دوست آج بھی ہیں
وہ پرخلوص بھی ہیں اور خوش مزاج بھی ہیں
وہیں پہ 'جامعہ سندھ' نے نوازا ہے
وہی میرے لیے 'بھٹ شہ' وہی 'درازا' ہے
وہیں ادھوری جو تعلیم تھی، ہوئی پوری
وہاں نہ رزق بنا میری کوئی مجبوری
جو ریڈیو کے تھے افسر، رفیق بن کے رہے
ملازمت میں بھی ہم، سرکشیدہ، تن کے رہے
حفیظ ہوں کہ 'حمید نسیم یا سجاد'
سبھی سے ملتی رہی مجھ کو اپنے فن کی داد

جامعۂ سندھ۔ میں نے اعلیٰ تعلیم سندھ یونیورسٹی سے حاصل کی۔ بھٹ شاہ۔ درازا۔ سندھ کے عظیم شعرأ شاہ عبدالطیف بھٹائی اور سچل سرمست کے گاؤں۔ حمید نسیم۔ سجاد حیدر (پنجابی کے منفرد ڈرامانگار اور 'ہوادے ہوکے' کے مصنف) عمر مہاجر، الیاس عشقی، عبدالعزیز خالد، عبدالقوی ضیاء قابل اجمیری، بینش سلیمی، عظیم عباسی، مرزا عابد عباس، خالد وہاب، اختر انصاری اکبرآبادی (رسالہ 'نئی قدریں' ۳۵۔سال تک حیدرآباد سے نکالتے رہے) عثمان عرفانی، سلطان جمیل نسیم، قدیر غوثی، قاصد عزیز، نایاب حسین، شاکر جعفری، طاہر رضوی، رضوان صدیقی، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی (ماہر ریاضیات جنھوں نے علامہ اقبال کی فرمائش پر آئن اسٹائن کے نظریہ (Theory of relativity) کی روشنی میں اپنی کتاب 'نظریۂ اضافت' لکھی مگر افسوس کہ اس اشاعت تک علامہ اقبال کا انتقال ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر صاحب جامعہ عثمانیہ، سندھ یونیورسٹی اور پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہ چکے ہیں) پروفیسر خان رشید، ڈاکٹر احسن فاروقی، ڈاکٹر کریم الدین، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، حضرت رضی جے پوری (ماہر عروض) تراب گوالیاری صادق دہلوی، برگ یوسفی، ارتضا دعزمی، پیکر واسطی۔

جو اور لوگ تھے ہم عصر اور بزرگ تمام
'سوائے چند' رہے میرے خیر خواہ مدام
عمر مہاجر و الیاس عشقی و خالد
ضیاء و قابل و بینش، عظیم اور عابد
وہاب و اختر و عثمان و طاہر و سلطان
قدیر و قاصد و نایاب و شاکر و رضوان
وہیں تھے 'فخر دکن' ڈاکٹر رضی الدین
رشید و احسن فاروقی و کریم الدین
غلام مصطفیٰ خاں اور رضی جے پوری
تراب و صادق و برگ اور پیکر اجمیری
یہ سب ادیب تھے، شاعر تھے اور دانشور
زمین علم و ادب کے نجوم و شمس و قمر
ہمیشہ اُن کی محبت مجھے نصیب رہی
سدا خدا کی یہ نعمت مجھے نصیب رہی

O

اُسی زمانے میں وہ سانحے، عظیم ہوئے
جو ارض پاک کے حق میں، بہت سقیم ہوئے

عجیب اہل سیاست نے 'کار نیک' کیا
جو چار صوبے تھے، ان کو مٹا کے **'ایک'** کیا
اور اس کو نام دیا 'باہمی اخوت' کا
جواز پیدا کیا، اپنی 'اکثریت' کا
غرض یہ تھی کہ نہ 'بنگال' اقتدار میں آئے
ہمارے قبضے سے 'اللہ کا دیار' نہ جائے
یہ ایک بھائی کی نیت تھی، بھائی کے حق میں
'خدا' سے کام لیا 'ناخدائی' کے حق میں

O

ہر ایک نقشِ زمیں، نقشِ آب تھا گویا
ہر ایک ورثۂ تاریخ، خواب تھا گویا
کوئی زباں، کوئی تہذیب تھی نہ کوئی ساخت
کسی بھی فرد کی باقی نہیں تھی کوئی شناخت
سو ایک لاوا بھی سینے میں پکتا رہتا تھا
ادب میں شعر کی صورت دہکتا رہتا تھا

ایک۔'ون یونٹ' (مغربی پاکستان)

O

'شعور' میں نے اُسی دور میں نکالا تھا
جو دو زبانوں کی 'وحدت' کا اِک حوالہ تھا
تھے میرے ساتھ **ایاز** اور شمیم احمد بھی
جو اپنی حد میں تھے **'داراشکوہ'** و 'سرمد' بھی
مگر وہ حلقۂ یاراں، وہ ساتھ چھوٹ گیا
ابھی وہ خواب ادھورا ہی تھا کہ ٹوٹ گیا

O

اُسی برس مرا مجموعۂ کلام آیا
سبھی نے قدر سے دیکھا مرا یہ سرمایہ
تمام اہلِ ادب حوصلہ بڑھانے لگے
مشاعروں میں مجھے دور تک بلانے لگے
پہنچ گئے مرے اشعار خاص و عام تلک
میں جاتا رہتا تھا، 'دہلی سے چاٹگام' تلک

شعور۔میرا دو ماہی رسالہ جو ۱۹۵۶ء میں حیدرآباد سندھ سے شائع کیا تھا۔**ایاز**۔شیخ ایاز اور شمیم احمد (یہ دونوں حضرات 'شعور' کی مجلس ادارت میں تھے) اُن دنوں شمیم احمد بھی 'ترقی پسند' ہوتے تھے مگر کچھ عرصے بعد شدید بلکہ 'بدترین مخالفین' میں شامل ہوگئے اور میرے اور سارے ترقی پسند اہل قلم کے بارے میں 'بے ہودہ اور گستاخانہ مضامین' لکھنے لگے۔('نُرش قلم'۔'دریافت' اور روزنامہ 'جسارت'۔جماعت اسلامی کا ترجمان) **داراشکوہ**۔شاہ جہاں کا بڑا بیٹا برصغیر میں صوفیانہ فکر کا علم بردار (لبرلزم اور سیکولرزم کی علامت)

O

اِدھر عجیب تھے حالات **'راجدھانی'** میں
'ملک غلام محمد' کی حکمرانی میں
پلک جھپکتے حکومت تمام ہوتی تھی
نہ صبح ہوتی کسی کی، نہ شام ہوتی تھی
بس اِک اشارے پہ **'ناظم'** گئے وزارت سے
جو آئے **'بوگرہ'** وہ بھی گئے **'سیاست'** سے

O

وہ **'نون'** ہو کہ **'محمد علی'** کہ **'چندریگر'**
تھے اُن میں ایک **'سُہر وردی'** ہی ذرا بہتر
مگر تھے وہ بھی کسی کی نظر میں آئے ہوئے
جو ایک 'خاص گھڑی' سے تھے لَو لگائے ہوئے
سو ایک وہ بھی 'برا وقت' قوم پر آیا
کہ ایک اور **'سکندر'** وطن میں در آیا

راجدھانی۔ کراچی۔ **ملک غلام محمد**۔ ملک غلام محمد نے ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو خواجہ ناظم الدین کو بھی وزارت عظمیٰ سے برطرف کر دیا۔ **بوگرہ**۔ محمد علی بوگرہ جو ان دنوں 'امریکہ' میں سفیر تھے، پاکستان کے 'وزیراعظم بنا کر' بھیج دیئے گئے۔ **سیاست**۔ 'سیاست' کے مرادی معنی 'چالاکی' کے بھی ہوتے ہیں۔ **نون**۔ فیروز خان نون۔ چودھری محمد علی۔ ابراہیم اسمٰعیل چندریگر اور حسین شہید سہروردی (۱۹۵۵ء سے ۱۹۵۸ء تک یہ سب حضرات پاکستان کے وزیراعظم رہ چکے تھے) یہ نام ترتیب وار نہیں ہیں۔ **سکندر**۔ (ایکا ستعارہ) سکندر اعظم۔

O

وہ شخص فوج کا دیرینہ ایک **'افسر'** تھا
کچھ ایسی چال چلی اس نے 'صدر' بن بیٹھا

O

یہ سب 'فرنگ' کے سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے لوگ
کہ سامراج کے سائے میں تھے پلے ہوئے لوگ
سب اپنا کھیل رچائے ہوئے تھے در پردہ
بساط اپنی بچھائے ہوئے تھے در پردہ
ہو جب یہ حال تو اپنوں سے بھی شکایت کیا
'تجارتی' ہو محبت تو پھر محبت کیا
یہاں تو بھائی ہی بھائی کو ہاتھ دیتا ہے
غلط ہو 'شاہ' تو 'فرزیں' بھی مات دیتا ہے
تھی اِس 'سکندر اعظم' کی بھی نظر کہیں اور
اِسے پسند تھا 'پورس' کے ہاتھیوں کا طور

افسر۔ میجر جنرل اسکندر مرزا جو ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو غلام محمد کو ہٹا کر خود 'گورنر جنرل' اور پھر دستور پاس کروا کر اس کی ایک شق کے مطابق 'صدر' بن بیٹھے۔

یہ اور بات 'سکندر' ہی مات کھا بیٹھا
ہٹا کے 'صدر' کو **'ایوب خان'** آ بیٹھا
بنا تھا جیسا بھی **'دستور'** اپنا، ٹوٹ گیا
جو **'نو برس'** میں کُھلا تھا نصیب، پھوٹ گیا
وطن میں فوج کا قانون ہو گیا جاری
(یہ اقتدار کی جنگ اور قوم 'بیچاری')

۲۹

ہمارے لوگ بہت ذہنِ سادہ رکھتے ہیں
'جو آئے آئے' درِ دل کشادہ رکھتے ہیں
ملا نہ حسبِ توقع جب اپنے **'اللہ'** سے
تو باندھ بیٹھے ہر امید، **'مارشل لاء'** سے
چنانچہ فوجی حکومت سے یہ ملا انعام
رہا نہ شہر کراچی، وطن کا **'صدر مقام'**

ایوب خان۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان جنہوں نے ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ملک میں دستور ختم کر کے مارشل لاء نافذ کر دیا۔ **دستور**۔ ماہرین کا خیال ہے کہ یہ 'دستور' انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا 'چربہ' تھا۔ اس لیے مشرقی پاکستان کے نمائندوں نے شدید مخالفت کی تھی مگر اسمبلی میں اسے چند ووٹوں کی اکثریت سے پاس کر دیا گیا۔ **نو برس**۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بنا اور 'نو برس' کے بعد یعنی ۱۹۵۶ میں 'پہلا دستور' بنایا گیا جو ۱۹۵۸ء میں توڑ دیا گیا۔ **اللہ**۔ صوتی قافیہ۔ **صدر مقام**۔ ۱۹۵۹ء میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے پاکستان کا صدر مقام 'کراچی' سے تبدیل کرنے کا 'اعلان' کیا۔

اُٹھا کے سندھ سے پنجاب میں رکھی بنیاد
بنامِ 'دیں' وہاں اِک شہر کر دیا آباد
وہ شہر، جس کو سب **'اسلام باد'** کہتے ہیں
وہاں پہ سارے سفیر و وزیر رہتے ہیں

O

خبر نہ تھی کہ یہ **'قانون'** جب بھی آتا ہے
تو پھر عوام سے رشتہ ہی ٹوٹ جاتا ہے
جو حکمراں ہو، وہ ہوتا ہے وقت کا **'آمر'**
جو وہ کہے، وہی ہوتا ہے **'کلمۂ آخر'**
وہ اپنے ملک کا ہوتا ہے، حاکمِ مطلق
اگر وہ چاہے تو 'ناحق' کو بھی بنا دے 'حق'
وہ 'بادشہ' نہ ہو، طاقت اُسی کی رکھتا ہے
خدا کے بعد، وہ قدرت اُسی کی رکھتا ہے

O

جو 'بادشاہوں کے سائے' میں ہو پلی ہوئی قوم
'غلام فکر' کے سانچے میں ہو ڈھلی ہوئی قوم

اسلام باد۔ عمومی تلفظ (نئے صدر مقام کا نام 'اسلام آباد' تجویز ہوا) **قانون**۔ مارشل لاء۔ **آمر**۔ ڈکٹیٹر۔ **کلمہ**۔ (عربی تلفظ، ضرورت شعری کی نذر کیا، ویسے اردو میں یہی تلفظ رائج ہے)

جو 'بادشاہ' کو کہتی رہی ہو 'ظل اللہ'
جو اُس کے سائے کو سمجھے سدا خدا کی پناہ
اُسے 'عوامی حکومت' کا تجربہ ہی کہاں
عطائے دین 'خلافت' کا تجربہ بھی کہاں
اُسے یقیں کہ یہ دولت بھی ہے، خدا کی عطا
تمام سطوت و عزت بھی ہے، خدا کی عطا
وہ کیسے جانے کہ یہ 'مکر کی سیاست' ہے
فریب و جبر کی 'دانشورانہ حکمت' ہے
وہ صرف نام ہی جمہوریت کا جانتی ہے
عوام کو تو ہمیشہ 'غلام' مانتی ہے
عوام یعنی یہ **'ہاری'** عوام یعنی کسان
کہاں وہ پیر، وڈیرے، کہاں یہ 'نیچ انسان'

O

جب ایک قوم کا اندازِ فکر ہو ایسا
تو پھر وہاں پہ کوئی انقلاب ہو کیسا
کبھی **'وڈیروں'** کبھی تاجروں کا ہو گا راج
جو یہ ہٹیں گے تو پھر **'آمروں'** کا ہو گا راج

ہاری۔ ہاری سندھ میں 'کھیت مزدور' کو کہتے ہیں۔ **وڈیرے**۔ زمیندار۔ **آمر**۔ فوجی ڈکٹیٹر۔

میں ایسے دُور میں کیا سوچتا، سمجھتا کیا
کسی سے، اپنے سوا (سوچیے) اُلجھتا کیا
درونِ ذہن تھا اِک انتشار، اِک کہرام
سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا، دوں اِسے کیا نام
بس ایک وحشت بے نام تھی کہ طاری تھی
دل و دماغ میں اِک جنگ تھی کہ جاری تھی
میں اُس زمانے کی اِک 'نظم' ہی سناتا چلوں
جو میرا حال تھا' اہلِ ادب! بتاتا چلوں

سنگِ میل

میرے سینے کے دہکتے ہوئے انگارے کو
اب تو جس طرح بھی ممکن ہو، بجھا دے کوئی
اپنی آنکھوں میں بھی ہوں، آنکھ سے اوجھل بھی ہوں
میں گماں ہوں کہ حقیقت ہوں، بتا دے کوئی
دھوپ چھاؤں کا یہ انداز رہے گا کب تک
مجھ کو اِس خواب کے عالم سے جگا دے کوئی

میں ہوں اس دشتِ طلسمات کا وہ شہزادہ
جس کے سر پر ہے فلک، گنبد بے در کی طرح
میری منزل، میرے سینے پہ لکھی ہے لیکن
اپنی ہی راہ میں ہوں نصب، میں پتھر کی طرح
رہنما ہوں مگر اِک گام نہیں چل سکتا
ایسی اِک ضرب کہ ٹوٹے یہ مسلسل سکتہ

O

ہمارے ملک میں جب فوج راج کرنے لگی
کہو سنورنے لگی قوم یا بکھرنے لگی؟
ہر اِک سوال کا ہوتا ہے اک جواب مگر
کوئی سمجھنا نہ چاہے تو خامشی بہتر
یہ بات وقت پہ چھوڑیں ، وہی بتائے گا
کیا جو 'آج' وہ 'کل' سامنے بھی آئے گا
درست تھا کہ غلط؟ سوچے کوئی دانشمند!
کیا تھا سندھ میں **'سندھی زبان'** ہی کو بند!

سندھی زبان۔ ملک میں جب پہلا مارشل لاء 'مسلّط' ہوا تو سندھ میں جنرل ٹکا خان، ڈپٹی مارشل ایڈمنسٹریٹر تھے۔ انہوں نے ایک 'ٹیلی فونک آرڈر' سے دفتروں اور تعلیمی اداروں میں 'سندھی زبان' پر پابندی عائد کر دی (اس حکم پر سندھیوں کا ردِعمل اور اردو والوں کی خاموشی کا جائزہ میں نے اپنی کتاب 'شیخ ایاز' (مطبوعہ ۱۹۷۹ء) میں لیا ہے۔

زبان ہوتی ہے، 'ماؤں کے دودھ کے مانند'
رگوں میں ہوتی ہے خوں کی 'نمود' کے مانند
زبان ہوتی ہے 'خواب و خیال' کا پَرتَو
زباں میں ہوتی ہے روشن، 'نگاہ و فکر' کی ضَو
زباں وسیلہ ہے، 'تاریخ آشنائی' کا
زباں دریچہ ہے، تہذیب تک رسائی کا
زباں امین ہے، روح و بدن کے رشتوں کی
زباں امین ہے، قوم و وطن کے رشتوں کی
زباں کسی کی ہو، جاں سے عزیز ہوتی ہے
زبان، دونوں جہاں سے عزیز ہوتی ہے

O

زباں پہ مہر لگی تو مآل بھی دیکھا
دیارِ سندھ میں لوگوں کا حال بھی دیکھا
سبھی نے چھوڑ دی 'اردو زبان' پڑھنا بھی
لکھائی تو ہے بڑی چیز، بات کرنا بھی
جو آدمی تھا، وہ 'سندھی' میں کام کرتا تھا
زباں کا 'ماں' کی طرح احترام کرتا تھا

نمود۔ صوتی قافیہ۔

ایاز کیا، ہر اِک اہلِ قلم نے عہد کیا
ادیب کیا، ہر اِک اہلِ حرم نے عہد کیا
یہ سندھ ہے، یہاں 'سندھی زباں' کا ہوگا راج
ہمارے صوبے میں 'اپنی زباں' کا ہوگا راج

O

یہ احتجاج بجا تھا، مجھے بھی دکھ تھا بہت
بغیرِ جرم' سزا کا، مجھے بھی دکھ تھا بہت
نہ جانے کس نے سجھایا تھا حکمرانوں کو
کہ ایک ساتھ نہ رہنے دیں، دو زبانوں کو
جو سوچئے تو یہ طرزِ عمل تھا معنی خیز
زباں کے پردے میں ایک چال، تفرقہ انگیز
لڑاؤ اور حکومت کرو، بنامِ وطن
(یہی تھا عہدِ غلامی میں حاکموں کا چلن)
یہ حکمتِ عملی تو بہت پرانی ہے
کہ دو سو سال کا یہ رازِ حکمرانی ہے
جو ہوتی سندھ میں، سندھی زبان 'سرکاری'
تو اُس کا فیض بھی ہوتا عوام میں جاری

یہاں کے لوگ تو 'اردو زباں' بھی جانتے ہیں
اور اُس زبان کو 'قومی زباں' بھی مانتے ہیں

O

جو ہم بھی جان لیں سندھی تو حرج ہی کیا ہے
زباں تو دل میں اترنے کا سیدھا رستہ ہے

۳۰

وطن میں آئی تھی پہلے بھی ایسی اِک ساعت
زباں کی آڑ میں بیدار کی گئی نفرت
وہ ایک صوبہ، جو کل 'مشرقی' تھا پاکستان
وہاں بھی پیدا کیا تھا، زبان کا بحران
وہ صوبہ، سب سے زیادہ تھی جس کی آبادی
وہ صوبہ، جس سے عبارت تھی جہدِ آزادی
وہ لوگ، جن کی بدولت بنا تھا پاکستان
اُنہیں کے صوبے میں حاکم نہیں تھی اُن کی زبان

قومی زبان۔ علاقائی زبان کو نظر انداز کرنے کے سبب اردو 'قومی زبان' ہونے کے باوجود آج تک پاکستان کی 'سرکاری اور تعلیمی' زبان نہیں بنائی جا سکی۔ (ہمارے ملک کی سرکاری زبان صرف انگریزی ہے)

ہم اِک **'عظیم زباں'** کو نہ دے کے اُس کا حق
'زبانِ حال' سے نفرت کا دے رہے تھے سبق
یہی نہیں، وہاں کچھ اور بھی ہوئے تھے ستم
بیان کرنے پہ آؤں تو رو پڑے گا قلم
غلط ہے یہ کہ زباں کے سبب ہوئی تقسیم
حقوق ملتے' تو ہوتا نہ اپنا ملک دو نیم

O

اِک اور بھی ہوا ہم پر ستم، بتائیں کیا
ہے یہ فسانۂ اہلِ قلم، سنائیں کیا
ہوا یہ حکم، بنے **'رائٹرز گلڈ'** اب ایک
شریک اُس میں ہوں سارے ادیب، نیک انیک
سو ایک **'جلسہ اُدباء'** کا اہتمام ہوا
ہمارے ملک میں اِک گلڈ کا قیام ہوا

عظیم زبان۔'بنگالی' برصغیر کی چند بڑی اور ترقی یافتہ زبانوں میں سے ایک ہے، جس میں رابندر ناتھ ٹیگور اور قاضی نذر الاسلام جیسے شاعر، شرت چندر چٹر جی جیسے ادیب اور بوس جیسے سائنسداں پیدا ہوئے (ٹیگور اور بوس کو ادب اور سائنس کا نوبل انعام بھی ملا ہے) بنگالیوں کے مسلسل احتجاج اور مطالبے کی بناء پر ۱۹/اپریل ۱۹۵۴ء کو اردو کے ساتھ بنگالی کو بھی پاکستان کی دوسری قومی زبان بنا دیا گیا۔ **رائٹرز گلڈ**۔ پاکستان رائٹرز گلڈ۔ **جلسہ**۔ پاکستان رائٹرز کنونشن ۲۹، ۳۰ اور ۳۱ جنوری ۱۹۵۹ء کو کراچی میں ہوا، جس میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے تقریباً ڈھائی سو اہلِ قلم نے شرکت کی اور یہ ادیب 'بنیادی اراکین' قرار پائے۔ **ادباء** (عمومی تلفظ)

جناب **'عالی'** جناب **'شہاب'** ایک ہوئے
ہر اِک زبان کے اہلِ کتاب ایک ہوئے
شریک میں بھی تھا اُن 'ڈھائی سو ادیبوں' میں
جو دوست ہو کے بھی شامل رہے رقیبوں میں
مگر جو ساتھ رہے دؤر تک، وہ اور ہی تھے
زمین سے جو گئے تا فلک، وہ اور ہی تھے
وہ اُڑ رہے تھے سلیماں کے تخت پر گویا
تھا اُن کو ناز بہت اپنے بخت پر گویا
وہ آسمانِ ادب کے تھے چاند تاروں میں
شمار ہوتا تھا اُن کا وفا شعاروں میں
کیا اُنہوں نے اِسے 'انقلاب' سے تعبیر
جنابِ قائد اعظم کے 'خواب' سے تعبیر

O

یہ دور، 'فوج کا قانون' اور ادب کی بات
قلم بہ زیرِ تفنگ اور 'عزتِ سادات'

جناب عالی۔ جمیل الدین عالی۔ **شہاب**۔ قدرت اللہ شہاب (عالی صاحب گلڈ کے اعزازی افسر رابطہ (مرکز) اور شہاب صاحب گلڈ کے سیکرٹری جنرل (مرکز) مقرر ہوئے۔

تضاد اور یہ حسنِ تضاد، قابل دید
یہ ایک جبرِ مسلسل میں زندگی کی نوید
نگاہ و فکر پہ 'آزاد بندشِ سرکار'
'ایوارڈ' ۔۔۔'مرحمتِ خاص' ۔۔۔'مسند زرکار'
کئی کتابوں کو اعزاز سے نوازا گیا
کہیں برات گئی اور کہیں جنازہ گیا

O

نہ جانے کس کو پسند آ گیا تھا میرا کلام
مجھے بھی مل گیا اِک دن **'صدارتی انعام'**
تھا اِس کتاب میں سارا کلام تنقیدی
کہیں پہ لکھا نہ تھا ایک شعر تائیدی
چھپا تھا 'تین برس قبل' مارشل لاؑ سے
نہ جانے کس نے دعا کی تھی میرے **اللہ** سے

صدارتی انعام۔میرے پہلے مجموعہ کلام 'آگ میں پھول' کو ۱۹۵۹ء میں 'صدارتی ایوارڈ' سے نوازا گیا جبکہ یہ کتاب ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی تھی 'صدارتی ایوارڈ کے سلسلے میں مارچ ۹۸ کے 'افکار' میں جمیل الدین عالی کا ایک مختصر سا خط شائع ہوا۔جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ 'برادر محترم حمایت علی شاعر کی منظوم خودنوشت میں گلڈ، شہاب مرحوم، ناچیز اور کسی صدارتی ایوارڈ کے حوالے سے جو کہا گیا ہے، اس میں ان سے کچھ سہو وتسامح ہو گیا ہے' عالی صاحب نے اس سہو وتسامح کی وضاحت نہیں کی البتہ بعد میں فون پر مجھے بتایا کہ وہ 'صدارتی ایوارڈ' نہیں تھا بلکہ صدر پاکستان کا محض ایک تعریفی خط تھا اور مجھے بھیجی ہوئی رقم بھی 'عنایت خسروانہ' کے مصداق تھی۔عالی صاحب چونکہ 'سرکار دربار' کے آدمی ہیں اور ان دنوں رائٹرز گلڈ کے ایک اہم افسر اور قدرت اللہ شہاب کے دست راست تھے۔اس لیے میں ان کی وضاحت کو درست ہی سمجھتا ہوں۔تاریخ میں حکمرانوں کی ایسی مثالیں بھی ہیں کہ ؎ 'گا ہے بسلامے بہ رنجند وگا ہے بہ دشنامے خلعت بہ دہند' اچھا ہوا کہ میں اس 'نام نہاد سرکاری اعزاز' سے بری قرار پایا۔

جو مجھ سے 'راندۂ سرکار' کو ملا یہ صلہ
کلام کب کا تھا اور کب یہ 'افتخار' ملا
میں چپ رہا کہ تھی میری کتاب ، میرا وجود
وگرنہ **'آگ میں پھول'** اور حکومت موجود!
تھا میرے سامنے **'ناصر شہید'** کا انجام
ہر ایک باغیِ عصرِ جدید کا انجام
مگر جو سچ تھا وہ تحریر میں جھلک ہی گیا
مرا جنوں، مری زنجیر میں کھنک ہی گیا
بس ایک فرق تھا وہ یہ کہ اب جو بات کہی
غزل کی طرح بہ حسنِ 'غزل صفات' کہی
وہی جو میرؔ سے غالبؔ تلک روایت ہے
کہیں اشارتِ مبہم، کہیں کِنایت ہے
جو حرفِ راز لکھا بھی تو استعاروں میں
بیاں کیں عہد کی سچائیاں، اشاروں میں

آگ میں پھول۔وہ نظمیں 'آگ میں پھول' میں شامل ہیں جن کی بناء پر میں ملازمت سے محروم ہوتا رہا۔۱۹۶۸ء میں احمد ندیم قاسمی نے صدر ایوب خاں سے 'حسن کارکردگی کا ایوارڈ' لے لیا لیکن سبط حسن نے اپنی تصنیف 'ماضی کے مزار پر' پر رائٹر گلڈ کا عطا کردہ 'آدم جی ایوارڈ' لینے سے انکار کر دیا۔**ناصر شہید**۔حسن ناصر (ایک انقلابی دانشور) جسے ایوبی عہد میں ۱۶/اگست ۱۹۶۰ء کو لاہور قلعہ میں شہید کر دیا گیا۔

'ایک منظر۔۔۔ایک سوچ'

کہکشاں کی جگمگاتی فصل لہرائی ہوئی
دور اُفق کی اوٹ سے محوِ نظارہ ماہتاب
شبْ کسی اندیشۂ فردا سے کجلائی ہوئی

سوچتا تھا، یہ چمکتی فصل جب کٹ جائے گی
دامنِ مہتاب میں کھل جائیں گے چاندی کے پھول
رات کے ماتھے سے گردِ تیرگی چھٹ جائے گی

سوچتا تھا میں کہ دیکھا، رات ساری کٹ گئی
ایک سورج' ناگہاں ابھرا، بصد جاہ و جلال
چاند کی دولت، سحر کے غاصبوں میں بٹ گئی

سورج اپنی کامرانی پر بہت مغرور ہے
سوچتا ہوں، اِس سحر سے شام کتنی دور ہے

ایک منظر۔ایک سوچ (مطبوعہ 'ماہنامہ صبا' حیدر آباد دکن مورخہ جولائی، اگست ۱۹۵۹ء) اس نظم کو ڈاکٹر وزیر آغا نے '۱۹۵۹ء کی بہترین نظمیں' میں بھی منتخب کیا ہے (مطبوعہ ۱۹۶۱ء۔اکادمی پنجاب، لاہور)

'اندیشہ'

سہمی سہمی سی کھل رہی تھی اِک کلی
میں نے پوچھا 'کیا خزاں کا خوف ہے؟'
'جی نہیں' اِک دن خزاں تو آئے گی'
'پھر؟'۔ 'سنا ہے' اُس نے چپکے سے کہا
'اِس چمن کا باغباں' کلچیں بھی ہے'

۳۱

وہ خطۂ ہم جسے کہتے تھے بازوئے مشرق
طلوعِ مہر کا پیغامبر، روئے مشرق
وہ خطہ، ہاں وہی 'نذرلؔ' کی ارضِ لافانی
جہاں جسیؔم تھے اور عندلیبؔ شادانی

اندیشہ۔ مطبوعہ ماہنامہ 'ادب لطیف' سالنامہ ۱۹۶۲ء، لاہور۔ **نذرل۔** قاضی نذر السلام (بنگالی زبان کے عظیم باغی شاعر) کوی جسیم الدین (مشرقی پاکستان بنگالی کے اہم ترین شاعر) ڈاکٹر عندلیب شادانی، سرور بارہ بنکوی، اقبال عظیم ('ع' کی آواز بطور 'الف') افسر ماہ پوری، احسن احمد اشک، شاہین غازی پوری، مقبول نقش، اختر لکھنوی، احمد سعدی ارشد کاکوی، نوشاد نوری، نظیر صدیقی، حنیف فوق، ادیب سہیل، یوسف علی لائق، شہزاد منظر، حبیب انصاری فرنگی محلی (ہر سال مشرقی پاکستان میں مشاعرہ کرتے تھے) جوش ملیح آبادی، قمر جلالوی، تابش دہلوی، ماہر القادری، ادیب سہارن پوری، راغب مرادآبادی، اقبال صفی پوری، محشر بدایونی، شاعر لکھنوی، ظریف جبلپوری، سید محمد جعفری، شوکت تھانوی، عظم الکریم عباسی، پروین فنا سید، وحیدہ نسیم، صہبا اختر، اختر انصاری اکبر آبادی، قتیل شفائی، سلطانہ مہر، کشور ناہید، جمیل الدین عالی اور راقم الحروف حمایت علی شاعر۔

جہاں سرورؔ تھے، اقبالؔ عظیمؔ و افسرؔ تھے
جہاں پہ اشکؔ تھے، شاہینؔ و نقشؔ و اخترؔ تھے
جہاں تھے احمد سعدیؔ و ارشدؔ و نوشادؔ
نظیرؔ و فوقؔ و ادیبؔ اور لائقؔ و شہزادؔ
سبھی وہ لوگ تھے، علم و فن و ادب کی جان
وہی کہ جن سے تھا روشن ہمارا پاکستان
میں اُن سے ملتا تھا اکثر مشاعروں کے سبب
وہ جن سے رہتا تھا بیدار، ذوق شعر و ادب
وہ بنگلہ کے ادیب اور اہلِ فکر تمام
وہ جن کے ذکر سے روشن ہیں اب بھی صبح و شام
وہ لکھنؤ کے جنابِ حبیب انصاری
کہ جن سے مہکی ہوئی تھی ادب کی پھلواری
جناب جوشؔ و قمرؔ اور تابشؔ و ماہرؔ
ادیبؔ و راغبؔ و اقبالؔ و محشرؔ و شاعرؔ
ظریفؔ و جعفریؔ و شوکتؔ اور جناب عظیمؔ
فنا بھی ساتھ رہیں اور کبھی وحیدہ نسیمؔ
کبھی وہاں ملے صہباؔ و اخترؔ انصاری
کبھی قتیلؔ، کبھی مہرؔ و کشورؔ و عالی

غرض سبھی وہاں جاتے بہ فیضِ ذوقِ ادب
مگر وہاں کے مسائل سے آشنا نہ تھے سب
کوئی وہاں کے مناظر سے لطف لیتا تھا
جمالِ باطن و ظاہر سے لطف لیتا تھا
کسی کو بارش و طوفاں میں، برق و 'رعد' پسند
کسی کو بھیگی فضاؤں میں، ابر و 'باد' پسند
کسی کو جھومتے دریا، کسی کو کوہ و دمن
کسی کو بانس کے جنگل، کسی کو 'سندر بن'
کوئی تھا چائے کے کھیتوں کا دل سے متوالا
وہاں کے حسن سے مسحور، کوئی دل والا
کسی نگاہ میں تھی، آہو چشمیِ بنگال
کسی کو گھیرے ہوئے تھا، سیاہ زلف کا جال
کسی کو شبنمی صبحیں، کسی کو سانولی شام
کسی کے حق میں ہر اِک شے، خدا کا اِک انعام

O

یہ کم ہی جانیں کہ بنگال کی ہے کیا تاریخ
یہ سرزمیں ہے، ہمارے لیے 'کباب کہ سیخ؟'

رعد۔باد۔صوتی قافیہ۔سندربن۔بنگال کی مشہور تفریح گاہ (خوب صورت جنگل)۔

’کباب‘ جان کے کھاتے رہے جو صبح و شام
بغیر سوچے کہ کیا ہو گا پیٹ کا انجام
کسی کے حق میں تھی دوزخ، کسی کے حق میں بہشت
کسی نگاہ میں خوب اور کسی نگاہ میں زشت
کوئی ہو بات، وہاں پر نہیں تھی انہونی
’دیارِ پاک‘ کی وہ سرزمیں تھی ’کالونی‘
خمار خانہ تھا گویا وہ اہلِ ثروت کا
ہر ایک کھیل تھا جائز وہاں پہ دولت کا
بس ایک طبقے کی گٹھ جوڑ تھی سیاست میں
کہ ’ریس کورس‘ کی ’گھڑ دوڑ‘ تھی سیاست میں
کسی کے گھوڑے تھے، اُن پر کسی کے ’جاکی‘ تھے
دیارِ پاک کے ناپاک‘ کتنے ’پاکی‘ تھے
جو سر اُٹھے، اُسے غدار کہہ دیا جاتا
جھکے تو ’قوم کا سردار‘ کہہ دیا جاتا
’یہاں‘ کا ہو وہ ستم یا وہاں کے لوگوں کا
رہا ہے ’کھیل کا میداں‘ ہزاروں روگوں کا
بڑا تھا روگ، وہاں کے عوام کی غربت
نہ جانے کس نے لکھی تھی غریب کی قسمت

یہاں۔مغربی پاکستان۔

کسی کو رحم نہ آیا‘ خدا ہو یا انسان
کبھی تو ’قحط‘ پڑے اور کبھی اُٹھے طوفان
تباہی اُن کا مقدر رہی ہے برسوں سے
زمیں یہ ’عرصۂ محشر‘ رہی ہے برسوں سے
میں جب بھی جاتا تو ایسے بھی دیکھتا منظر
خدا کے بندے مگر جانور سے بھی بدتر
وہی امارت و غربت کا بدترین نقشہ
غریب اب بھی چلاتے تھے سائیکل رکشہ
غلیظ کھانا جو کھائیں نہ بلیّاں، کُتّے
اُسی کو دوڑ کے کھاتے تھے ’پھول سے بچّے‘
وہ مرد، جن کا اثاثہ تھا صرف اِک لُنگی
وہ عورتیں کہ لپیٹے ہوئے پھٹی ساڑھی
’بریزئر‘ تو کجا، چولیاں نصیب نہ تھیں
مکاں تو کیا کہ اُنہیں ’کھولیاں‘ نصیب نہ تھیں
نہ سر پہ ٹوپی نہ شملہ نہ پاؤں میں چپّل
پسینہ بو کے نہ پاتے وہ ’**پائیلی چاول**‘

قحط۔۱۹۴۲ء۔۱۹۴۳ء میں دوسری عالمگیر جنگ کے دوران بنگال میں بہت پڑا قحط پڑا تھا ہزاروں انسان بھوک سے مر گئے (ملاحظہ ہو امن عالم پر میری طویل نظم ’بنگال سے کوریا تک‘) **پائیلی چاول**۔بنگال میں ناپ کا ایک پیمانہ۔

ہر ایک چیز تھی مہنگی مگر بدن سستا
نہ پوچھئے کہ تھا کتنا مرا وطن سستا
اگرچہ کہنے کو وہ بھی ہمارے بھائی تھے
مگر وہ 'دودھ کی مکھی' تھے، ہم 'مَلائی' تھے
اگرچہ آٹے میں ہم تھے وہاں، نمک کی طرح
مگر 'سما' کی طرح ہم تھے، وہ 'سمک' کی طرح

O

مگر وہ آگ جو دل میں دبی سی رہتی تھی
مگر وہ آنکھ کہ جس میں نمی سی رہتی تھی

O

وہ بارشوں میں سلگتی زمین کا منظر
وہ خنجروں سے تہی آستین کا منظر
نظر نظر میں وہ صدیوں کے خواب کی تعبیر
قدم قدم پہ وہ ہر لمحہ ٹوٹتی زنجیر
وہ لفظ لفظ میں خود کو چھپائے افسانے
وہ کوچے کوچے میں پتھر اٹھائے دیوانے

وہ شاعری میں کہیں بجلیاں چمکتی ہوئیں
وہ نغمگی میں بھی چنگاریاں دہکتی ہوئیں
وہ درس گاہوں میں بیباک 'حق نگر' تعلیم
وہ لب بہ لب' نئے ادراک کی نئی تفہیم
روایتوں میں وہ جدّت کا باغیانہ فروغ
صداقتوں کی وہ یورش کہ ٹِک سکے نہ دروغ
زباں تو کُھل ہی چکی تھی، شعور بھی جاگا
'کلیم' کے لیے لب بستہ 'طور' بھی جاگا

O

دیارِ پاک کا یہ خطہ سب سے افضل تھا
وطن کی جہد میں بنگال ہی 'ہراول' تھا
یہاں جو لوگ تھے، تعلیم میں بھی آگے تھے
ہماری قوم میں، پہلے یہی تو جاگے تھے
نہ 'فیوڈلزم' کی لعنت نہ 'بادشاہت' تھی
اگر تھی کچھ تو فقط علم و فن کی دولت تھی

ہَراوَل۔لڑائی میں سب سے آگے رہنے والا فوجی دستہ۔

غریب بھی تھے یہی اور کثیر بھی تھے یہی
علیم بھی تھے یہی اور خبیر بھی تھے یہی
میں سوچتا تو بہت دور تک نکل جاتا
دھڑکنے لگتا جو دل' ایک 'چپ' میں ڈھل جاتا

۳۲

عجیب دور تھا وہ، جب بھی یاد آتا ہے
تو اِک ستارہ کہیں دوٗر ٹوٹ جاتا ہے
کرن کرن نظر آتی ہے تیر کے مانند
فضا میں ہوتی ہے شمس و قمر کی ڈھال بلند
درونِ سینہ دھڑکتی ہے دہشتِ خاموش
گرفت میں لیے جاتی ہے طاقتِ روپوش
خود اپنا سایہ ہی قدموں کو روک دیتا ہے
کوئی خود اپنے ہی اندر سے ٹوک دیتا ہے
زباں پہ حرف، گلے میں نوا لرزتی ہے
'بگل' کے شور میں ہر اِک صدا لرزتی ہے

بگل (فوجی حکومت کی علامت)

O

اُسی زمانے میں اِک چیخ بن گئی للکار
تڑپ کے ہو گئی ہر دل میں روشنی بیدار
فضا میں ایک علم، یک بہ یک اُبھر آیا
اور اُس کے ساتھ ہی اک چہرہ بھی نظر آیا
وہ چہرہ، چہرۂ سرمد کی طرح خون آلود
نظر سے دور بھی ہوکر' نظر میں تھا موجود
وہ ماہتاب سا روشن، رُخِ **'حسن ناصر'**
ہر اِک ضمیر کا درپن، رُخِ حسن ناصر
سو میں نے اپنے دکھے دل سے ایک نظم کہی
اور ایک دن سبھی یاروں کے درمیان پڑھی

حسن ناصر

میری آنکھوں میں بھی آنسو اُمڈ آئے آخر

میری آنکھیں جو زمانہ ہوا، اپنے آنسو
اپنے ارمانوں کی تُربت پہ لٹا بیٹھی ہیں

حسن ناصر۔ انقلابی رہنماء حسن ناصر جس پر میری نظم میرے دوسرے مجموعہ کلام 'مٹی کا قرض' (مطبوعہ ۱۹۷۴ء رائٹر گلڈ کے تحت آدم جی ادبی ایوارڈ یافتہ) میں شامل ہے۔

اپنے خوابوں کے شگفتہ سے گلوں کی خوشبو
اپنے گُـــلـــچیـــں کی عنایت پہ لٹا بیٹھی ہیں

میرے ہمدم، مری پلکوں پہ لرزتے ہوئے اشک
میرے دامن میں ندامت سے ٹپک جاتے ہیں
میرے ادراک و عزائم کے سرافراز ستون
تیری عظمت کے تصور سے لچک جاتے ہیں

سوچتا ہو کہ مرے دل کا وہ شعلہ ہے کہاں
جو ہر اِک دور میں تابندہ و پرنور رہا
کوئی آندھی، کوئی طوفاں جسے گل کر نہ سکا
کبھی **'فیوچک'** کبھی زویا، کبھی **'منصور'** رہا

آج اخبار کی سرخی پہ نظر پڑتے ہی
میرے اندر سے کوئی مُہر بہ لب چیخ پڑا
میرے جذبات کی غیرت، مرے ہونٹوں کا سکوت
میرا فن چیخ پڑا، میرا ادب چیخ پڑا

فیوچک۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران شہید ہونے والے ایک روسی ادیب اور ایک انقلابی خاتون۔ **منصور**۔ 'اناالحق' کا نعرہ لگانے پر جسے قتل کر دیا گیا تھا۔

یہ زمیں حق کی پرستار ہے؟ باطل باطل
سینۂ حق سے صدا آتی ہے، 'قاتل قاتل'

O

جو ظلم قلعۂ لاہور سے تھا وابستہ
دکھا رہا تھا ہمیں کوئی اور ہی رستہ
مگر یہ اہلِ سیاست اور اُن کا فن کہیئے
کھلونا بن گیا سب کا مرا وطن' کہیئے

O

وہ اِک **'فسانہ یوٹو'** وہ روسیوں کا **عتاب**
وہ ہند و چین کے باہم **'تعلقاتِ خراب'**
وہ کاشمیر کی جنّت پہ بھارتی بیداد
وہ 'پاک چین' رفاقت، وہ باہمی امداد
وہ **'نیٹو سیٹو'** ممالک سے اپنا یارانہ
وہ اپنے صدر کا پھر 'سرخ چین' بھی جانا

فسانہ یوٹو۔ پشاور سے امریکی فوجی طیارہ جاسوسی کی خاطر روس کی فضائی حدود میں داخل ہوا جسے روس نے بے بس کر کے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ **عتاب**۔ خروشیف کی پاکستانی حکومت کو دھمکی۔ **تعلقات خراب**۔ انڈیا اور چین کی جنگ۔ **نیٹو سیٹو**۔ امریکہ کے زیر اثر باہمی فوجی معاہدے رکھنے والے ممالک۔

ہوئی ہیں چین کی پھر مہربانیاں کیا کیا
تمام ملک کو تھیں خوش گمانیاں کیا کیا
بہت عظیم ہو تم، اے مدّبرانِ کرام
'سلام' لکھتا ہے شاعر تمہارے حسن کے نام'

O

پھر ایک حکم کہ جمہوریت ضروری ہے
برائے قوم' کوئی ایک 'لت' ضروری ہے
چنانچہ اہلِ سیاست کو دؤر کی سوجھی
کسی کو 'حور' کسی کو 'قصور' کی سوجھی
کہا گیا کہ ہمارے عوام ہیں ناداں
اگر چلے گا تو **'پنچائتی نظام'** یہاں
'محلّے واری' الیکشن ہوں **'دونوں صوبوں'** میں
جو منتخب ہوں وہ شامل ہوں 'اپنے لوگوں' میں
یہ **'اپنے لوگ'** بھی ہر صوبے میں برابر ہوں
تمام ملک میں 'اسّی ہزار ووٹر' ہوں

سلام۔فیض صاحب کا مصرعہ۔**پنچائتی نظام**۔Basic Democracy (بنیادی جمہوریت)۔**دونوں صوبوں**۔مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان۔**اپنے لوگ**۔بی ڈی ممبر۔

ہوں دونوں صوبے ترازو کے 'پاٹ' کے مانند
اور اُن میں رکھے ہوں ووٹرز 'باٹ' کے مانند
چنیں گے صدر کو یہ سارے 'باٹ' یہ ارکان
چلے گا اب اِنہیں 'باٹوں کے بل' پہ پاکستان
کہا گیا کہ یہ 'جمہوریت ہے بنیادی'
عوام کے لیے یہ تربیت ہے بنیادی

O

ہمارے ملک میں **'آئین'** پھر بنایا گیا
پھر ایک بار مقدر کو آزمایا گیا
وطن میں پہلے الیکشن کی دھوم دھام ہوئی
یہ پہلی صبحِ وطن بھی، بہ رنگِ شام ہوئی
ہوئیں تمام سیاسی جماعتیں اِک سمت
تمام ظاہر و درپردہ طاقتیں اِک سمت
اُدھر تھیں **'مادرِ ملّت'** اِدھر جناب ایوب
یہ دیکھنا تھا کہ دونوں میں کون ہے محبوب

آئین۔۱۹۶۲ء کا دستور۔**مادرِ ملّت**۔محترمہ فاطمہ جناح پہلی 'خاتون امیدوار برائے صدر مملکت اسلامی جمہوریہ پاکستان' جنہیں مذہبی جماعتوں نے بھی 'اپنا امیدوار' نامزد کیا تھا۔ ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے۔

کھلا کہ اُڑ گئی ہر چیز گرد کے مانند
'رموزِ مملکتِ خویش' خسرواں دانند'

O

نصیب ہی میں تھی ایوب خاں کے جیت لکھی
سنا ہے لوحِ مقدر پہ ہے یہ ریت لکھی
جو اقتدار میں ہو، کامیاب ہوتا ہے
خدا نہ ہو، پہ خدا کا جواب ہوتا ہے
ہمارے ملک میں جمہوریت بھی آئی تو یوں
غریب قوم کی قسمت بھی مسکرائی تو یوں
کہ نام **'عوام'** کا اور حکمران تھے فوجی
مگر **'فسانۂ آزاد'** کے تھے سب **'خوجی'**
قلم سے کام **'قرولی'** کا لے رہے تھے وہ سب
اور اُن کے سامنے تھے، دست بستہ، اہلِ ادب
سوائے فیضؔ و ندیمؔ و ایازؔ اور ظہیرؔ
سوائے سبط **'حسنؔ، جالبؔ، اجملؔ اور نصیرؔ'**

عوام۔'ع' کی آواز 'الف' کے مترادف رکھی گئی اور الف وصل کے مطابق لکھا گیا (ضرورت شعری) **فسانۂ آزاد**۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کی تصنیف۔ **خوجی**۔ ایک نیم فوجی کردار۔ **قرولی**۔ خوجی کا ہتھیار۔ **اجمل اور نصیر**۔ اجمل خٹک (پشتو شاعر) گل خاں نصیر (بلوچی شاعر)

وہ سب ادیب جو 'سرکار کی پناہ' میں تھے
قلم بکف سبھی 'بے قاعدہ سپاہ' میں تھے
جو بادشاہوں کے دربار میں کیا تھا ادا
وہی یہاں بھی تھا کردار، اہلِ دانش کا
کہیں 'خلافتِ ایوبیہ' کی تھی تجویز
کوئی تھا 'مسندِ شاہی' کیے ہوئے تضویض
غرض بساطِ سیاست کے مُہرہ باز تمام
بقدرِ ظرف' بچھائے ہوئے تھے اپنے دام

O

جو باز تھا نہ کبوتر 'عقاب' بن بیٹھا
قلم بغیر ہی **'اہلِ کتاب'** بن بیٹھا
خدا کرے وہ **'مورّخ ہوں'** یا صحافی ہوں
بہ روز حشر سبھی قابلِ معافی ہوں

O

ہے یہ غزل بھی اُسی دور کی غزل' سنیئے
جو میں نے دیکھا سُنا' وہ بھی ایک پل' سنیئے

اہل کتاب۔ جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی (Friends not masters) **مورّخ ہوں**۔ (سنا ہے یہ کتاب کسی ادیب نے لکھ کر دی تھی)

غزل

ہر قدم پرنت نئے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں لوگ
دیکھتے ہی دیکھتے، کتنے بدل جاتے ہیں لوگ

کس لیے کیجئے کسی گم گشتہ جنت کی تلاش
جب کے مٹی کے کھلونوں سے بہل جاتے ہیں لوگ

کتنے سادہ دل ہیں اب بھی، سن کے آواز جرس
پیش و پس سے بے خبر، گھر سے نکل جاتے ہیں لوگ

اپنے سائے سائے سر نہوڑائے، آہستہ خرام
جانے کس منزل کی جانب آج کل جاتے ہیں لوگ

شمع کی مانند اہل انجمن سے بے نیاز
اکثر اپنی آگ میں چپ چاپ جل جاتے ہیں لوگ

شاعرؔ اُن کی دوستی کا اب بھی دم بھرتے ہیں آپ
ٹھوکریں کھا کر تو سنتے ہیں، سنبھل جاتے ہیں لوگ

غزل۔ یہ غزل میں نے اسی دور میں کہی تھی۔

۳۳

دیارِ پاک میں ایسے بھی سال آئے ہیں
مشاعروں نے بہت رت جگے منائے ہیں
وہ مدرسے ہوں، دفاتر ہوں، کار خانے ہوں
امام باڑے ہوں، پیروں کے آستانے ہوں
کراچی ہو کہ پشاور، ہو کوئٹہ کہ مری
تھی شہر شہر کی محفل، سخن وروں سے بھری
مجھے ملے ہیں انہیں محفلوں میں سارے ادیب
بہت ہی پیارے سخن ور، بہت ہی پیارے ادیب

O

دیارِ پاک کا دل کہئے، ہاں وہی 'لاہور'
کبھی تھا نازشِ ہندوستاں، وہی لاہور
ہزاروں سال سے 'داتا' کے نام سے روشن
جہاں ہیں سینکڑوں اہلِ کمال کے مدفن

لاہور۔ (لاہور کے اہل قلم) احمد شاہ بخاری۔ محمد دین تاثیر۔ امتیاز علی تاج۔ حفیظ جالندھری۔ عبدالمجید سالک۔ فیض احمد فیض۔ احمد ندیم قاسمی۔ وقار عظیم۔ احسان دانش۔ عابد علی عابد۔ مرزا ادیب۔ ڈاکٹر عبداللہ۔ قتیل شفائی۔ ناصر کاظمی۔ ظہیر کاشمیری۔ حبیب جالب۔ شہزاد احمد۔ منیر نیازی۔ سعادت حسن منٹو۔ خدیجہ مستور۔ اشفاق احمد۔ انور سجاد۔ انتظار حسین۔ بانو قدسیہ۔ وزیر آغا۔ کمال احمد رضوی۔ امجد اسلام امجد۔ آغا ناصر۔ اصغر ندیم سید۔ **داتا۔** حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری (تصنیف۔ کشف المحجوب)

جہاں ہیں آج بھی خوابیدہ حضرتِ اقبالؔ
جہاں عروج کی تقدیر میں نہیں ہے زوال
جناب پطرسؔ و تاثیرؔ و تاجؔ کا مسکن
حفیظؔ و سالکؔ و فیضؔ و ندیمؔ کا مامن
وقار و دانشؔ و عابدؔ، ادیب و عبداللہ
مِلا ہوں سارے بزرگوں سے میں بحمداللہ
یہیں قتیلؔ ملے، ناصرؔ و ظہیرؔ ملے
یہیں پہ جالبؔ و شہزادؔ اور منیرؔ ملے
کہیں تھے 'منٹو'، 'خدیجہ' کہیں، کہیں 'اشفاق'
کہیں تھے 'انورِ سجاد' اپنے فن میں طاق
اور 'انتظار' بھی اِس شہر کی ہے اِک پہچان
بڑھا ہے 'قدسیہ بانو' سے بھی ادب کا مان
'وزیرآغا' بھی ہیں ایک شاعر و نقاد
'جہاں' ہے اُن کا بھی ہر ایک سے الگ آباد
ہیں فن ڈرامہ کے ماہر 'کمال' و 'امجد' بھی
اور 'آغاناصر' و 'اصغر ندیم سید' بھی
ہے اِن کے نام سے لاہور، آج بھی لاہور
وطن کا دل تو ہے، سر کا ہے تاج بھی لاہور

O

اِدھر ہے 'سندھ' میں 'نورالہدیٰ' ۔۔۔ ڈرامہ نگار
جناب 'ثاقب' و 'سلطانہ مہر' سے فن کار
'ثریا بجیا'، 'حسینہ معین' اور 'حمید'
یہ سب ڈرامے کی دنیا کے ہیں مہ و خورشید
یہ اور ایسے ہی کتنے ادیب و شاعر ہیں
وطن کی جان ہیں' جتنے ادیب و شاعر ہیں

O

اِدھر ہیں دوسرے مرکز 'پشاور' و مردان
وہاں ہیں فارغؔ و خاطرؔ، فرازؔ اور احسانؔ
وہیں رضا ہمدانی تھے، تاجؔ و شوکتؔ ہیں
یہ سب ادیب پشاور کی زندہ دولت ہیں

O

اور 'ایک شہر' ہے 'خواجہ فرید' کا مسکن
تمام اولیاء اللہ کا حسین مامن

سندھ۔ (سندھی اور گجراتی کے اردو اہل قلم) نورالہدیٰ شاہ۔ ثاقب انجان۔ سلطانہ مہر۔ ثریا بجیا۔ حسینہ معین اور حمید کاشمیری۔ **پشاور۔** (پشتو اور ہندکو کے اردو اہل قلم) فارغ بخاری۔ خاطر غزنوی۔ احمد فراز۔ محسن احسان۔ رضا ہمدانی۔ تاج سعید اور شوکت واسطی۔ **ایک شہر۔** (ملتان کے اہل قلم) عاصی کرنالی۔ ابن حنیف (مشرقی وسطیٰ کی قدیم زبانوں کا ادب) اسلم انصاری۔ طاہر تونسوی۔ لطیف الزماں۔ عرش صدیقی۔ حسین سحر۔ ارشد ملتانی اور اقبال ساغر صدیقی۔

جہاں ہیں عاصیؔ کرنالی اور ابنِ حنیف
جہاں ہیں اسلمؔ و طاہرؔ، جہاں ہے میرا لطیفؔ
جہاں تھے عرشؔ بھی اور ہیں جہاں حُسین سحرؔ
خدا رکھے کہ ہیں موجود ارشدؔ و ساغرؔ
یہ سارے لوگ اور ایسے تمام اہلِ قلم
وہ جن کے نام سے ملتان کی زمیں ہے ارم
وہ جن کا شعر و ادب، جن کی ساری تصنیفات
مجھے ملی ہیں ہمیشہ بڑے خلوص کے ساتھ

O

ہوں 'کوئٹہ' کے عطا شادؔ و ماہرؔ افغانی
کہ گوجری کے قلم کار صابرؔ آفاقی
اثرؔ جلیلی ہوں، انعامؔ ہوں کہ عابدؔ شاہ
سب اپنی ذات میں اپنی محبتوں کے گواہ
جو دور رہ کے بھی اکثر مرے قریب رہے
جو میرے دوست، ہمیشہ مرے حبیب رہے
میں شہر شہر گیا ہوں، مشاعروں کے طفیل
ہر ایک دل میں رہا ہوں، مشاعروں کے طفیل

کوئٹہ۔(بلوچستان کے اہل قلم)عطا شاد(بلوچی زبان کا اردو شاعر)ماہر افغانی۔صابر آفاقی۔(گوجری زبان کا اردو شاعر ادیب)اثر جلیلی انعام الحق کوثر۔عابد شاہ(بلوچی اور پشتو کے اردو شاعر)

O

مرے وطن کی طرح، میرے لوگ پیارے ہیں
فلک کی طرح زمیں کے یہ چاند تارے ہیں
ہر ایک دل میں جو دنیا ہے، دیدنی ہے بہت
کشش ہے ایسی کہ ہر دل کشیدنی ہے بہت
وہ نکتہ' جو کسی حق گو کے حرفِ راز میں ہے
وہ حرفِ راز جو آئینۂ مجاز میں ہے
مرے وطن کا ادب ہے اُسی کا آئینہ
دِکھا رہا ہے ہر اِک آدمی کا آئینہ
کوئی ہو شخص، کہانی یہاں ہے سب کی ایک
کوئی انیک یہاں پر ہے اور نہ کوئی نیک
جو ہو رہا ہے' وہ تاریخ میں نہ ہو گا عیاں
یہاں جو سچ ہے، وہ بین السطور ہے پنہاں
حکایتوں میں جو پوشیدہ استعارے ہیں
علامتوں کے پسِ پردہ جو اشارے ہیں
وہی ہماری حقیقت، وہی صداقت ہے
وہی ہمارے خداوند کی عنایت ہے

یہ مملکت جسے اللہ کی عطا کہیے
جو اُس کے بارے میں کہنا ہے، برملا کہیے
یہ سر زمین' وڈیروں کی، تاجروں کی ہے
خدا کے نام پہ کچھ فوجی آمروں کی ہے
عوام کا تو یونہی نام ہے ۔۔۔ برائے نام
عوام کیا ہیں، فقط 'بھیڑ بکریاں' ہیں تمام

۳۴

میں سندھ میں تھا ابھی ریڈیو سے وابستہ
قلم بکف تھا مگر زندگی تھی پابستہ
میں جو بھی لکھتا، بہت احتیاط سے لکھتا
دماغ و دل کے لطیف ارتباط سے لکھتا
ہر ایک صنفِ ادب میں قلم سے کام لیا
کوئی ہو گوشۂ فن، حرف نے مقام کیا
غزل 'رباعی، ثلاثی، علامتی تمثیل'
'طویل نظم' ڈرامے، فسانوی تشکیل'

رباعی۔(میری تخلیقات) 'آگ میں پھول' میں نظموں اور غزلوں کے علاوہ رباعیات بھی ہیں۔**ثلاثی**۔'ثلاثیاں' ۱۹۶۰ء سے لکھ رہا ہوں پہلے اس کا نام 'ستثلیث' رکھا تھا لیکن ایک مذہبی نظریے سے مطابقت پیدا ہو جانے کی بناء پر علامہ نیاز فتح پوری، حضرت اثر لکھنوئی اور احمد ندیم قاسمی صاحب سے مشورہ کر کے اس صنف کا نام 'ثلاثی' رکھا۔اس سے پہلے اردو میں 'تین مصرعوں کی وحدت' نہیں تھی۔گویا یہ اردو کی مختصر ترین 'صنفِ سخن' ہے۔ ☆☆☆

'غنائیے' بھی لکھے، قومی گیت بھی لکھے
ادب کے ساتھ' کئی فلمی گیت بھی لکھے
سخن میں خود کو بہ ہر طرح آزمایا ہے
کہیں کہیں تو بہت کامیاب پایا ہے

O

کچھ اتنے ہو گئے مقبول، فلم کے نغمات
میں گیت لکھنے میں مصروف ہو گیا دن رات
'خلیل' تھا مرا دیرینہ ریڈیو کا رفیق
بہت شریف، بہت معتبر، بہت ہی خلیق
خلیل کی مری جوڑی، مثال بننے لگی
جہانِ فلم میں اِک نیک فال بننے لگی
ہر ایک سمت تھا، دونوں کے نام کا چرچا
تھا فلم سازوں میں دونوں کے کام کا چرچا

☆☆☆ **علامتی تمثیل**۔'شکست کی آواز' ایک کرداری تمثیل، (ایک تجربہ) 'برزخ' اور 'بازی گر' (منظوم ڈرامے) ۱۹۶۲ء۔**طویل نظم**۔'بنگال سے کوریا تک' اور 'شعلۂ بے دود'۔**ڈرامے**۔'مہران موج' سندھ کی چھ لوک کہانیوں کی منظوم اور منثور ڈرامائی تشکیل اور 'فاصلے' منظور و منثور ریڈیائی ڈرامے۔**فسانوی تشکیل**۔طویل افسانوں نظموں کے علاوہ مختصر افسانوی اور مکالماتی نظمیں بھی لکھیں (مطبوعہ ادب لطیف۔سالنامہ ۱۹۶۲ء اور دیگر رسائل) **غنائیے**۔'بدلتے زاویے، نوید انقلاب، اور کلفٹن کی ایک شام' وغیرہ۔**گیت**۔قومی اور فلمی نغمات سینکڑوں کی تعداد میں لکھے۔**خلیل**۔خلیل احمد۔

خلیل، فلم کا 'میراثی' موسیقار نہ تھا
پڑھا لکھا تھا، یہی اُس کا روزگار نہ تھا
گریجویٹ تھا، اِک اعلیٰ خاندان سے تھا
زمیں پہ پاؤں تھے اور رشتہ آسمان سے تھا
یہ ایک شوق تھا اُس کا، جو کامیاب ہوا
حضورِ فن، وہ بصدِ فخر' باریاب ہوا

O

وہ 'ریڈیو' ہو کہ اسٹیج، 'فلم یا ٹی وی'
ہر ایک فن میں نمایاں تھیں کوششیں میری
جو علم کا تھا تقاضا، وہی لکھی تنقید
کبھی نہ کی کسی بے جا خیال کی تائید
یہی سبب تھا کہ کچھ میرے ہم نوا بھی ہوئے
مگر تھے ایسے بھی کچھ، جو چراغ پا بھی ہوئے
جو اہلِ ظرف تھے وہ میرا دل بڑھاتے رہے
جو کم سواد تھے، اپنا لہو جلاتے رہے

ریڈیو۔ آل انڈیا ریڈیو اور ریڈیو پاکستان میں تقریباً پندرہ سال خدمات انجام دیں۔ (۱۹۴۷ء تا ۱۹۶۲ء) **فلم**۔ پندرہ سال فلم انڈسٹری سے وابستہ رہا۔ نغمات، مکالمات اور اسکرین پلے لکھے، فلمیں بنائیں اور ڈائریکٹ کیں۔ **ٹی وی**۔ ٹی وی کے مقبول ترین پروگرام 'کسوٹی' کے علاوہ بے شمار ادبی تحقیقی سیریل پیش کیے۔ غزل اس نے چھیڑی (غزل کے سات سو سال) عقیدت کا سفر (نعتیہ شاعری کے سات سو سال) خوشبو کا سفر (علاقائی زبانوں کے شعراء کا اردو کلام۔ پانچ سو سال)

کوئی تو صرف اِسی واسطے بنا دشمن
عطا کئے ہیں مجھے کیوں خدا نے اتنے فن
کسی کو نغمہ نگاری گراں گزرتی تھی
کسی کو 'چہرہ نمائی' گراں گزرتی تھی
بنا ہوا تھا کوئی آستین کا خنجر
وہ 'جستہ جستہ' دکھاتا تھا دوستانہ ہنر
خود اپنے دل کی سیاہی تھی اُس کے چہرے پر
(عجیب شام تباہی تھی اُس کے چہرے پر)
یہ 'ماجرائے غمِ دل' ہے کیا بیاں کیجئے
کہاں تلک گِلۂ مہرِ دوستاں کیجئے

O

میں ریڈیو سے نکل کر جو فلم میں آیا
تو اِک نیا ہی جہاں میرے علم میں آیا
یہاں تو دولت و ثروت تھا آدمی کا نام
مسابقانہ تجارت تھا، ہر کسی کا کام
تھی یہ فلک سے زمیں تک نمائشی دنیا
گمان سے تھی یقیں تک نمائشی دنیا

ہر ایک چہرے میں اِک دوسرا تھا چہرہ نہاں
ہزار روپ تھے، کوئی نہ تھا اکہرہ یہاں

O

میں گیت کار سے جب فلم ساز ہو بیٹھا
تو جو بھی تھا یہاں محمود، ایاز ہو بیٹھا
مگر وہ لوگ جو چلتے ہیں خواب میں اکثر
جو داغ دیکھتے ہیں ماہتاب میں اکثر
قدم قدم وہ سرِ راہ، دھول اڑانے لگے
اور اپنے ظرف کا یوں آئینہ دکھانے لگے
تو میں نے اُن کی 'زباں' میں 'خود اپنی ہجو' لکھی
(جو کیفیت تھی مرے 'دل جلے رفیقوں' کی)

واویلا
(1965ء کی ایک نظم اپنے 'محسنوں' کے نام)

اُٹھا ساقیا ۔۔۔ ساغرِ واژگوں
کہ کچھ سرپھروں کو کریں سرنگوں

زبان۔۱۹۶۲ء میں مجھے اپنی پہلی فلم 'آنچل' کے نغمے (کسی چمن میں رہو تم بہار بن کے رہو) پر 'بہترین نغمہ نگار کا ایوارڈ' ملا تھا' چند حاسدوں' نے میری مخالف شروع کر دی اور یہ سلسلہ برسوں چلا۔ اس سلسلے کے سارے مضامین اور ان کے جوابات 'احوال واقعی'، 'چراغ بکف' اور 'شخص و عکس' میں تاریخی حوالوں کے ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں۔

کچھ اتنی پلا دے کہ اُڑ جائیں ہوش
وگرنہ یہ ہوں گے نہیں یوں خموش
ہر اِک اپنے نشے میں مخمور ہے
جو ہے، سرکشیدہ ہے مغرور ہے
کسی کو ہے ناز، اپنے اشعار پر
کسی کو ہے فخر، اپنے افکار پر
کوئی ہے **'گلوکار'** خود ساختہ
اُڑائے **'دھنوں'** میں کوئی 'فاختہ'
کوئی بن گیا ہے **'کہانی نویس'**
سمجھتا ہے خود کو قلم کا رئیس
سنا ہے کہ رکھتے ہیں سب ڈگریاں
ابوجہل کی ہیں یہ پرچھائیاں
کئے کاغذی پیرہن، زیب تن
بنے پھر رہے ہیں یہ سب اہلِ فن
وہ شاعر، کہیں ایک جاہل جسے
'علی' کی 'حمایت' ہے حاصل جسے

گلوکار۔احمد رشدی۔ **دھنوں**۔موسیقار خلیل احمد۔ **کہانی نویس**۔ذاکر حسین۔

بھلا یوں کوئی مانتا ہے کہیں
تخلص سے شاعؔر تو ہوتا نہیں
یہ فلموں میں نغمہ نگاری کرے
کسی طرح سے پیٹ اپنا بھرے
اِسے کون کہتا ہے نغمہ نگار
یہ جو کچھ ہے صورت سے ہے آشکار
وہ 'آنچل' کہ تھی اس کی پہلی ہی فلم
'ایوارڈ' اس کو دے بیٹھے ارباب علم
وہ 'آنچل' بھلا کوئی تصویر تھی
سنا ہے کہ شاعؔر کی تقدیر تھی
کوئی ڈھنگ کا اس میں نغمہ نہ تھا
اگر تھا تو وہ اُس کا 'اپنا' نہ تھا
'ایوارڈ' اس کو دے بیٹھے 'اہلِ نگار'
بنامِ عوامِ حقیقت شعار
بڑھا دی یونہی مفت میں آبرو
'تفو برتو اے چرخِ گرداں تفو'

ایوارڈ۔نگارایوارڈ(بہترین نغمہ نگار)۱۹۶۳ء'نہ چھڑا سکو گے دامن'۔

کوئی بھول سکتا ہے وہ سانحہ
پڑھی تھی جب اُس پر بہت فاتحہ
ہر اخبار میں ایک مضمون تھا
کہ شاعؔر کے اشعار کا خون تھا
بہت اُس کا دامن کیا داغدار
سرِ عام اس کو کیا سنگ سار
مگر اس میں تھی اتنی غیرت کہاں
وہ کرتا رہا یوں ہی تُک بندیاں
کہ اِک سال پر دوسرا آ گیا
وہ 'دامن' پہ 'ایوارڈ' پھر پا گیا
یہ سب کیا ہے، بس مکر وفن ہی تو ہے
سیاست کا طُرفہ چلن ہی تو ہے
فقط دوست داری کا انداز ہے
ہمیں ہے خبر، اس میں کیا راز ہے
جو اس کی کتاب 'آگ میں پھول' ہے
گدھے پر وہ اطلس کی اِک جھول ہے

خدا جانے کیا 'صدر' کا ہے یہ راز
کیا اس کو انعام سے سرفراز
نہ انشاء درست اور نہ اِملا درست
بتائے کوئی، اس میں ہے کیا درست
فقط چند لفظوں کا اِک ڈھیر ہے
یہاں دن دھاڑے پہ اندھیر ہے
اندھیرے میں چکّر چلاتا ہے وہ
اور اپنی دکاں جگمگاتا ہے وہ
سنا ہے کہ اچھا گلے باز ہے
خدا کے کرم سے خوش آواز ہے
وہ شاعر بھی ہے اور اداکار بھی
کوئی ہو گا ایسا ریاکار بھی
کہیں تان پلٹے، کہیں گھن گرج
عجب اُس کی 'سج' اور عجب اُس کی 'دھج'
غرض اچھا خاصا مداری ہے وہ
جو سوچو تو ہر شے سے عاری ہے وہ

صدر۔صدارتی انعام ۱۹۵۹ء۔

بنانے لگا ہے اب 'اِک فلم' بھی
اسے فلم سازی کا ہے علم بھی؟
ہیں ساتھ اس کے دو ایک 'منکر نکیر'
کہ ہیں مکر و فن میں وہ سب بے نظیر
یہ کل کیا تھا اور آج کیا بن گیا
یہ مٹی کا مادھو 'خدا' بن گیا

O

اُسی زمانے میں، میں نے لکھی تھی ایک غزل
اسے بھی پڑھئے کہ آتے ہیں ایسے بھی کچھ پل
یہ 'دوستوں' کی عنایت تھی، قربتوں کا صلہ
کریں تو کس سے کریں 'ایسے دشمنوں' کا گلہ

غزل

اس دشتِ سخن میں کوئی کیا پھول کھلائے
چمکی جو ذرا دھوپ تو جلنے لگے 'سائے'

اِک فلم۔لوری۔**خدا**۔'لوری کے خالق' ۹ مارچ ۱۹۶۵ء (فلم کا اشتہار)۔

سورج کے اجالے میں چراغاں نہیں ممکن
سورج کو بجھا دو کہ زمیں جشن منائے
مہتاب کا پَرتَو بھی ستاروں پہ گراں ہے
بیٹھے ہیں شبِ تار سے امید لگائے
ہر موج ہوا شمع کے در پئے ہے ازل سے
دل سے کہو، لَو اپنی ذرا اور بڑھائے
کس کوچۂ طفلاں میں چلے آئے ہو شاعرؔ
آوازہ کسے ہے تو کوئی سنگ اٹھائے

O

ادھر یہ حال تھا لیکن ادب کے شیدائی
جہاں جہاں بھی تھے، کرتے تھے قدر افزائی
وہ جن کی ذات سے ہے معتبر ادب کا نام
نثار کرتے تھے مجھ پر خلوص صبح و شام

۳۵

وہ مسئلے جو 'ادھورے' تھے رنگ لے آئے
مرے وطن میں نئی ایک جنگ لے آئے

ادھورے۔ تقسیم ہند (۱۹۴۷) کے دوران ریاستوں کے مسائل، وہاں کی حکومتوں اور وہاں کے عوام پر چھوڑ دیے گئے تھے (اسی طرح دریاؤں کا پانی، بعض سرکاری رقومات اور متروکہ اراضی کے مسائل بھی تصفیہ طلب تھے)

وہ جنگ پہلے جو 'کشمیر' میں چھڑی تھی کبھی
جو بند ہو کے، پسِ پردہ اب بھی جاری تھی
کسی کہ 'شہ' پہ، حدودِ وطن میں در آئی
وہ جنگ، اب مری سرحد کو پار کر آئی
'یہ جنگ' باہمی نفرت کا تھا بدل گویا
تھی ہند و پاک کے ہر مسئلے کا حل گویا
وہ جو بھی ہو، مگر اپنا وطن ہے، اپنا وطن
ہمارے ملک کا دشمن، ہمارا بھی دشمن
یہ پہلا سانحہ تھا جو ہمیں جھنجھوڑ گیا
ہمیں خود اپنی حقیقت دکھا کے چھوڑ گیا
بفضلِ رب ہمیں احساس یہ ہوا ہی تھا
تو ہر محبِ وطن قوم کا سپاہی تھا
وہ طفل ہو کہ جواں، مرد ہو کہ عورت ہو
نکل پڑے تھے سبھی، ملک کی حفاظت کو
اِدھر تھی فوج نبردآزما، اُدھر شہری
تھے دشمنوں کے مقابل، نگر نگر شہری

کشمیر۔ ۱۹۴۸ء میں کشمیر کی جنگ جس کے نتیجے میں 'آزاد کشمیر' کی ریاست وجود میں آئی۔ **شہ۔** کہتے ہیں کہ ۱۹۶۵ء میں 'امریکہ کی شہ' پر بھارت نے ہماری 'تسلیم شدہ' سرحد توڑ دی تھی۔ **یہ جنگ۔** ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ جو سترہ دن جاری رہی۔

بنا ہوا تھا ہر اِک شخص اِک اُپی تلوار
محاذِ جنگ تھا ہر ایک کوچہ و بازار
وہ ریڈیو ہو کہ ٹی وی، کتاب یا اخبار
برستے لفظ تھے یا گولیوں کی تھی بوچھار
ہر ایک سطر میں اِک برق سی لپکتی تھی
ہر ایک شعر میں شمشیر سی چمکتی تھی
’ندیمؔ و صوفیؔ و عالیؔ، رئیسؔ اور صفدرؔ
’فرازؔ و شاعرؔ و صہباؔ، نفیسؔ اور انورؔ
ہر ایک اہلِ قلم تھا، قلم بکف ایسے
تمام اہل ادب ہوں’ علم بکف جیسے
کسی نے نظم و ترانہ، کسی نے گیت لکھے
بدل کے اپنی روایت، بدل کے ریت لکھے
جو ہم نے جنگ لڑی، کوئی کیا لڑا ہو گا
بس اتنا سوچیئے، کیا وقت آ پڑا ہو گا

ندیم۔(قومی نغمے)احمد ندیم قاسمی(۶ستمبر)**صوفی۔**صوفی غلام مصطفیٰ تبسم(ہائے فی جرنیل فی کرنیل فی) **عالی۔**جمیل الدین عالی(اے وطن کے سجیلے جوانو)۔**رئیس۔**رئیس امروہوی(خطہ لاہور تیرے جانثاروں کو سلام)**صفدر۔**صفدر میر(سیالکوٹ کی فصیل)**فراز۔**احمد فراز (میں کیوں اداس نہیں)**شاعر۔**حمایت علی شاعر(تین نغمے)۱۔جاگ اٹھا ہے سارا وطن ساتھیو، مجاہدو(فلم۔مجاہد)۲۔اے دشمن دیں تو نے کس قوم کو للکارا(فلم۔جہاد)۳۔میرے بہادر بھیا تجھ پہ ناز کرے تری بہنا۔۔۔سینہ سپر رہنا(فلم۔جہاد)(جنگ کے دوران میری نظم’لہو‘ بھی بہت مشہور ہوئی)**صہبا۔**صہبا اختر(میں بھی پاکستان ہوں، تو بھی پاکستان ہے)**نفیس۔**نفیس فریدی۔(پاکستان بڑے لڑیا، ان کی سہی نہ جائے مار)**انور۔**مسرور انور۔(اپنی جاں نذر کروں، اپنی وفا پیش کروں)سلیم انور(جنگ کھیڈ نی ہوندی زنانیاں دی)

کسی کو موت کی پروا نہ زندگی کی لگن
اگر تھا سامنے کوئی تو بس ’وطن دشمن‘
اِسے وطن کی محبت کہیں کہ اپنا فرض
چُکا دیا مرے لوگوں نے اپنا اپنا قرض

O

مگر یہ ’قرض‘ ادا ہو کے بھی ادا نہ ہوا
لہو بہا کے بھی میرے وطن کو کچھ نہ ملا
بس ’ایک دن‘ وہی تاریخ کا مثالی دن
وہ حکمرانوں کے دربار کا ’سوالی دن‘
وہ ایک دن، جسے کہتے ہیں ’چھ ستمبر‘ ہم
لہو سے اپنے جسے کر چکے ’مصوّر‘ ہم
وطن کی روح میں برسوں سے ہے جو آویزاں
ہمارے سینوں پہ جو ’امتیاز‘ کا ہے نشاں

O

یہ امتیاز بھی ہونٹوں پہ زہر خند ہوا
جو دل میں عزم تھا وہ نذرِ ’تاشقند‘ ہوا

تاشقند۔صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اور وزیر اعظم ہند۔لال بہادر شاستری کے درمیان جنگ بندی کا سمجھوتہ تاشقند میں ہوا۔

تھا یہ بھی اپنی سیاست کا اِک ہنر گویا
مآل کار سے تھے، ہم ہی بے خبر گویا
کُھلا کہ جذبہ و دانش میں فرق ہوتا ہے
کہ دل تو جاگتا ہے اور دماغ سوتا ہے

O

ہماری طرز سیاست بھی دیدنی ہے بہت
وطن سے اپنی محبت بھی دیدنی ہے بہت

O

وہ **'ایک نام'** کہ جو تاشقند سے ابھرا
جو اِک 'معاہدۂ حرفِ بند' سے ابھرا
وہ شخص، ہاں وہی ایوب خان کا **'فرزند'**
(پڑھا لکھا تھا، مجھے بھی رہا بہت ہی پسند)
وہ لے کے آیا وطن کے لیے **'نئی'** تدبیر
بدل کے رکھ دے گا جیسے عوام کی تقدیر
پلک جھپکتے میں وہ 'قائد عوام' ہوا
'وڈیرا' وہ بھی تھا لیکن وہ 'نیک نام' ہوا

O

'جناب صدر' جب اپنا مقام کھو بیٹھے
بہ فیض وقت، حکومت سے ہاتھ دھو بیٹھے
تو ایک **'دوسرے جرنیل'** نے سنبھالی باگ
(پھر ایک عسکری قانون تھا اور اپنے بھاگ)
وہ شخص یحییٰ خاں بھی عجب تھا مست ملنگ
تھے اس کے اپنے ہی رنگ اور اس کی اپنی ترنگ
سپاہی ہو کے بھی کرتا تھا زیست شاہانہ
شراب و حسن کا دیوانہ، سوچ، رندانہ
اسی کے **'حکم سے ٹوٹا'** 'طلسمِ ون یونٹ'
(کہ ایک حرفِ غلط ہی تھا اسمِ ون یونٹ)
وہ جس سے قوم میں باہم پڑی ہوئی تھی پھوٹ
بنامِ مذہب و ملت تھا اِک 'سیاسی جھوٹ'
اسی سے **'مشرقی صوبے'** کا حق تلف بھی ہوا
اُدھر جو حشر ہوا تھا وہ **'اِس طرف'** بھی ہوا

دوسرے جرنیل۔ ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء میں ایوب خان نے کمانڈر ان چیف جنرل یحییٰ خان کو اقتدار سونپ دیا۔ **حکم سے ٹوٹا**۔ ۳ جنوری ۱۹۷۰ء کو ون یونٹ (مغربی پاکستان) توڑ دیا گیا۔ **مشرقی صوبے**۔ مشرقی پاکستان۔ **اس طرف**۔ مغربی پاکستان کے چھوٹے صوبے جن کی حق تلفی ہوتی رہی۔

اسی سے فوج حکومت میں آئی۔ آتی رہی
وطن میں 'نام کی جمہوریت' چلاتی رہی
مگر یہ شخص کہ تھا فوج ہی کا اِک 'جرنیل'
کبھی بھی اس نے نہ کھیلا کوئی 'سیاسی کھیل'
اسی کے حکم سے **'اچھے'** ہوئے الیکشن بھی
اسی کے 'خوف' سے سچّے ہوئے الیکشن بھی
اسی کے دور می جمہور کامیاب ہوئے
'مجیب و بھٹو' کے سب لوگ ہم رکاب ہوئے
اسی کے دور میں جمہوریت کی راہ کھلی
پئے عوام، حکومت کی بارگاہ کھلی
مگر وہ نشہ جسے اقتدار کہتے ہیں
(بُرا ہو شخص تو اللہ کی مار کہتے ہیں)
ہوا کے دوش پہ جو خواب اُڑ رہے تھے کہیں
اِنہیں نظر کہاں آتی بلندیوں سے زمیں

اچھے۔کہا جاتا ہے کہ دسمبر ۱۹۷۰ء کے الیکشن بہت Fair ہوئے تھے۔**مجیب**۔مجیب الرحمٰن (عوامی لیگ) **بھٹو**۔ذوالفقار علی بھٹو (پاکستان پیپلز پارٹی)

O

زمیں پہ پاؤں ٹکیں تو نگاہ بھی ٹھہرے
نظر میں فرقِ سفید و سیاہ بھی ٹھہرے
بلند و پست کا ادراک، رہبرانہ ہو
عوام سے جو تعلق ہو، منصفانہ ہو
مگر یہاں تو بہم کوئی اعتبار نہ تھا
کسی بھی صوبے کو اِک دوسرے سے پیار نہ تھا
شکایتیں تھیں، غلط فہمیاں تھیں، نفرت تھی
دلوں میں تھی بھی، تو اِک 'خود غرض محبت' تھی
خدا و دیں سے تعلق تو بہر ایماں تھا
مگر کُھدا ہوا سینوں میں 'چاہِ کنعاں' تھا
زمیں کی طرح دلوں میں بھی فاصلے تھے بہت
رقابتوں کے بھی پیچیدہ سلسلے تھے بہت

O

گراں گزرنے لگی جب عوامی لیگ کی **'جیت'**
تو اور طرح ابھر آئی اختلاف کی ریت

جیت۔مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ نے سو فیصد ووٹ لیے تھے، کچھ ووٹ مغربی پاکستان سے بھی ملے مگر یہاں پیپلز پارٹی کے ووٹ زیادہ تھے، اس لیے چھ نکات کو موضوع بنا کر بھٹو صاحب نے 'ادھر تم ادھر ہم' کا نعرہ لگا دیا۔فوج آ گئی (۲۴ مارچ ۱۹۷۱ء) مجیب الرحمٰن کو گرفتار کر لیا گیا اور بھٹو صاحب Thanks God, Military Saved Pakistan کہہ کر کراچی آ گئے۔

مجیب نے جو کئے پیش 'چھ نکات' اپنے
تو ٹوٹنے لگے ہر حکمران کے سپنے
یہ خوف جیسے یہاں سب کے 'لاشعور' میں تھا
مآل اپنا ہر اِک 'ذہنِ باشعور' میں تھا
اسی بہانے بجھایا، بجھانے والوں نے
'مشیر خاص' نے اور اس کے کچھ جیالوں نے
یہ 'چھ نکات' نہیں، چھ عذاب ہیں گویا
یہ 'ملک توڑنے' والوں کے خواب ہیں گویا
تو ایسے خوابوں کو توڑا گیا، بہ زور تفنگ
اور اپنے ملک ہی میں چھیڑ دی گئی اِک جنگ

O

میں ان دنوں تھا 'وہیں' کیا وہاں کا حال لکھوں
نہ اپنی حد میں خرد تھی نہ اپنی حد میں جنوں
لہو بھی اپنا تھا، بندوق بھی ہماری تھی
'وطن کے عشق میں سرشار' جنگ جاری تھی
ہماری فوج کا دَم خَم بھی دید کے قابل
اور اپنے خوف کا عالم بھی دید کے قابل

وہیں۔ایک مشاعرے کے سلسلے میں ہم کچھ شعراء مشرقی پاکستان گئے تھے بڑی مشکل سے واپس آئے۔

دلوں میں حشر بپا اور گلی گلی خاموش
اُدھر مجیب، اِدھر ذوالفقار 'علی' خاموش

۳۶

وہ وقت اور تھا پینسٹھ سے مختلف تھا بہت
کسی پہ ہو نہ ہو، مجھ پر تو منکشف تھا بہت

میں ایک نظم سناؤں، ذرا عجیب سی ہے
ترانہ ہے مگر اس کی فضا عجیب سی ہے

مارچ پاسٹ ۷۱ء

سپاہی جنگ پر چلے ہیں کتنی آن بان سے
بدن پہ وردیاں سجائے اِک عجیب شان سے
تڑپ کے دیکھتی ہے صبح، جھک کے آسمان سے
جوان جا رہے ہیں آج، آپ اپنی جان سے

علی۔صوتی قافیہ۔**مارچ پاسٹ ۷۱ء**۔یہ نظم میرے مجموعۂ کلام 'مٹی کا قرض' میں شامل ہے۔

نبرد آزما ہے کون، پردۂ مجاز میں
نہ جانے کتنے راز ہیں نہاں اس ایک راز میں

ہوائیں چپ، فضائیں چپ، زمین آسمان چپ
خلا میں تک رہا ہے آنکھ اٹھائے ہر مکان چپ
ہجوم در ہجوم لوگ اور ہر زبان چپ
ہر ایک سمت' حشر کا سماں مگر ہیں کان چپ

کسے خبر سنور رہے ہیں یا بکھر رہے ہیں ہم
بڑے عجیب امتحان سے گزر رہے ہیں ہم

یہ جنگ کس کی جنگ ہے، خود اِس وطن سے پوچھئے
وطن سے دور 'دوستوں کی انجمن' سے پوچھئے
جبیں جبیں پہ مضطرب، شکن شکن سے پوچھئے
'خدا' بنا ہوا ہے جو اس 'اہرمن' سے پوچھئے

ہوائیں چیختی پھریں ۔۔۔ 'انار کی' 'انار کی'
یہ زرگری کی جنگ ہے، یہ جنگ اقتدار کی

O

یہ نظم میں نے لکھی تھی بصد شکستہ دل
بہ کربِ دیدۂ پرنم، بہ دردبستہ دل
ہر ایک ذہن میں تھا، انتشار کا عالم
ہر ایک قلب میں تھا، خلفشار کا عالم
اِدھر تھی فوج، اُدھر **'مکتی باہنی'** ہر سو
چھڑی ہوئی تھی وہاں **'جنگِ باہمی'** ہر سو
ہر ایک جسم میں نفرت کا شہر تھا آباد
دلوں میں غیظ، نگاہوں میں قہر تھا آباد
رگیں بدن میں تھیں، سانپوں کی طرح زہر آلود
نفس نفس میں تھی گویا بسی ہوئی بارود
نہ 'دین' سے کوئی نسبت نہ قدر 'مذہب' کی
نکل رہی تھی نہ جانے یہ دشمنی کب کی
کسی کی عزت و ناموس تھی نہ حرمت تھی
جدھر بھی دیکھئے، شرمندہ آدمیت تھی

مکتی باہنی۔ مشرقی پاکستان کے باغی چھاپہ مار۔ ان کے مختلف گروپ تھے، مکتی باہنی اور شکتی باہنی وغیرہ جو گوریلا جنگ' کے تربیت یافتہ تھے اور پاکستانی فوج پر شب خون مارتے تھے۔ **جنگ باہمی**۔ ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کو مشرقی پاکستان میں باضابطہ فوجی آپریشن شروع ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ مئی ۱۹۷۱ء تک 'خانہ جنگی' پر کنٹرول پالیا گیا تھا مگر بدامنی بنگلہ دیش بننے تک جاری رہی۔

درندگی تھی، شقاوت تھی، بربریت تھی
خدا کے ملک میں 'شیطان' کی حکومت تھی
تعصّبات لسانی تھے، قومیت کے تھے
خدا کا نام تھا اور کام 'دہریت' کے تھے
ہم 'اقتدار' کے مارے تھے، وہ 'غلامی' کے
مظاہرے تھے یہ باہم 'خود احترامی' کے
عوام کا ہر اِک انداز باغیانہ تھا
مگر ہمارا ہر اقدام 'حاکمانہ' تھا
رکھی نہ بات کبھی ہم نے 'اکثریت' کی
کُلاہ، کج ہی رہی اپنی حاکمیت کی

O

وہاں پہ جو بھی تھے آباد 'غیر بنگالی'
تھے ڈھول کی طرح ان کے بھی اندروں خالی
یہ ڈھول بجتے تھے، 'باہر' کی ضرب سے اکثر
وہ بے خبر رہے، 'اندر' کے کرب سے اکثر
وہاں پہ رہ کے کراچی سے اُن کو نسبت تھی
زباں کے ناطے اُدھر ہی سے اُن کو نسبت تھی

O

مگر وہ لوگ جو بنگالیوں کے تھے ہمدم
جو اِس زمیں کے مسائل میں دوست تھے باہم
'مہاجرین' تھے پر اپنا فرض جانتے تھے
وہ اِس علاقے کی خدمت کو قرض جانتے تھے
وہ جانتے تھے، وہیں اُن کو ضم بھی ہونا ہے
جو دوریاں ہیں بہت، اُن کو کم بھی ہونا ہے
وہ چپ تھے یوں کہ ہر اِک 'ہم زباں' کا رنگ تھا اور
ہمارے لوگوں کا بنگال میں بھی ڈھنگ تھا اور
وہ ہر 'مقامی' کو، شک کی نظر سے دیکھتے تھے
وہ گھر کے لوگوں کو 'بیرونِ در' سے دیکھتے تھے
اگر وہ لوگ کبھی اپنا حق طلب کرتے
تو گویا اپنے وطن پر بڑا غضب کرتے
ہر ایک چیخ کی بابت خیال تھا اُن کا
وہ آدمی نہ تھا 'چابی بھرا کھلونا' تھا
ہر اِک کھلونے کی چابی تھی انڈیا میں کہیں
سو انڈیا نے کیا وہ، جو اُس کی 'خواہش' تھی
(وہاں ہمارا وطن توڑنے کی سازش تھی)

بالآخر اُس نے چلی چال، ایک ایسی بھی
کہ سانپ بھی مرے، ٹوٹے نہ اُس کی لاٹھی بھی

O

ہماری فوج کی، بڑھنے لگی تھی جب یلغار
تو باغیوں نے مچائی کچھ ایسی ہاہاکار
'عوامی لیگ' نے بھارت سے رشتہ جوڑ لیا
اور اپنا 'ملکی تعلق' بھی ہم سے توڑ لیا
بنائی ہند میں اپنی 'جِلا وطن سرکار'
اور ایک 'دیس' بنانے کی راہ کی ہموار
پھر انڈیا سے طلب کر کے فوج کی امداد
اُسی زمیں پہ رکھی **'بنگلہ دیش'** کی بنیاد
جو اِس کے بعد ہوا ہے، وہ سب ہی جانتے ہیں
وہاں جو خون بہا ہے، وہ سب ہی جانتے ہیں
تمام ملک میں تھا حشر کا سماں گویا
زمیں کے ساتھ ہوا، دشمن آسماں گویا
ہماری فوج لڑی **'ہند آرمی'** سے بھی
مقامی لوگوں سے اور 'مکتی باہنی' سے بھی

بنگلہ دیش (عمومی تلفظ) **ہند آرمی**۔ مشرقی پاکستان میں یہ جنگ ۳ دسمبر سے ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء تک جاری رہی۔

وہاں کے لوگ تھے کچھ اتنے بدگماں ہم سے
کہ وہ بھی دُور تھے، جو تھے قریبِ جاں ہم سے
عزیز ہوں کہ پرائے، سب ایک جیسے تھے
وہ آدمی ہوں کہ سائے، سب ایک جیسے تھے
عجب فضا تھی کہ اپنے بھی سب تھے بیگانے
جو دن میں ساتھ رہے تھے، وہ شب تھے بیگانے
ہر آستین میں خنجر تھا، ہر بغل میں چھری
سنائی جاتی تھیں خبریں یہاں بُری سے بُری
جو سنتا ایسی خبر، بس دعا بہ لب ہوتا
اٹھا کے ہاتھ خدا سے کرم طلب ہوتا

O

بالآخر آ گئی اِک دن وہ ساعتِ بدبخت
ہماری فوج نے بھارت سے کھائی ایسی **'شکست'**
کہ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے ہم لوگ
مثال بن گئے تاریخ کے لیے ہم لوگ

شکست۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء، کو پاکستان آرمی کے لیفٹننٹ جنرل امیر عبداللہ خاں نیازی نے بھارتی فوج کے لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑا کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔

کب اتنی فوج، سرِکارزار قید ہوئی
ہماری فوج 'ترانوے ہزار' قید ہوئی
ذلیل اتنی، کوئی قوم کب ہوئی ہو گی
نہ دن ہوا کوئی ایسا، نہ شب ہوئی ہو گی
تھے اقتدار کے نشے میں چُور حاکم لوگ
کُھلا کہ کتنے تھے 'ہم باشعور'۔ 'حاکم لوگ'

O

عوام ساتھ نہ ہوں تو یہ دن مقدر ہے
ذلیل وہ بھی ہے، جو 'بخت کا سکندر' ہے
جہاں میں جب بھی کوئی انقلاب آتا ہے
سدا عوام کے وہ ہم رکاب آتا ہے
فرانس و روس ہو، وتنام و چین یا ایران
عوام ہی ہیں تغیر کا اولیں عنوان
عوام ساتھ نہ ہوں تو کوئی حکومت کیا
بغیر قوم، کسی حکمراں کی وقعت کیا

O

ہمارا ملک جو ٹوٹا تو ہم پہ کیا گزری
یہ صرف جانیں وہی، جن پہ ابتلا گزری
وہ لوگ دیکھتے آئے جو سچے جھوٹے خواب
جو سہتے آئے ہیں دو تین ہجرتوں کے عذاب
وہ لوگ جن کے گھرانے بکھر گئے پھر سے
جو اپنی قبروں میں زندہ اتر گئے پھر سے
میں سوچتا ہوں تو افکار کانپ جاتے ہیں
جو لکھنا چاہوں تو الفاظ منہ چھپاتے ہیں
تھی اُن دنوں ہی کی اِک نظم یا غزل، سنئے
یہ چند شعر، جو شاید ہوں 'برمحل' سنئے

غزل

یہ بات تو نہیں ہے کہ میں کم سواد تھا
ٹوٹا ہوں اِس بِنا پہ کہ میں 'کج نہاد' تھا

الزام اپنی موت کا موسم پہ کیوں دھروں
میرے بدن میں میرے لہو کا فساد تھا
اب میں بھی جل کے راکھ ہوں 'میرے جہاز' بھی
کل میرا نام 'طارقِ ابنِ زیاد' تھا
ایماں بھی لاج رکھ نہ سکا میرے جھوٹ کی
اپنے خدا پہ کتنا مجھے اعتماد تھا
گہرے سمندروں میں بھی پتھر ملے مجھے
تھا میں گُہرشناس مگر سنگ زاد تھا
تو' بادباں دریدہ سفینے کا ناخدا
اور قلزمِ سراب کا میں 'سندباد' تھا
اب ہوں زباں بُریدہ تو یہ سوچ کر ہوں چپ
یہ بھی سخن شناس کا اندازِ داد تھا

۳۷

اِدھر کچھ اپنے مسائل، اُدھر وطن کا غم
کسی کو شمع، کسی کو تھا انجمن کا غم

سندباد جہازی (ایک استعارہ) اس دور کا اختتام یوں ہوا کہ ۲۰/اپریل ۱۹۷۲ء کو سپریم کورٹ آف پاکستان نے جنرل یحییٰ خان کی حکومت کو غیر قانونی قرار دے دیا (بعد از خرابیٔ بسیار خواجہ بیدار شد)

وہ نعرہ جس میں تھا پوشیدہ 'لاشعور' کا عکس
نمایاں ہو گیا یک لخت اس میں 'دوٗر کا عکس'
یہ ملک، ملّتِ اسلامیہ کا ملکِ عظیم
ذرا سی بات پہ پل بھر میں ہو گیا 'دونیم'
اُدھر تھا بنگلہ دیش اور اِدھر تھا پاکستان
(ہے جبکہ ایک خدا، اِک رسولؐ، اِک قرآن)
اِسے بھی اہلِ سیاست کا اِک ہنر کہیئے
نشانہ ہو گیا دشمن کا کارگر، کہیئے
جو ہم وطن تھے، جو اپنے تھے، آج غیر ہوئے
جو کل تھے 'اہلِ حرم'۔ ہم سفیرِ دیر ہوئے

O

تھے اب تو ملک بھی دو اور حکمران بھی دو
اِدھر **مجیب**، اُدھر ذوالفقار **'علی'** بھٹو
وہاں عوام پہ طاری تھا قومیت کا جنوں
یہاں شکست و ندامت سے سب کا حال زبوں

مجیب الرحمٰن۔ اپریل تا دسمبر ۱۹۷۱ء میانوالی جیل (پاکستان) میں رہے۔ ۲۰ دسمبر کو (سقوط ڈھاکہ کے بعد) اسلام آباد لائے گئے۔ ۸ جنوری ۱۹۷۲ء کو لندن سے وہ ڈھاکہ پہنچ گئے اور 'بابائے بنگلہ دیش' کہلائے۔ **علی**۔ عمومی تلفظ۔

وہاں یہ فخر کہ آزاد ہو گئے ہم لوگ
یہاں یہ غم تھا کہ برباد ہو گئے ہم لوگ
جو ملک قائدِاعظم کا تھا، وہ ٹوٹ گیا
خود اپنے ہاتھوں سے اپنا نصیب، پھوٹ گیا

O

عنایتیں تو بہت سی ہیں ہم پہ اللہ کی
مثال انوکھی تھی اِس بار، **مارشل لاٗ** کی
'سویلین' نے سنبھالا تھا فوج کا قانون
(نیا لفافہ تھا لیکن پُرانا تھا مضمون)
تمام فوج تھی اب زیرِ دست، بھٹو کی
بہت ہی دید کے قابل تھی 'جست' بھٹو کی

O

ہماری قوم بھی ہے کتنی سادہ و معصوم
یہ کھیل کیسا تھا! کھیلا ہے کون؟ کیا معلوم

مارشل لاٗ ۔ صوتی قافیہ۔ **سویلین** ۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' میں چوتھی بار مارشل لاء نافذ ہوا اور ذوالفقار علی بھٹو 'مارشل لاٗ ایڈمنسٹریٹر' بنا دیے گئے۔ (ایک 'سویلین' کا اس عہدے پر فائز ہونا دنیا میں پہلی مثال تھی)

جہاں میں ہوں گے کہیں ہم سے بھی عجیب سے لوگ
خوش اعتقادی کے مارے ہوئے غریب سے لوگ
سیاستوں کا تماشا، نظر کے سامنے تھا
خود اپنی قوم کا 'لاشہ' نظر کے سامنے تھا
اور اپنی قوم کے 'قاتل' کو ہم سمجھ نہ سکے
کہ حق تو حق، کبھی باطل کو ہم سمجھ نہ سکے
نظامِ زیست کو پرکھا نہ حکمرانوں کو
فقیر و پیر کو سمجھا نہ آستانوں کو
پسِ معاہد و درگاہ، جو سیاست ہے
کبھی تو سوچتے ہم، کیا یہی عبادت ہے؟
زمین دار، وڈیرے کہاں سے آئے ہیں
یہ دن دھاڑے اندھیرے کہاں سے آئے ہیں
جو اُن کے پاس ہے دولت، کہاں سے اُتری ہے
زمیں سے نکلی ہے یا آسماں سے اُتری ہے
یہ فیض ہے، کسی سلطاں کی مدح خوانی کا
کہ ہے صلہ، یہ فرنگی کی حکمرانی کا

لاشہ۔ صوتی قافیہ۔

اثاثہ جو بھی ہے اُن کا، حلال ہے کہ حرام
کبھی تو ہم کو بتاتا کوئی فقیہ و امام
جو اقتدار میں آیا ہے، اہل ہے کہ نہیں
یہ انتخاب ہمارا ہی جہل ہے کہ نہیں
عوام کا تو سبھی نام لے کے آتے ہیں
عوام میں وہ کبھی خود بھی پائے جاتے ہیں؟
عوام کے لیے دکھ درد بھی کسی نے سہا؟
لہو کا ایک بھی قطرہ، کسی بدن سے بہا؟
عوام کے جو مسائل ہیں، جانتا ہے کوئی؟
سوائے 'ووٹ' اُنہیں اپنا مانتا ہے کوئی؟
ہر اِک سوال کا دینا پڑے گا سب کو جواب
'وگرنہ' خواب میں جاگے ہیں، دیکھتے رہیں خواب'

فقیہ۔ آج تک عالم اسلام کے کسی مفتی یا عالم دین نے شاید ہی یہ 'فتویٰ' دیا ہو کہ 'بادشاہت، زمین داری یا جاگیرداری' غیر اسلامی طریق حیات ہیں۔ 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' میں بھی علمائے کرام کی یہی روش ہے۔

وگرنہ۔

ہے غیب غیب، جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

(غالب)

O

تھی اُن دنوں مری حالت عجیب، کیسے کہوں
میں خوش نصیب ہوں یا بدنصیب، کیسے کہوں
یہ سانحہ تھا کچھ ایسا کہ ذہن ساکت تھا
جو میرا عالمِ وحشت تھا مجھ سے ثابت تھا
دل و دماغ تھے گُم سُم، وجود تھا پتھر
بتاؤں کیا کہ جو طوفان تھا مرے اندر
شکست و ریخت کا اِک سلسلہ سا جاری تھا
ہر ایک لمحہ، دلِ مضطرب پہ بھاری تھا
بس اِک خیال' جو رہ رہ کے آئے جاتا تھا
دلِ شکستہ کی ڈھارس بندھائے جاتا تھا
حکومتیں نہ ہوں اپنی، وطن تو اپنا ہے
شجر حجر ہوں پرائے، چمن تو اپنا ہے

O

میں شعر کہتا تھا کیسے، وہ سب ہی جانتے ہیں
جو دل میں آگ تھی میرے، وہ سب ہی جانتے ہیں

O

یہ آگ جب بھڑک اٹھے تو انقلاب بنے
دبی رہے جو دلوں میں تو اضطراب بنے
یہ آگ راکھ میں ہو تو شرارہ ہوتی ہے
یہ آگ برف میں بھی 'برق پارہ' ہوتی ہے
یہ آگ خون میں ہو تو بلند بانگ اظہار
یہ آگ ذہن میں جاگے تو زیرِ لب گفتار
یہ آگ نثر میں تاریخ، شعر میں اِک خواب
یہ آگ نظم میں، ایک عہدِ نو کا پیچ و تاب
یہ آگ گیت میں نشہ، غزل میں ایک ترنگ
یہ آگ رنگ میں تصویر، ساز میں آہنگ
یہ آگ میرؔ کے اشعار میں دیے کی لَو
یہی نظیرؔ میں، غالبؔ میں روشنی کی رَو
یہ آگ حالیؔ و اکبرؔ میں وقت کا پَرتَو
یہ آگ 'شاعرِ مشرق' میں آفتاب کی ضَو
یہ آگ جوشؔ میں پرجوش، فیضؔ میں گلزار
یہ آگ 'اہلِ قلم' میں نفس نفس بیدار

ہر اِک زباں کے ادب کے خمیر میں روشن
ہر ایک شاعرِ زندہ ضمیر میں روشن

O

یہ آگ سب میں تھی روشن تو روشنی تھی کہاں؟
ہمارے شعر و ادب میں دہک رہی تھی کہاں؟

O

وہ زندگی جو قیامت گزار آئی تھی
جو ایک دور کو لمحوں پہ وار آئی تھی
وہ لمحے، خون کے پیاسے، درندہ خو لمحے
سیہ ضمیر، سیہ دل، سیاہ رُو لمحے
وہ لمحے، بن گئے تاریخ اور ہم چپ تھے
زباں تو خیر زباں تھی مگر قلم چپ تھے

O

یہ کوئی 'راز' تھا یا بے حسی ہماری تھی
کہ اپنی 'خاص سیاست' کی پاسداری تھی

تھی مجرمانہ خموشی کہ مصلحت کوئی
کہ یہ 'جدید ادب' کی تھی 'رمزیت' کوئی
'جدیدیت' کا تقاضا ہے پردہ داری بھی
علامتوں ہی میں ہو، واقعہ نگاری بھی
کچھ اس طرح سے کہ حیراں ہو استعارہ تک
کنائے میں بھی نمایاں نہ ہو 'اشارہ' تک
خبر نہ ہو کہ یہ اپنی کوئی حقیقت ہے
ہمارے اپنے 'نظریے کا وقتِ رخصت' ہے
ادب ہو ایسا تو 'ہم بے ادب' کہاں سمجھیں
'جدیدیت' ہی کے کچھ 'خاص نکتہ داں' سمجھیں

O

میں سوچتا تھا، کسی نے تو کچھ لکھا ہو گا
کہیں تو جھوٹ کو سچ سے الگ کیا ہو گا
بلا سے اس کو نہ مانیں 'ادب' ہمارے لوگ
کبھی تو آئینہ دیکھیں گے 'سچ' کے مارے لوگ
کبھی تو اپنے لہو کا حساب مانگیں گے
خدا سے 'شاعرِ مشرق کا خواب' مانگیں گے

نظریے۔'دوقومی نظریے' کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ 'بنگلہ دیش' بننے کے بعد باقی نہیں رہا۔ یہ بحث کئی اخبار ورسائل میں بھی جاری رہی

۳۸

جو **فلم** میں نے بنائی تھی، کامیاب ہوئی
وہ میرے حق میں نئی زندگی کا باب ہوئی
ہر **ایک نغمہ** تھا اُس کا عوام میں مقبول
کئی **ایوارڈ** بھی اِس فلم نے کئے تھے وصول
میں فلمساز تو اِک نیک نام بن ہی گیا
اور اس قبیلے میں میرا مقام بن ہی گیا
تھا میرے سامنے یوں تو وسیع تر میدان
مگر ملا تھا مجھے مختصر سا پاکستان
اِسی میں ساری تجارت کا تانا بانا تھا
اِسی میں اپنے مقدر کو آزمانا تھا
سو میں نے ایک نئی فلم کی بنا ڈالی
مگر ملے مجھے اِس بار لوگ کچھ **جعلی**
انہوں نے مجھ کو بنایا خود اپنا آلۂ کار
کہ میرا نام ہو اور ان کے ہاتھ میں بازار

فلم۔بحیثیت فلمساز ونغمہ نگار میری پہلی فلم 'لوری' نے گولڈن جوبلی منائی تھی۔ **ایک نغمہ**۔'لوری' کے نغمات مثلاً (۱) چندا کے ہنڈولے میں (۲) خداوندا! یہ کیسی آگ سی جلتی ہے سینے میں (۳) تالی بجے (۴) ہوا نے چپکے سے کہ دیا کیا، کہ پھول لہرا کے ہنس پڑے ہیں سپرہٹ تھے۔ **ایوارڈ**۔'لوری' کو کئی ایوارڈ ملے، بحیثیت 'بہترین مکالمہ نویس' نگار ایوارڈ حضرت احمد ندیم قاسمی کو پیش کیا گیا تھا۔ **جعلی**۔صوتی قافیہ۔

میں اُن کا ساتھ نبھاتا رہا مگر کچھ دن
یہ اشتراک، مسلسل نہ ہو سکا ممکن
میں اُن کی راہ پہ کچھ دور چل کے لوٹ آیا
اور اپنے ہاتھ لٹا بیٹھا اپنا سرمایہ
ملا تھا جو مجھے 'لوری' کی کامیابی سے
وہ ختم ہو گیا آخر بڑی شتابی سے

O

اب ایک نام کی تھی ساکھ اور کچھ بھی نہ تھا
مرے الاؤ میں تھی راکھ اور کچھ بھی نہ تھا

O

مگر یہ ساکھ ہی ہوتی ہے کاروبار کی جان
سبھی سمجھتے تھے مجھ کو کوئی 'بڑا' انسان
میں نامور بھی تھا اور کچھ نصیب والا بھی
تھا میرے ساتھ مرے سندھ کا 'حوالہ' بھی

بڑا۔ ہمارے ملک اور معاشرے میں 'دولت مند' کو بڑا انسان سمجھا جاتا ہے۔ **حوالہ**۔ صوتی قافیہ۔

تو ایک دوست ملے، سندھ ہی کے شیدائی
وہ میرے ساتھ تھے، اِک فلم کی تمنائی
انہیں بہت ہی پسند آئی تھی مری 'لوری'
وہ چاہتے تھے، بناؤں میں 'سندھ کی گوری'
کہانی سندھ کے ماحول میں ہو کچھ ایسی
ملے جلے نظر آئیں مہاجر و سندھی
یہ فلم سندھ میں ہلچل مچانے والی ہو
عوام کو بھی ذرا سا جگانے والی ہو
یہ سندھ و ہند کی تہذیب کی بنے شہکار
اور اپنی فلم کا میں خود بنوں ہدایت کار
میں چاہتا بھی یہی تھا، اِک ایسی فلم بناؤں
چلوں 'موئن جودڑو' سے کراچی تک آ جاؤں

O

ہمارے لوگ تھے مشہور چربہ سازی میں
تھے پیش پیش بہت 'انڈیا نوازی' میں

فقط لباس، فقط نام ہی بدلتے تھے
ہماری فلموں میں سب 'انڈین' ہی چلتے تھے
کہانی ہو کہ وہ نغمات، ایک ہوتے تھے
کہیں کے لوگ ہوں، حالات ایک ہوتے تھے
مجھے بھی دی مرے ساتھی نے کچھ یہی ترغیب
اُسے یقیں تھا کہ ہم سب کے جاگ اٹھیں گے نصیب
وہاں ہے مسلم و ہندو کا مسئلہ درپیش
یہاں مہاجر و سندھی کا مرحلہ درپیش
بدل کے نام نیا روپ دے دیا جائے
بس اپنے سندھ کا بہروپ دے دیا جائے
وہاں بھجن، یہاں قوالیوں سے کام چلائیں
ہم اپنی فلم 'قلندر' کا لے کے نام چلائیں
میں سوچتا رہا، کس طرح اس کو سمجھاؤں
میں کس طرح سے اسے راہِ راست پر لاؤں
وہ مالدار وڈیرا تھا، میرے پاس تھا کیا
بس ایک نام کا 'شہرہ' تھا، میرے پاس تھا کیا

قلندر۔ سہون شریف کے صوفی بزرگ حضرت لعل شہباز قلندرؒ۔ **شہرہ**۔ صوتی قافیہ۔

بڑے قرینے سے میں نے کہا، یہ ٹھیک نہیں
جو اپنا حق ہے، وہ لیں گے مگر یہ بھیک نہیں
ہیں آپ 'شاہ' میں 'سیّد' ہوں اور ہم دونوں
بہت بڑے ہیں، کسی سے نہیں ہیں کم دونوں
ہمارا سلسلہ مولا علیؓ سے ملتا ہے
خدا کے 'گھر' سے، خدا کے ولی سے ملتا ہے
یہ سندھ کیا ہے، یہ تاریخ کا ہے 'نقشِ قدیم'
دیارِ پاک میں، ہندوستاں کا 'برِعظیم'
یہیں سے بھارت و ایران تک گئی تہذیب
یہیں سے ترکی و یونان تک گئی تہذیب
سبھی نے ہم سے لیا، ہم کسی سے کیا لیں گے
نئی صدی کو نیا انقلاب، ہم دیں گے
ہے میرے پاس کہانی، اِک انقلابی سی
دن آفتابی سے اور رات ماہتابی سی
اور اس میں 'سندھ کی گوری' ہے 'ماروی' جیسی
قدیم سندھ کی معصوم زندگی جیسی

سیّد۔ سندھ میں سیّد کو شاہ کہتے ہیں۔ **گھر**۔ حضرت علی کی ولادت کعبہ میں ہوئی تھی۔ اس نسبت سے انہیں مولود کعبہ کہا جاتا ہے۔
ماروی۔ سندھ کی لوک کہانی 'عمر ماروی' کا مرکزی کردار۔

مری کہانی میں 'دو ناولوں' کا ہے پَر تَو
ہماری دھرتی پہ جس طرح مہر و ماہ کی ضو
عظیم بیگ کا ناول ہے ایک 'کمزوری'
انہیں کا اور ہے اِک شاہکار 'شہزوری'
ہیں لکھنؤ کے گھروں کی کہانیاں دونوں
مگر عجیب سی ہیں ان میں لڑکیاں دونوں
ہے ان میں ایک تو جوہی کی طرح شرمیلی
جو دوسری ہے، وہ بے حد ہے شوخ، بھڑکیلی
انہیں کو سندھ میں لا کر بسا دیا میں نے
اور ان کو 'ایک کہانی' بنا دیا میں نے

O

وہ سندھ کے ہوں وڈیرے کہ لکھنؤ کے نواب
سبھی کی زیست کے ہوتے ہیں ایک سے آداب
کنیز ہو کہ وہ ہاری، غریب کی بیٹی
وہ ماروی ہو کہ 'سسّی' نصیب کی ہیٹی

عظیم۔ مرزا عظیم بیگ چغتائی۔ **سسّی**۔ سندھ کی لوک کہانی کا کردار۔

وہ بن کے **سوہنی** 'کچے گھڑے' پہ ہو کے سوار
مری کہانی میں کر جائے گی 'چناب' کو پار
یہ لڑکی ہو گی کراچی کی' شوخ اور طرّار
کہ جیسے ہو مرے پنجاب کی کوئی مٹیار
دکھائی دے گا بہت اس میں وقت کا اعجاز
نئے زمانے کے علم و شعور کا انداز
وہ ماروی کو خبردار کرتی جائے گی
اور اُس کی ذات کو تلوار کرتی جائے گی
تو ماروی بھی جب آئینہ اپنا دیکھے گی
'عمر' کی قید میں بھی ایک سپنا دیکھے گی
وہ سپنا جس کی ہے تعبیر، انقلابِ عوام
وہ سپنا جس کی ہے تقدیر، انقلابِ عوام
وہ انقلاب، جو 'ہاری' کے گھر سے نکلے گا
کسی 'موئن جودڑو' کے کھنڈر سے نکلے گا

سوہنی۔ پنجاب کی لوب کی لوک کہانی کا ایک کردار۔ **میری کہانی**۔ میری فلم 'گڑیا' میں کراچی کے ماحول کے ساتھ سبھی علاقوں کے کردار تھے۔ **عمر**۔ سندھ کی لوک کہانی 'عمر ماروی' کا مرکزی کردار 'عمر' جس نے ماروی کو اغوا کر کے اپنے محل میں قید کر رکھا تھا۔

O

دکھائی دینے لگا جب سے **انڈین ٹی وی**
تو اس میں فلم بھی آئی نظر، نئی سے نئی
جدھر بھی دیکھیں، ادھر تھا **دلیپ و راج** کا نام
رفیع اور **لتا** کا دلوں میں تھا بسرام
ہماری فلمیں تھیں، بھارت کی 'کاربن کاپی'
وہاں تھا 'کفر' یہاں صرف 'نام اسلامی'

O

عوام اپنی ہی فلموں سے دور ہونے لگے
جو فلمساز تھے، اپنا وقار کھونے لگے
فلاپ ہونے لگیں جب ہماری سب فلمیں
تو سوچنے لگے، کیسی بنائیں اب فلمیں!
جو لوگ عقل کے اندھے ہوں، گانٹھ کے پورے
وہ یوں ہیں جیسے اناڑی کے ہاتھ طنبورے

انڈین ٹی وی۔ 'بنگلہ دیش' بننے کے بعد امرتسر ٹی وی سے انڈین فلمیں دکھائی جانے لگیں۔ یہ ٹی وی لاہور میں صاف دیکھا جا سکتا ہے (اس وقت تک کلر ٹی وی نہیں آیا تھا) کراچی سے بھی لوگ لاہور جا کر انڈیا کی مشہور فلمیں دیکھنے لگے۔ صورتحال یہ تھی کہ جس رات فلم دکھائی جاتی، لاہور کے بیشتر سینما بند ہو جاتے تھے۔ **دلیپ وراج**۔ دلیپ کمار اور راج کپور۔ **رفیع اور لتا**۔ محمد رفیع اور لتا منگیشکر۔ 'ان گلوکاروں کے نغمے گھر گھر بجتے ہیں'۔

علاج اِس کا نکلا 'گرینجر فلمیں'
بڑے بجٹ کی، بڑی کاسٹ کی، کلر فلمیں
عجیب لوگ تھے، چادر نہ پاؤں کی سوچیں
ببول سامنے اور ٹھنڈی چھاؤں کی سوچیں
اِدھر یہ **ملک** ذرا سا، اُدھر یہ عیاشی
ہر ایک فلم سے جھلکے ہماری اوباشی
یہ فلمیں مہنگی تھیں اتنی کہ جب فلاپ ہوئیں
فنا کے باب میں اپنا جواب، آپ ہوئیں

O

میں اپنی فلم کو وہ **رنگ روپ** دے نہ سکا
سراب سامنے تھا، اپنی ناؤ کھے نہ سکا
بنا سکا نہ میں 'گڑیا' کو کاروباری فلم
ریلیز ہو نہ سکی آخرش، ہماری فلم

رنگ روپ۔ بحیثیت فلسار نغمہ نگار و ہدایت کار فلم 'گڑیا' (ملک کے چھوٹا ہو جانے کے سبب) 'بلیک اینڈ وہائٹ' بنائی گئی تھی۔ خیال تھا کہ سبھی یہ روش اختیار کریں گے مگر اس کے برعکس ساری فلمیں رنگین بننے لگیں اور 'گڑیا' کے ڈسٹری بیوٹرز کو سینما نہ مل سکا اور وہ دہلیز نہ ہو سکی حالانکہ اس کے دو گانے ہٹ ہو چکے تھے۔ (۱) سو جا میری گڑیا تو کیوں ٹک ٹک جاگے (نور جہاں) (۲) زیست مشکل ہے اسے اور بھی مشکل نہ بنا (مہدی حسن) اس فلم کی موسیقی سہیل رعنا نے دی تھی جو مشہور شاعر حضرت رعنا اکبر آبادی کے فرزند ہیں۔

۳۹

ہمارے پاس رہا کیا تھا، نصف پاکستان
مگر ہماری تھی پہچان، صرف پاکستان
'جناب' بھٹو کہ ناظم تھے مارشل لاء کے
مگر بفضل خدا 'قائدِ عوام' بھی تھے
بڑے ہی فخر سے موصوف نے کیا اعلان
کہ ہم بنائیں گے اب اِک نیا ہی پاکستان
ہمیشہ ہو گی **سیاست** ہماری 'جمہوری'
جو 'اشتراکی' معیشت تو زیست 'اسلامی'

O

وہ قوم جس نے اٹھائے ہوں ناز، **شاہی** کے
جسے خبر ہی نہ ہو، کیا تھے راز' شاہی کے
وہ جس نے عہدِ غلامی میں تربیت پائی
فرنگیوں کی حکومت میں منزلت پائی

جناب۔ذوالفقارعلی بھٹو'پہلے'سویلین مارشل لاْ ایڈمنسٹریٹر تھے،جنہیں قائدعوام بھی کہاجاتا ہے۔**سیاست**۔بھٹوصاحب کانعرہ تھا 'جمہوریت ہماری سیاست،اشتراکیت ہماری معیشت،مذہب ہمارااسلام،اورطاقت کاسرچشمہ عوام ہیں'اوریوں'اسلامی سوشلزم' کی اصطلاح وجودمیں لائی گئی۔**شاہی**۔ہندوستان پرسات سوسال تک مختلف 'مسلم بادشاہوں' کی حکومت رہی۔

جو قوم 'خان بہادر' کی 'سر' کی ماری تھی
نواب اور وڈیروں کی، زر کی ماری تھی
اُنہیں میں کوئی اٹھے اور کرے عوام کی بات
نئے زمانے کی اور اِک نئے نظام کی بات
تو قوم کیوں نہ اسے اپنا رہنما مانے
اور اپنی ڈوبتی کشتی کا ناخدا مانے
اُسی نے اہلِ وطن کو دیا نیا **دستور**
برائے نام سہی، جاگ تو اٹھے جمہور
کلرک ہوں کہ وہ مزدور ہوں کہ دہقاں ہوں
بتانِ جہل کے مارے غریب انساں ہوں
کسی نے **ماؤ** کسی نے 'مسیح' تک سمجھا
مگر کسی نے اُسے **چیانگ کائی شک** سمجھا
وہ کیا تھا اور حقیقت میں کیا نہیں تھا وہ
اِک آدمی تھا، کوئی دیوتا نہیں تھا وہ

خان بہادر۔انگریزحکومت کے خطابات جوکسی خصوصیت کی بناپرمختلف شخصیتوں کودیے جاتے تھے،جن مشہوراہل قلم اوردوسرےلوگوں کو خطابات سے نوازا گیا، ان میں سے چند یہ ہیں سرسید احمد خان ، سرمحمد اقبال، سرراس مسعود(قانون دان) خان بہادر ابوالاثر حفیظ جالندھری اور سرشاہنواز بھٹو وغیرہ 'نواب' عموماً جاگیرداروں اور ریاستوں کے سربراہوں کو کہا جاتا ہے۔**دستور**۔۱۲/اپریل ۱۹۷۳ءکو موجودہ دستورنافذکیا گیا۔**ماؤ**۔ماؤزےتنگ۔**چیانگ کائی شک**۔غلام چین کا آخری حکمران جوانگریز کے سہارے اپنی حکومت چلاتا رہا اورعوامی انقلاب کی راہ روکے رہا۔**ہزار**۔۲۸/اگست ۱۹۷۳ءکے 'معاہدہ دہلی' کے تحت ہمارے 'ترانوے ہزارفوجی' ہندوستان کی قید سے رہاہوئے۔

چھڑائے اس نے 'ترانوے ہزار فوجی' بھی
بنے ہوئے تھے جو ہندوستان کے قیدی
اسی کے دور میں **اسلامی** کانفرنس ہوئی
سبھی نے کر لیا تسلیم 'بنگلہ دیش' کو بھی
اُسی زمانے میں **شملہ معاہدہ** بھی ہوا
لگا کہ مسئلہ کشمیر کا 'سلجھ' ہی گیا
مگر وطن کے مسائل تھے اتنے پیچیدہ
کہ بن گئی تھی ہر اِک فکر، فکرِ ژولیدہ
محرّکات کو ان کے کوئی سمجھ نہ سکا
معاملہ کوئی بھٹو سے بھی سلجھ نہ سکا

O

عوام جاگے تو اِک سوچ بھی ہوئی بیدار
جو دل میں ایک گھٹن تھی، وہ بن گئی للکار
جو بچّے، ماؤں کی لوری سے جانتے احوال
اور اپنی دھرتی کا چپ چاپ دیکھتے تھے حال

اسلامی۔۲۲ر فروری ۱۹۷۴ء کو لاہور میں 'اسلامی سربراہی کانفرنس' منعقد ہوئی جس میں ۳۷ مسلم ملکوں کے سربراہ شریک ہوئے۔ 'بابائے بنگلا دیش' مجیب الرحمٰن کو بھی مدعو کیا گیا اور بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا گیا۔ **شملہ معاہدہ**۔۳ر جولائی ۱۹۷۲ء کو 'شملہ معاہدہ' ہوا تھا جس میں وزیر اعظم ہند اندرا گاندھی اور صدر ذوالفقار علی بھٹو کے علاوہ 'بے بی' بے نظیر بھٹو نے شرکت کی تھی۔

وہ سوچتے کہ کہاں ہے وہ خطّہ، وہ تہذیب
دیارِ پاک میں کس جرم کی ہے یہ تادیب
زبان ہے، نہ وہ تاریخ ہے، نہ وہ پہچان
بنا تھا جیسا، یہ ویسا نہیں ہے پاکستان
جو نقش مٹ گئے، کیا 'کفر' کی نشانی تھے؟
بزرگ سارے حقیقت نہ تھے، کہانی تھے؟
بنا ہوا تھا جو پندرہ برس سے 'ون یونٹ'
جو لوٹ مار کا تھا گویا 'آئینی پرمٹ'
بنامِ وحدتِ قومی، نیا سیاسی جال
سبھی نے دیکھ لیا آخر اِس میں اپنا مآل
بظاہر 'ایک' مگر اندروں تھے 'سیکڑوں' ہم
بکھر گئے تھے کچھ ایسے کہ ہو سکے نہ بہم
حقیقتاً وہ امانت میں اِک خیانت تھی
کہ چار صوبوں کی وحدت نہیں، تجارت تھی

O

پرانے 'صوبوں کا جغرافیہ' بحال ہوا
تو دل میں تازہ ہر اِک زخمِ ماہ و سال ہوا

زبان ہو کہ وہ تہذیب، سب کو پیاری ہے
ہماری جو بھی ہے تاریخ 'ماں' ہماری ہے
اُسی کی گود میں پھولے پھلے جوان ہوئے
زمیں پہ رہتے ہوئے بھی' ہم آسمان ہوئے
یہی عقیدہ تھا اور ہے تمام لوگوں کا
خواص کا ہو یہ ایماں کہ عام لوگوں کا
مصوری ہو کہ موسیقی، شاعری ہو کہ رقص
ہر آئینے میں جھلکتا ہے اپنی روح کا عکس
اگر ہمیں فنِ تاریخ کا شعور نہیں
ہمارا اپنا بھی انجام ہم سے دور نہیں

O

زباں نے مانگا 'جب' اپنی زمیں سے اپنا حق
ہوئے کراچی میں کچھ لوگ کیوں خفا ناحق
'زباں' تو ہوتی ہے، ماؤں کے دودھ کے مانند
رگوں میں ہوتی ہے، خوں کی نمود کے مانند

جب۔۷/جولائی ۱۹۷۲ء کو سندھ اسمبلی میں سندھی کو صوبے کی سرکاری زبان بنانے کا بل منظور کیا گیا۔ زباں۔ (یہ قسط نمبر ۲۹ کے کچھ اشعار ہیں)

زبان ہوتی ہے، خواب و خیال کا پَر تَو
زباں میں ہوتی ہے روشن، نگاہ و فکر کی ضو
زباں وسیلہ ہے، تاریخ آشنائی کا
زباں دریچہ ہے، تہذیب تک رسائی کا
زباں امین ہے، روح و بدن کے رشتوں کی
زباں امین ہے، قوم و وطن کے رشتوں کی
زباں کسی کی ہو، جاں سے عزیز ہوتی ہے
زبان، دونوں جہاں سے عزیز ہوتی ہے
جو ہوتی سندھ میں سندھی زبان سرکاری
تو اُس کا فیض بھی ہوتا عوام میں جاری
جو ہم بھی سیکھتے سندھی تو ہرج ہی کیا تھا
زباں تو دل میں اترنے کا اِک وسیلہ تھا
یہاں کے لوگ تو 'اردو زباں' بھی جانتے ہیں
اور اِس زبان کو 'قومی زباں' بھی مانتے ہیں
یہ بات پہلے بھی میں نے کہی تھی' کیجئے یاد
یہی ہے ساری خرابی کی اوّلیں بنیاد
جو دو زبانیں چلیں ساتھ، لے کے ہاتھ میں ہاتھ
تو سوچئے کہ ملے کتنے مسئلوں سے نجات

ہو ایسا پیار تو نفرت کہاں سے در آئے
کسی کو موت کی پرچھائیں کیوں نظر آئے
غلط کہا گیا 'اردو کا یہ جنازہ' ہے
زباں سچل کی ہے، یہ نغمہ **'درازا'** ہے
فرید و سچل، مہمند و فیض ہو کہ **ایاز**
دیارِ پاک میں 'اردو' کا سلسلہ ہے دراز

O

جہاں میں کتنی ہیں ایسی مثالیں، سوچو تو
پڑوسیوں ہی کو، ٹُک اِک نگاہ دیکھو تو
سبھی زبانیں ہیں زندہ اور ایک 'قومی' بھی
'دہائیوں' سے نمایاں ہوئی 'اکائی' بھی
ہماری 'قومی زباں' گر نہیں ہے 'سرکاری'
تو اِس میں اہلِ سیاست کی ہے 'ہنر کاری'

غلط۔ کراچی میں لسانی فسادات کے دوران رئیس امروہوی کی ایک نظم 'اردو کا جنازہ' کا بہت چرچا رہا، جس میں ایک پرانے شاعر کا مصرع 'عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے' کو ایک لفظ کی تبدیلی کے ساتھ پیش کیا گیا تھا (یہ نظم سب سے پہلے ہفتہ وار 'شیراز' میں چھپی تھی پھر 'الحمرا' میں فروری ۱۹۵۶ء میں، پھر ۱۹۷۳ء روزنامہ 'جنگ' میں سندھ اسمبلی میں لسانی بل کی منظوری کے بعد شائع ہوئی) **درازا**۔ سچل سرمست کا گاؤں جو خیر پور کے قریب ہے **فرید**۔ شیخ فرید شکر گنج (پاک پٹن ملتان) آپ سے کچھ اردو اشعار بھی منسوب ہیں **سچل** سرمست (شاعرِ ہفت زبان) **مہمند**۔ معزز اللہ خاں مہمند (پشتو شاعر ولی کے ہم عصر) ان کی سات اردو غزلیں دریافت ہوئیں **فیض** احمد فیض نے اردو کے ساتھ پنجابی میں بھی شاعری کی **ایاز**۔ شیخ ایاز (پہلا مجموعہ کلام اردو میں تھا۔ 'بوئے گل نالہ ءدل') **پڑوسیوں**۔ ہندوستان کے ہر صوبے میں وہاں کی صوبائی زبان 'سرکاری زبان' ہے۔ قومی زبان 'ہندی' انگریزی کے ساتھ سارے بھارت کی 'سرکاری زبان' ہے۔

یہ سوچئے کہ پسِ پردہ کون حائل ہے
منافقت کی طرف کس کا ذہن مائل ہے
ہمارے **'سانولے انگریز'** ہیں کہ 'پاکی' ہیں
کہ اپنے گھوڑوں پہ پاؤں جمائے **'جاکی'** ہیں
یہ لوگ کس لیے اردو سے دور بھاگتے ہیں
چمن میں رہتے ہیں، خوشبو سے دور بھاگتے ہیں
انہیں یہ ڈر ہے کہ اردو عوام کی ہے زباں
اور اس کا رابطہ ہر 'قومیت' سے ہے یکساں
یہ رابطہ کسی 'وحدت' میں ڈھل نہ جائے کہیں
یہ میل جول 'محبت' میں ڈھل نہ جائے کہیں

O

لڑاؤ اور حکومت کرو --- بنامِ وطن
یہی رہا ہے ہمیشہ سے حاکموں کا چلن

O

پڑی ہے جب سے لسانی فساد کی بنیاد
ہے 'مرکزِ شہدا' یہ **لیاقت آباد**

سانولے انگریز۔ بیوروکریٹ۔ **جاکی**۔ ریس کورس کے 'گھوڑ سوار'۔ **لیاقت آباد**۔ سابق 'لالوکھیت' (فسادات کے سلسلے میں کراچی کے بعض محلے بہت مشہور ہیں ان میں 'لیاقت آباد' سرفہرست ہے)

درونِ سندھ بھی نفرت کا زہر پھیل گیا
یہ اِک زباں سے چلا، شہر شہر پھیل گیا
گزر رہی تھی جو دل پر کسی سے کیا کہتے
جو 'حریت' میں چھپی تھی، وہ نظم پڑھ لیجئے

پس دیوارِ حرف

کس کو قاتل کہوں، کس کو بسمل کہوں
یہ مرا دوست ہے وہ مرا بھائی ہے
اپنی تاریخ سے گر اِسے پیار ہے
اپنی تہذیب کا وہ بھی شیدائی ہے
بے زبانی کا ہے یہ بھی مارا ہوا
وہ بھی اپنی زباں کا تمنائی ہے

میں کہ دونوں ہی میرے لیے جان و دل
میری نظروں میں دونوں ہی معصوم ہیں

نظم 'لسانی فسادات' میری یہ نظم ۱۷ اگست ۱۹۷۲ء کو روزنامہ 'حریت' کے فرنٹ پیج پر اس طرح شائع کی گئی تھی کہ پورے صفحے کے حاشیوں پر کٹی پھٹی لاشوں، جلتے مکانوں، کاروں اور بسوں کی تصاویر تھیں اور بیچ میں یہ نظم 'پس دیوار حرف'۔ یہ نظم 'مٹی کا قرض' میں بھی شامل ہے۔

وقت کا جبر کہئے کہ تاریخ کا
وہ بھی مظلوم تھے، یہ بھی مظلوم ہیں
وہ کہ اُن کے سروں پر ہے 'مٹی کا قرض'
یہ زمیں کی رفاقت سے محروم ہیں

آسماں لاکھ سر پر ہو سایہ فگن
زندگی ماسوائے زمیں، کچھ نہیں
گر یقیں ہو تو ہر اِک تصّور حسیں
اور گماں ہو تو دنیا و دیں، کچھ نہیں
جس کا ماضی نہ ہو اُس کا فردا ہی کیا
دور تک اِک خلا ہے، کہیں کچھ نہیں

ایسے عالم میں درکِ حقیقت ہو کیا
فکر گنجلک، نظر تنگ، دل بدگماں
حرفِ حق، ایک پیرایۂ مکر و فن
مصلحت، معنی و لفظ کے درمیاں
عکس در عکس، افسون آئینہ ساز
شکل در شکل، بہروپیے مہرباں

کون جانے پسِ آئینہ کون تھا
کون سوچے کہ پیشِ نظر کون ہے
روپ بہروپ میں ربطِ پنہاں ہے کیا
دستِ پُرکار سے باخبر کون ہے
شیشہ و سنگ میں عہد و پیماں ہیں کیا
سنگ زن کون ہے، شیشہ گر کون ہے

سوچتا ہوں تو چپ چاپ روتا ہوں میں
خود فریبی نے پہنچا دیا ہے کہاں
کعبۂ فکر ہیں صرف لفظوں کے بُت
آنکھ اوجھل، معانی کی پہنائیاں
گرد کی طرح بکھرا ہوا فرد فرد
بادلوں کی طرح بے جہت کارواں

خواب میں طئے ہوا زندگی کا سفر
خواب ہی جلے، منزلوں کے چراغ
خواب ہی میں ہوا، وہمِ تعبیرِ خواب
خواب ہی میں فروزاں ہوئے دل کے داغ

خواب در خواب، بے خوابیِ چشمِ وا
خواب ٹوٹے تو ہاتھ آئے اپنا سراغ

آج وا ہو گئے زخمِ لب تو کھلا
سینہ در سینہ، ہر زخم ناسُور تھا
بادۂ ناب کا تو فقط نام تھا
ہر بدن نشۂ زہر سے چُور تھا
قرب کے ہر تصور میں تھے فاصلے
آدمی آدمی سے بہت دُور تھا

اب کہ دامانِ یوسف کے ہر چاک سے
آئینہ ہو گیا ہر فریبِ کہن
ضربتِ تیشہ کی زد پہ ہے بے ستوں
رُوبرو آ گئے، خسرو و کوہکن
'بوذری' اپنی منزل ہے یا زرگری
فیصلہ چاہتی ہے زمین وطن

۴۰

یہ نظم بھی ہے اسی دور کی پرانی نظم
ہماری آپ کی کرتی ہے ترجمانی نظم
گراں نہ ہو تو اسے بھی دوبارہ پڑھ لیجئے
کچھ اختلاف بھی ہو تو **'خدارا'** پڑھ لیجئے

پرانے سلسلے، نئے رابطے
(شیخ ایاز کے نام)

عمر ہو جام تماچی ہو یا چنیسر ہو
تمہارا کوئی بھی ہو نام، کوئی مذہب ہو
تمہاری خاک سے میں ہوں، مرے لہو میں ہو تم
مرے خدا کی زمیں کا وقار، تم سب ہو

وہ **'ماروی'** ہو کہ نوری، سسی ہو یا لیلاں
ہر ایک پیار بھرا دل، مری زمیں کا جمال

پرانے سلسلے۔ یہ نظم محترم سبط حسن کے رسالے 'پاکستانی ادب' (کراچی) کے شمارہ جولائی ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی تھی اور میرے مجموعۂ کلام 'ہارون کی آواز' میں شامل ہے۔ اس کتاب پر مجھے 'اکادمی ادبیات پاکستان' کا سب سے بڑا ادبی انعام 'علامہ ڈاکٹر محمد اقبال ایوارڈ' بھی عطا کیا گیا تھا۔ **خدارا**۔ صوتی قافیہ۔ **ماروی**۔ سندھ کی لوک کہانیوں کے کردار عمر ماروی، نوری جام تماچی، لیلاں چنیسر اور ان کے علاوہ سسی ہنوں، سورٹھ رائے ڈیاچ، بیجل اور مومل رانو بھی شامل ہیں جو 'جو محبت کی علامت' کے طور پر مشہور ہیں (ان سب کہانیوں کی میں نے منظوم اور نثری ڈرامائی تشکیل بھی کی تھی)

کراچی تا بہ موئن جودڑو، مری تاریخ
ہر اِک فسانہ، مری داستان ہجر و وصال

میں اپنی چاہ میں 'رانو'، وفا میں 'رائے ڈیاچ'
مرا سکون ہے 'سورٹھ'، مرا جنوں، 'بیجل'
مرے وجود میں 'شہباز'، روح میں 'سرمد'
مرا دماغ 'لطیفی' تو میرا دل 'سچّل'

مرا بدن مری دھرتی ہے جس کے دامن میں
بچھے ہوئے ہیں یہ دریا، مری رگوں کی طرح
یہ ریگزار ہے، میرا ہی ریزہ ریزہ جسد
مرے درخت ہیں سب میرے بازوؤں کی طرح

میں ابر بن کے اڑا تو مرے سمندر نے
مری ہواؤں کا جھولا بنا دیا مجھ کو
کیا گُریز زمیں سے تو بے زمینی نے
وہ گردشیں دیں، بگولا بنا دیا مجھ کو

میں گرد گرد کہیں تھا تو آب آب کہیں
سمیٹتا رہا پھر بھی زمیں کا چاک مجھے
دکھا کے مجھ کو مرا ظرف، کوزہ گر کی طرح
مرے حدود میں لے آئی میری خاک مجھے

مرا سفر، مری تاریخ کا ہے آئینہ
وہ آئینہ جو شکستہ بھی ہے، سلامت بھی
کسی کو اس میں نظر آئے کیا مرا پَرتَو
کہ میں بھی جس میں ہوں کچھ اور، میری صورت بھی

یہ چہرہ، جس کا ابھی کوئی نام ہے نہ نسب
یہ چہرہ میرا ہے، لیکن ہے یہ تمہارا بھی
وہ رابطہ کہ جو تاریخ میں ہے دفن کہیں
ہماری 'ہم نسبی' کا ہے استعارہ بھی

تمہارے ورثۂ اجداد کو خدا رکھے
مجھے بھی پیار مرے 'شہرِ ہستِ و بود' سے ہے

مری زمیں ہے مری ماں، میں 'ابنِ مریم' ہوں
تمہارا خوں سے ہے رشتہ تو میرا دودھ سے ہے

O

جناب بھٹو، بڑے 'قائد عوام' سہی
خواص میں بھی بہت ان کا احترام سہی
تھے عقلمند بھی، لیکن نہیں تھے دوراندیش
خوشامدی تھے بہت جمع، ان کے گرد و پیش
جُھکا جُھکا ہو، مودّب ہو آدمی جتنا
سیاہ ہوتا ہے اندر سے اُس کا دل کتنا
اُنہیں خبر نہ تھی، وہ اعتبار کر بیٹھے
حریفِ جاں کو بھی گردن کا ہار کر بیٹھے
اگرچہ خوب سیاست کے پیچ جانتے تھے
سوائے اپنے سبھی کو وہ ہیچ جانتے تھے
جو سوچتے، وہی آخر کو فیصلہ کرتے
(اگرچہ ہنستے ہوئے سب کی سن لیا کرتے)
مگر تھے اُن کی نگاہوں میں سب ہی بَونے سے
جو گرد و پیش تھے، مٹی کے تھے کھلونے سے

جو اور **لوگ** تھے، آلو تھے یا ٹماٹر تھے
کوئی تھا پگ، کوئی ٹوپی، تو کچھ مجاور تھے
وہ **مولوی** ہو کہ سیّد، ولی ہو یا کوئی خان
ہو کوئی پیر کہ سردار یا سیاستدان
سبھی کا وزن تھا معلوم، کیا تھے قامت و قد
جنابِ بھٹو کو ازبر تھا، اُن کا کُل 'ابجد'
نظر میں پھر کوئی 'عالی مقام' کیا جچتا
کوئی ہو، اُن کے نشانے سے شاذ ہی بچتا

O

وہ اپنے دیس میں 'فیوڈل' بھی تھے عوامی بھی
مگر تھے چین میں 'ماؤ' کے سخت حامی بھی
عجیب خواب تھے ان کے، عجیب حسرت تھی
نظر میں 'تیسری دنیا' کی بھی سیاست تھی
سبھی غریب ممالک پہ تھی نظر اُن کی
وہاں بھی ذاتِ گرامی تھی معتبر اُن کی

لوگ۔بھٹوصاحب نے ازراہ مذاق مختلف سیاست دانوں کومختلف نام دے رکھے تھے۔**مولوی**۔مختلف مذہبی اور سیاسی جماعتوں کے رہنما۔

وہ ایشیا کی قیادت کے خواب دیکھتے تھے
بنا بنا کے بہت 'نقشِ آب' دیکھتے تھے

O

عظیم راہنما کی 'عظیم' تھی ہر بات
وہ چاہتے رات کو دن کر دے اور دن کو رات
وہ چاہتے تھے کہ 'مسلم بلاک' بن جائے
اور اس کی راہنما، ارض پاک بن جائے
یہ بات سننے میں اچھی لگے تھی کانوں کو
مگر گوارا ہو کیوں اور حکمرانوں کو
تمام اہلِ عرب کا تھا قبلہ' امریکہ
سوائے چین، تھا ہم سب کا قبلہ' امریکہ
تھی ہند و چین میں جاری جو ایک رسّہ کشی
تو اس کے بھی پس پردہ تھا، ہاتھ امریکی
اگر تھی روس کی نظروں میں 'کشورِ افغان'
تو دستِ راست تھے امریکہ کے 'شہِ ایران'
اِدھر تھا ہند، اُدھر روس، درمیاں تھے ہم
جو سر پہ چین نہ ہوتا تو پھر کہاں تھے ہم

جو ملک دور سے نزدیک آئے جاتے تھے
بڑے تھے، اِس لیے چھوٹوں کو کھائے جاتے تھے
انہیں ہماری سیاست پسند کیوں آتی
وہ ہوتے خوش، تو یہاں دن میں رات کیوں آتی

O

جنابِ بھٹو سے سرزد ہوئی 'ذرا سی چوُک'
تو **وائٹ ہاؤس** میں وہ ہو گئے بہت مشکوک
بہت ہی **خاص پیام** ان کے نام آنے لگے
وہ بے خبر رہے اور زیرِ دام آنے لگے
جو دوست تھے، وہی نکلے رقیب درپردہ
وہی تھے دوٗر۔۔۔ رہے جو قریب در پردہ

O

درست ہو کہ غلط پڑھئے اِک خبر کی طرح
'پڑا' رہے یہ سخن کان میں گُہر کی طرح'
غبارہ جتنا بھی اونچا اڑے، غبارہ ہے
ہوا کی زد میں ہے (وہ چاند ہے نہ تارا ہے)

ہائٹ ہاؤس۔ واشنگٹن میں صدر امریکہ کی قیام گاہ۔ **خاص پیام۔** ہنری کیسنجر نے بھٹو صاحب کو ایک خط میں دھمکی دی تھی کہ وہ ایٹمی طاقت بننے سے باز رہیں۔ بھٹو صاحب نے راولپنڈی کے ایک جلسے میں یہ خط عوام کو دکھایا بھی تھا۔ **پڑا۔** میر انیس کا مصرعہ۔

الیکشن آئے تو نقشہ بدل گیا سارا
تِلوں میں تیل تھا جتنا، نکل گیا سارا
تھے **نو ستارے** اُدھر اور ایک چاند اِدھر
مگر کوئی بھی فلک پر نہ ٹک سکا دم بھر
کوئی چراغ جلا اور نہ کچھ سیاہی چھٹی
نہ دن ہی نکلا نہ اپنی سیاہ رات کٹی
جنابِ بھٹو بھی، اپنا وقار کھونے لگے
وہ اپنی راہ کا خود ہی غبار ہونے لگے
پلک جھپکتے میں تقدیر سو گئی ان کی
کہ **'جیت'** ہار میں تبدیل ہو گئی ان کی
جو خواب دیکھ رہے تھے، سو یہ ملی تعبیر
گلے میں **'موت'** کا پھندا تھا، پاؤں میں زنجیر

نو ستارے۔ مارچ ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں نو سیاسی جماعتوں نے 'پاکستان قومی اتحاد' کے نام سے حصہ لیا تھا اور اپنی تحریک کو 'تحریک نظام مصطفیٰ' سے موسوم کیا تھا۔ **جیت۔** 'پاکستان قومی اتحاد' نے پیپلز پارٹی کی جیت کو دھاندلی قرار دیا اور از سرِ نو انتخابات کا مطالبہ کر دیا چنانچہ احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے۔ سیاسی رہنما گرفتار ہونے گئے، جلوس نکالے گئے۔ ہڑتالیں ہوئیں اور گولیاں چلیں۔ بہت خون خرابہ ہوا تو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو پاکستان آرمی کے چیف آف اسٹاف جنرل محمد ضیاء الحق نے آئین کی کسی شق کے سہارے بھٹو حکومت کو معطل کر دیا اور 'نوے دن' میں دوبارہ الیکشن کرانے کا اعلان کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا (صدر فضل الٰہی چودھری بھی برقرار رہے اور ۱۹۷۳ء کا دستور بھی) **موت۔** نواب محمد احمد خاں کے قتل کے الزام میں بتاریخ ۳ ستمبر ۱۹۷۷ء کو بھٹو صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۳ ستمبر کو پچاس ہزار کی ضمانت پر رہا کئے گئے مگر ۱۰/۱ اکتوبر کو پھر گرفتار کر لیا گیا۔ ہائی کورٹ میں مقدمہ چلا اور ۱۸ مارچ ۱۹۷۸ء کو انہیں موت کی سزا سنا دی گئی۔ ۲۵ مارچ ۱۹۷۸ء کو سپریم کورٹ میں اپیل کی گئی مگر ایک سال بعد ۲۴ مارچ ۱۹۷۹ء کو ہائی کورٹ کے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے بھٹو صاحب کو ۱۴ اپریل ۱۹۷۹ء کو پھانسی دے دی گئی۔

O

بہت ذہین تھے، قابل تھے 'سائیں' کیا کیجئے
پہ آپ اپنے ہی 'قاتل' تھے 'سائیں' کیا کیجئے

O

اُدھر 'بکھرنے سمٹنے' کا یہ ہوا انجام
مجیب کو بھی ملا 'بنگلہ دیش' کا انعام
کسی سپاہی نے 'بابائے ملک' کو مارا
وہاں بھی ہو گیا پھر 'فوجیوں کا پوبارا'

۴۱

پھر **ایک رات**، بہت ہی طویل رات آئی
کہ جیسے موت کوئی، بعد از حیات آئی
پھر ایک بار کہیں صؤر کی صدا گونجی
بِگل بغیر' بِگل سی کوئی نوا گونجی

مجیب الرحمٰن۔صدر جمہوریہ بنگلہ دیش کو ڈھاکہ میں (بھٹو صاحب کی ہلاکت سے چار سال پہلے) بتاریخ ۱۵/اکتوبر ۱۹۷۵ء کو کسی فوجی نے 'بیوی بچوں سمیت' گولی سے اڑا دیا۔اُن کی بیٹی حسینہ واجد ملک سے باہر ہونے کی وجہ سے بچ گئیں۔مجیب الرحمٰن کے قتل کے بعد، تقریباً ۲۰ سال فوج کے کچھ جرنل اور ایک جرنیل کی بیوی بنگلہ دیش پر حکمران رہے۔اب حسینہ واجد الیکشن جیت کر بحیثیت 'وزیراعظم بنگلہ دیش' اقتدار میں آئی ہیں ۔**ایک رات**۔۵ جولائی ۱۹۷۷ کو جنرل محمد ضیاء الحق نوے دن میں انتخاب کرانے کے ارادے سے اقتدار میں آئے اور 'مختلف سیاسی اور مذہبی وجوہات کی بناء پر' گیارہ سال حکمران رہے'۔

کسی نے کچھ نہ کہا اور ہو گیا سب کچھ
سب اپنے گھر میں رہے اور کھو گیا سب کچھ
جو منتخب تھے وہی لوگ کالعدم ٹھہرے
بہت ٹھہرنے جو آئے تھے، کم سے کم ٹھہرے
طلسمِ 'سام' کہو یا 'فسونِ گوسالہ'
سبھی ہوئے **من وسلوی** میں پھر سے ہم پیالہ
'کلیم ہو کہ وہ **'لوحِ کلیم** ۔۔ **مُہر بہ لب'**
قلم کے سر تھے 'قلم' اور سربُریدہ ادب
خدا کا نام تھا اور حکمِ ناخدا جاری
دماغ و دل پہ تھی سکرات کی فضا طاری
نہ جانے رک گئی کس طرح گردش مہ و سال
نہ جانے وقت نے کیسی چلی تھی اب کے چال
کہ لمحہ لمحہ تھا ساکت، نفس نفس خاموش
زباں پہ حرف بھی آتا تو یہ کہ بس، خاموش
عجب تماشا تھے ہم اور عجب تماشائی
نہ کوئی دار نہ 'دارا' مگر تھی 'دارائی'

طلسمِ سام۔سامری (امریکہ۔بقول منٹو 'چچا سام') **من وسلوی**۔صحرائے کنعان میں اللہ تعالیٰ نے تارکین ارض فرعون کے لیے من وسلوی اتارا تھا جس سے سبھی مستفید ہوئے (امت موسیٰ بھی اور سامری کے ماننے والے بھی) **لوحِ کلیم**۔روایت ہے کہ حضرت موسیٰ کے لیے (تختیوں پر) تحریر کی صورت میں وحی اترتی تھی ('حق پسند' اہل قلم کی طرف اشارہ) **مہر بہ لب**۔مارشل لا میں عموماً تقریر وتحریر پر پابندی عائد ہو جاتی ہے۔

نہ جانے کتنے مہ و مہر جل کے راکھ ہوئے
نہ جانے کتنے ستارے، زمیں کی 'خاک' ہوئے

O

وہاں میں فلم چھوڑ کے پھر آ گیا تھا 'حیدرآباد'
پہ جامعۂ سندھ میں تھا 'اب' استاد
وہاں تھے میرے وہ سب دوست' وہ رقیب سبھی
ادب کے نام پہ کرتے رہے جو 'بے ادبی'

O

وہ 'روسیاہ' --- سیہ ظاہر و سیہ باطن
وہ جس پہ 'فقرہ' کسا تھا علیم نے اِک دن
سبھی کو یاد ہے اب تک کہ بات سچّی تھی
کسی کو اس میں نہ تھا شک کہ بات سچّی تھی

خاک۔صوتی قافیہ۔**حیدرآباد**۔عمومی تلفظ۔**اب**۔ستمبر ۷۷ء سے میں سندھ یونیورسٹی میں پڑھانے لگا تھا۔ملاحظہ ہو 'احوال واقعی' (مرتبہ۔ مرزا سلیم بیگ مطبوعہ ۱۹۹۴ء) اس کتاب میں ۱۹۶۱ء سے ۱۹۹۳ء تک وہ تمام متنازعہ تحریریں تاریخی حوالوں کے ساتھ یکجا ہیں جو (بالخصوص حیدرآباد کی 'ادبی سیاست' کے حوالے سے) میرے خلاف مختلف رسائل واخبارات میں شائع ہوتی رہیں اس کتاب میں میرے جوابات بھی تاریخ وار درج ہیں۔**روسیاہ**۔ایک شخص جس کو میں دوست سمجھ بیٹھا تھا۔**فقرہ**۔عبیداللہ علیم نے اس کے گہرے 'کالے رنگ' کی مناسبت سے ایک فقرہ چست کیا تھا جو بہت مشہور ہوا (اس شخص کا ظاہر و باطن ایک ہے)

وہ اپنے دل کی 'سیاہی' کو اپنے منہ پہ ملے
بکھیرتا تھا اندھیرے، ہر اِک چراغ تلے
نہ جانے اُس میں کمی کیا تھی، کیوں تھا اتنا حسد
کہ اپنے سائے سے وہ ناپتا تھا اپنا قد
اسے خبر نہ تھی، سایہ کسی کا دوست نہیں
'عصاء' سے ہوتا ہے قد بھی کوئی بلند کہیں!'
ہر ایک حربہ وہ شہرت کا اختیار کرے
ہر اِک ادیب کے مرنے کا انتظار کرے
کوئی رسالہ ہو، اس کا مراسلہ ہوتا
کسی بہانے 'نمائش' کا سلسلہ ہوتا
میں نام کیا لکھوں، سارے ادیب جانتے ہیں
ادب میں جو بھی ہے اس کا نصیب' جانتے ہیں

O

اِدھر کراچی میں تھے کچھ ادیب ایسے بھی
جو اپنی ذات کا، خود آئینہ تھے ویسے بھی

عصاء۔اے طفل خود معاملہ قد سے عصا بلند! (غالب)۔

تھا نفسیاتی مَرض کوئی، ان کو بھی لاحق
اچھالتے تھے وہ اوروں کی پگڑیاں ناحق
وہ بدزباں رہے 'گالی' کی آرزو میں سدا
وہ چاہتے تھے، رہیں سب کی گفتگو میں سدا
بس ایک حلقہ تھا **'تحسینِ باہمی'** کے لیے
ادب کا آئینہ تھا 'خود نمائشی' کے لیے
یہی ادیب 'روایت پسند' بھی تھے کبھی
اور اپنی ذات میں کچھ 'سکّہ بند' بھی تھے کبھی

تحسین باہمی۔ کراچی میں ریڈیو پاکستان سے لے کر مختلف گھروں تک، ادیبوں اور شاعروں کے کئی حلقے بنے ہوئے تھے (شاید کچھ اب بھی ہوں) اسی زمانے کے میرے کچھ اشعار ہیں۔

حلقہ بگوش رہ کے کئی جن کی زندگی
وہ کیا سمجھ سکیں گے مقام خود آگہی
وہ گل کسی بہار کا احسان کیوں اٹھائے
جس کو ملی ہو زخم جگر کی شگفتگی
یہ بھی ہے ماہتاب پرستی کی اک ادا
جب اس کو چھو نہ پائے تو خاک اس پہ پھینک دی

یہ شہر رفیقاں ہے دل زار سنبھل کے
ملتے ہیں یہاں لوگ بہت روپ بدل کے

شاعر ایسی چوٹ کھائی ہے بہ فیض دوستاں
دوستی کے نام ہی سے اب لرز جاتا ہے دل

وہ پھر جدید ہوئے اور انتہائی جدید
اور اپنے آپ کی کرنے لگے بہت تردید
کبھی تو 'فحش' لکھا اور کبھی بہت مبہم
کبھی 'جماعتِ اسلامی' کے بنے ہمدم
کیا جو مجھ پہ کرم تو 'بصد وثوق' لکھا
'وہی' کہ 'سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا'
مری کتاب کہ ہے **'شخص و عکس'** جس کا نام
مرے جوابی مضامیں ہیں جمع اُس میں تمام
سلیم بیگ کی 'احوال واقعی' دیکھیں
ملے **'چراغ بکف'** تو اسے کبھی دیکھیں
ہیں اپنے دور کے سارے مناقشے ان میں
ثبوت دار ہیں سب ہی کے واقعے ان میں

O

ادب میں خیر یہ ہوتا رہا ہے، کیا کیجئے
یہی ہے **'ورثہ'** ہمارا تو 'واہ وا' کیجئے

وہی۔ فیض صاحب کا مصرعہ۔ **شخص و عکس**۔ اس کتاب میں 'تزکیہ' کے عنوان سے میرے جوابی مضامین ملاحظہ فرمائیں۔ **چراغ بکف**۔ 'کراچی کی ادبی سیاست' کے حوالے سے متنازعہ تحریروں کا مجموعہ (تاریخ وار جوابی تجزیوں کے ساتھ) **ورثہ**۔ 'نقوش' ادبی معرکہ نمبر (دو جلدوں میں)۔

یہاں پہ 'دوست تو تھوڑے ہیں اور بھائی بہت'
کہ دی ہے حضرتِ حالؔی نے بھی دُہائی بہت
'خلاف شرع کبھی شیخ 'تھوکتے' بھی نہیں'
'مگر اندھیرے اجالے میں چوکتے بھی نہیں'

O

میں یوں تو کہنے کو 'بھائی' بھی، اُن کا 'یار' بھی تھا
مگر جو چبھتا رہا دل میں، ایسا خار بھی تھا
کدھر سے تیر چلا، باخبر رہا میں بھی
ہر اِک لڑائی میں 'سینہ سپر' رہا میں بھی
قمرؔ جمیل کا تھا، نے شمیم احمد کا
میں قدر داں تھا، فقط اِک 'سلیمؔ احمد' کا

دوست تو تھوڑے ہے اور بھائی بہت حالی اور اکبر کے اشعار ۔

آ رہی ہے چاہِ یوسف سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

حضرت اکبر الہ آبادی کا شعر (ذرا سے تصرف کے ساتھ)

جمیل۔ قمر جمیل نے بھی میرے خلاف 'نوائے وقت' میں عالم لکھے مگر پھر اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا لیکن شمیم احمد نے جو پہلے ترقی پسند تھے اور پھر شدید مخالف ہو گئے بہت ہی ناشائستہ مضامین لکھے میرے خلاف ان کا لہجہ اتنا رکیک تھا کہ 'جسارت' کے ادبی کالم 'سخن در سخن' میں خامہ بگوش (مشفق خواجہ) کو ان کے ایک مراسلے پر یہ نوٹ لکھنا پڑا (مطبوعہ ۲۴ جون ۸۳ء) 'نظیر اکبر آبادی کے دیوان کی طرح شمیم احمد کے مراسلے میں آپکو متعدد مقامات پر 'نقطے' نظر آئیں گے ہمیں افسوس ہے کہ بعض 'الفاظ یا اسمائے صفات' ہم سے پڑھے نہیں جا سکے، مجبوراً انہیں حذف کرنا پڑا اور نکتہ سنجی سے کام لینا پڑا'۔

سلیمؔ شخص تھا جیسا بھی، دوست اچھا تھا
ادب کے باب میں اُس کا روّیہ سچا تھا
مخالفت میں بھی 'ارزاں سخن' کبھی نہ ہوا
شمیم جیسا 'دریدہ دہن' کبھی نہ ہوا
مری **کتاب** بھی ہے اس کے نام سے منسوب
وہ میرا بھائی تھا **'سوتیلا'** اور مرا 'محبوب'

O

ادھر وطن میں عجب رنگ تھا سیاست کا
کہ 'فوج' بھی تھی اور 'آئین' بھی سلامت تھا
جو حکمراں تھا، وہ مذہب پسند بھی تھا بہت
کُھلا تھا جتنا، وہ اتنا ہی بند بھی تھا بہت
کوئی سیاسی جماعت نہ تھی 'ضیا' کے ساتھ
مگر 'جماعتِ اسلامی' کا تھا سر پر ہاتھ

مخالفت۔ سلیم احمد بھی ترقی پسندوں کے خلاف تھے مگر اپنی مخصوص فقرہ بازی میں بھی 'ادب آداب' کا خیال رکھتے تھے۔ **کتاب**۔ 'شخص و عکس' کا انتساب سلیم احمد کے نام ہے۔ **سوتیلا**۔ سلیم احمد نے جب بھی اپنی کتاب مجھے دی تو یہ لکھ کر دی 'اپنے سوتیلے بھائی کے لیے' (ان کی طویل نظم 'مشرق' میں صفحہ ۱۴۶ پر میرے بارے میں جو اشعار ہیں ان میں ایک شعر اس حوالے سے بھی ہے)۔

نظریوں میں ہے ان کی میری لڑائی
پہ اُن کو سمجھتا ہوں 'سوتیلا بھائی'

دو 'اِک' 'وزیر' ضیاء کے 'جماعتی' بھی تھے
جو اُن کی 'نیک دلی' کے علامتی بھی تھے
مشیر اُن کے بنے جب سلیم احمد بھی
تو دیدنی تھا سمندر کا جزر اور مد بھی
اُسی زمانے میں رسوا ہوئے تھے حضرت جوشؔ
کسی بیاں پہ تماشا بنے تھے حضرت جوشؔ
بیاں کچھ اور تھا، تاویل کچھ ہوئی اُس کی
خیال اور تھا، تشکیل کچھ ہوئی اُس کی
کہا کسی نے کہ اقبالؔ کی ہے یہ توہین
کسی نے کر دیا ثابت کہ جوشؔ ہے بے دین
سلیم کر سکے کچھ، اور نہ 'ہم سخن' ان کے
ادب کے 'اکبر اعظم' نہ 'نورتن' ان کے
کہیں پہ عید، کہیں بقر عید ہوتی رہی
جناب جوشؔ کی 'مٹّی پلید' ہوتی رہی

اِک۔محمود اعظم فاروقی (مالک و مدیر 'جسارت') پروفیسر غفور احمد (جماعت اسلامی کے رہنما) **مشیر**۔محمود اعظم فاروقی وزیر اطلاعات ہوئے تو سلیم احمد ان کے مشیر بنائے گئے (وہ بیک وقت ریڈیو کے ملازم بھی تھے اور وزیر محترم کے 'مشیر' بھی) **بیاں**۔ریڈیو پاکستان نے جوش صاحب کا ایک انٹرویو اس وعدے کے ساتھ ریکارڈ کیا تھا کہ اسے جوش صاحب کے انتقال کے بعد شائع کیا جائے گا مگر اسی زمانے میں اسے ریڈیو سے اڑا لیا گیا اور روزنامہ 'جسارت' میں شائع کر دیا گیا اس کے بعد جو کچھ ہوا اس دور کے اخبارات میں محفوظ ہے۔

O

مگر جو چاند پہ تھوکے وہ منہ پہ آتا ہے
پہاڑ سے 'کوئی ٹکرائے' ٹوٹ جاتا ہے

O

اِدھر تھی 'مقتدرہ' اور 'اکادمی' تھی اُدھر
اور ان میں ہوتے تھے سارے ادیب و دانشور
بلائے جاتے تھے اسلام باد اہلِ قلم
'بڑے بڑوں کو' بھی رہتے تھے یاد اہلِ قلم
کوئی تھا چھوٹا ملازم، تو کوئی افسر تھا
شریک ہوتا تھا میں بھی کہ میں بھی 'نوکر' تھا
ہر ایک سال میں اِک 'کانفرنس' ہوتی تھی
ادیب جاگتے تھے اور قوم سوتی تھی

مقتدرہ۔زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کا سرکاری ادارہ۔ **اسلام آباد**۔عمومی تلفظ۔ **نوکر**۔سندھ یونیورسٹی میں نوکری چل رہی تھی۔ **کانفرنس**۔اکادمی ادبیات کے تحت ہر سال 'اہل قلم کانفرنس' ہوتی تھی۔جس سارے ملک کے بے شمار ادیب، شاعر اور صحافی شریک ہوتے تھے۔

۴۲

ہماری قوم میں باہم 'نفاق' بھی ہے بہت
کہ لڑنے مرنے میں ہر شخص طاق بھی ہے بہت
دلوں میں آگ بھری ہے، بس اِک ہوا کی ہے دیر
مآل سامنے ہو گا کہ ابتدا کی ہے دیر
اسے کمال سیاست کہیں کہ وقت کی مار
ہم ایک قوم ہیں لیکن ہمارے روپ ہزار
کہیں ہیں مذہبی جھگڑے، کہیں لسانی ہیں
کہیں قلم کے تماشے، کہیں زبانی ہیں
کوئی اِسے کہے کافر، کوئی اُسے غدار
ہر ایک سینے میں ہیں لاکھ نفرتیں بیدار
کوئی ہے شیعہ، کوئی سنّی، قادیانی کوئی
جماعتی ہے کوئی اور آغا خانی کوئی
بریلوی کوئی، دیوبندی و بہائی کوئی
کوئی ہے مرشد و پیر اور پیر بھائی کوئی

نفاق۔ یوں تو ہم ہمیشہ ہی فرقوں میں بٹے رہے مگر ۱۹۸۰ء سے ہماری قوم کا مزاج زیادہ ہی 'فرقہ وارانہ' ہو گیا۔ لسانی اور علاقائی جھگڑوں سے قطع نظر مسجدوں اور امام بارگاہوں میں بھی گولیاں چلنے لگی ہیں (خدا رحم کرے)

کوئی وہابی و کوفی، کوئی وجودی ہے
کوئی نصیری و پرویزی و شہودی ہے
کسی کو ناز کہ وہ ہے 'زمین کا فرزند'
کسی کو فخر کہ 'جھنڈا' کیا تھا اس نے بلند
اگر یہ قوم ہے تقسیم چار یاروں میں
مہاجرین بھی ہیں 'پانچویں سواروں' میں
دیارِ پاک کی خاطر، وطن کو چھوڑ دیا
بنامِ دیں ہر اِک آبائی رشتہ توڑ دیا
غرض ہزار مسائل، ہزار چہرے ہیں
ہمارے سر ہی یہ سب رنگ رنگ سہرے ہیں

O

انہیں دنوں مجھے اطہر ملا کراچی میں
وہ کینڈا سے تھا آیا ہوا کراچی میں
وہ میرا یار تھا، بچپن کا ہم جماعت تھا
وہ شعر کہتا تھا، انساں بھی خوبصورت تھا

اطہر۔ اطہر رضوی میرا بچپن کا دوست، برسوں سے کینیڈا میں آباد ہے اور غالب اکیڈمی کا صدر ہے۔ غالب کی زمین میں طرحی مشاعرے کرتا ہے۔ جوش اور فیض پر سیمینار بھی کر چکا ہے۔ امریکہ میں پہلا پاکستانی مشاعرہ ۱۹۸۱ء میں اطہر نے ہی کیا تھا (بیاد غالب۔ یاد کے موتی، ہر ملک ملک ماست اور خدا کے منتخب بندے، عالمی غالب سیمینار، میر تقی میر عالمی سیمینار، اس کی تصانیف و تالیف ہیں)۔

تخلص اس کا تھا باغی مگر 'بغاوت' سے
کسی نے **'باغ سے باغی'** کہا شرارت سے
تو ایسا بگڑا، تخلص ہی چھوڑ بیٹھا وہ
ادب کی ایک روایت تھی، توڑ بیٹھا وہ
وہ شاعر آج بھی ہے لیکن اپنے نام کے ساتھ
ادب سے اب بھی تعلق ہے احترام کے ساتھ
یہ سوچا اس نے، وہاں اِک مشاعرہ ہو جائے
ہمارے ملک کا بھی نام کچھ سوا ہو جائے
میں جانتا تھا کہ یہ کام کتنا مشکل ہے
وہی کرے ہے کہ جس کا بہت بڑا دل ہے
اسی خیال سے میں نے بھی اس کا ساتھ دیا
جو 'انتخاب' تھے، ان شاعروں کا نام چنا
وہاں تھے چھائے ہوئے شعرائے **ہندوستان**
عزیز قیسی و کیفی و اختر الایمان
کچھ اور بھی تھے مگر ان کا اتنا نام نہ تھا
وہ خوش گلو تھے مگر کوئی خوش کلام نہ تھا

باغ سے باغی۔ اطہر کا رنگ روپ دیکھ کر ۱۹۴۷ء میں انڈیا کے ایک مشاعرے میں صدر مشاعرہ میر حسن (مخدوم کے دوست اور دکن ریڈیو کے ڈائریکٹر) نے مذاق میں یہ فقرہ کہا تھا۔ **ہندوستان۔** امریکہ و کینیڈا میں پہلا مشاعرہ ہندوستانی شعراء پر مشتمل تھا جسے احمد خاں (عزیز قیسی کے بھائی) نے کیا تھا۔

تھے میرے ساتھ قتیل و ضمیر و عالی بھی
فنا سی شاعرہ، صہبا سا اِک جلالی بھی
سو ہم بھی خوب جمے **'چھت اڑائی'** ہم نے بھی
دیارِ پاک کی عزت بڑھائی ہم نے بھی
مشاعرے ہوئے کچھ اتنے کامیاب وہاں
ہر ایک شہر میں تھا **'جیوے جیوے پاکستان'**

O

سفر تھا پہلا یہ امریکہ و کناڈا کا
زمیں بھی دیکھ لی ان کی، فلک بھی دیکھ لیا
نظر کے سامنے جنّت بھی تھی، جہنّم بھی
خدا کی دین بھی، انساں کا بیش اور کم بھی
میں جیسے خواب سے جاگا تھا ششدر و حیراں
کہاں یہ **ملک**' کہاں وہ دیارِ پاکستان
یہ خواب تھا کہ حقیقت تھی میری آنکھ میں بند
میں حیرتی رہا **اصحابِ کہف** کے مانند

چھت اڑائی۔ محاورہ ہے کہ داد و تحسین سے 'چھتیں' اڑ گئیں۔ **جیوے جیوے پاکستان۔** ہر مشاعرے کے آخر میں عالی صاحب کا ترانہ ضرور پڑھا جاتا، شاعر بھی گاتے اور سامعین بھی۔ **اصحاب کہف۔** حکایت ہے کہ 'اصحاب کہف' ایک دن سو کر اٹھے تو تین سو سال گزر چکے تھے۔ دنیا ہی بدل چکی تھی۔

وہی زمین، وہی آسماں، وہی دنیا
مگر ہر ایک نظارہ قدم قدم پہ 'نیا'
مشاعروں کا تو ماحول تھا وہی 'دیسی'
مگر یہ دیس پرایا تھا، ہم تھے پردیسی
لگے کہ کتنی ہی صدیاں گزار آئے ہیں
ہر اِک لباس پُرانا اتار آئے ہیں

O

بنامِ دیں جو ہے نیکی یہاں، وہاں بھی ملی
مگر بہ رنگ حقیقت ملی، جہاں بھی ملی
وہ خوف جو یہاں شیطاں ہے اور قہرِ خدا
وہاں مجھے نظر آیا بہ رنگ مہرِ خدا
وہ حسرتیں جو ازل سے ہیں خواب کی صورت
چمک رہی تھیں وہاں آفتاب کی صورت
ہر ایک شے تھی نمایاں **'بصورتِ تہذیب'**
چھپا ہوا نہ تھا کچھ بھی 'مثال روئے حبیب'

نیا۔ میں نے اکثر مقامات پر قافیے کی بجائے صرف 'آہنگ' کا خیال رکھا ہے۔ **بصورت تہذیب**۔ امریکہ میں چونکہ ساری دنیا کی قومیں آباد ہیں اس لیے وہاں ایک آفاقی تہذیب کی بنیاد پڑ رہی ہے ویسے 'انفرادی آزادی' نے ہر ملک کی ثقافت کے تحفظ کے امکانات بھی روشن رکھے ہیں۔ بقول محشر بدایونی ؎ جس دیے میں جان ہوگی وہ دیا رہ جائے گا۔

وہاں نہیں تھا کوئی فرق ظاہر و باطن
منافقت، کسی صورت وہاں نہ تھی ممکن
وہاں جو حسن کو اِک شوقِ خود نمائی ہے
یہاں وہ ایک تماشا ہے، بے حیائی ہے
ہماری جو بھی ہے 'اخلاقیات' اچھّی ہے
مگر یہ بات بھی اہلِ نظر کی سچّی ہے
یہاں بنام عبادت جو جبہ سائی ہے
وہ اپنی ایک ریاکار پارسائی ہے
یہاں ہے بندش پیہم، وہاں ہے آزادی
وہاں نہیں ہے کوئی نقش، نقشِ فریادی
نہ رشوتیں، نہ ملاوٹ نہ چور بازاری
قدم قدم پہ ہے قانون کی عمل داری
وہاں نہیں تھا کوئی بھیک مانگنے والا
خدا کا نام زمیں پر اچھالنے والا
نہ **'بیربل'** ہے کوئی اور نہ **'ملّا دوپیازہ'**
بھگت رہے ہیں یہاں ہم سبھی کا خمیازہ

بیربل۔ دربار اکبری کا ہندو مسخرہ۔ **دوپیازہ**۔ اسی دربار کا مسلمان مسخرہ (دونوں کی مسابقانہ ذہانت کے کئی واقعات مشہور ہیں)

سکیولرزم وہاں کا حکومتی ہے نظام
ہیں اس کی چھاؤں میں محفوظ 'دین دھرم' تمام
جہاں ہیں مسجد و مندر' وہیں کلیسا ہیں
سبھی کے اپنے عقیدے، بصد سلیقہ ہیں
یہاں جو جھوٹی صداقت ہے اور مجسّم ہے
وہاں بھی ہے یہ بُرائی مگر بہت کم ہے
وہاں ہر ایک بلندی، بشر کا ہے اعجاز
یہاں ہوا میں 'غبارے' وہاں ہوائی جہاز
یہاں فسانہ و افسوں، وہاں کمالِ ہنر
یہاں ہیں جنِ و مَلائک' وہاں ہے ذہنِ بشر
وہ **ہالی وڈ** ہو کہ **'ڈِزنی'** کا ہو دیارِ طلسم
زمیں پہ رہ کے فلک پر ہے آدمی کا جسم
وہ زیرِ آب سفر **موسوی عصاؑ** کے بغیر
وہ 'آدمی' کی کرامات' 'اولیا' کے بغیر
زمیں کے نیچے ٹرینیں، خلاء میں سیّارے
وہ روشنی کی طرح تیز اڑتے طیّارے

سکولرزم۔ سیکولرزم میں حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ہر ایک مذہبی عقیدے کی توقیر وحفاظت کی ذمہ دار حکومت ہوتی ہے۔ **ہالی وڈ**۔ لاس اینجلس میں ہالی وڈ فلم اسٹوڈیوز دیدنی ہیں جو میلوں پھیلے ہوئے ہیں۔ **ڈزنی**۔ ڈزنی لینڈ یہ بھی ایک 'عالم حیرت' ہے دیکھنے کی جگہ ہے۔ **موسوی عصاؑ**۔ 'عصائے کلیم' کے معجزات میں دریائے نیل میں راستہ بن جانا، حضرت موسیٰ کی امت کا پار اتر جانا اور فرعون کی فوج کا ڈوب جانا مشہور ہے۔

وہاں تو وقت بھی قابو میں، فاصلہ بھی ہے
اور اس سے آگے نکلنے کا سلسلہ بھی ہے
وہ جستجو کی ہے دنیا، یہاں قناعت ہے
یہاں ارادہ تو کیا، سوچنا قیامت ہے

۴۳

کہیں بھی جائیں وطن اپنا ساتھ رہتا ہے
ہر ایک یاد ،ہر اک سپنا ساتھ رہتا ہے
'وہاں' ملے مجھے اکثر رفیق ایسے بھی
جو میرے دل میں ہمیشہ رہے ہیں ویسے بھی
وہ لوگ جن سے ہے منسوب ایک دور کے یاد
خزاں میں بھی رہی دل میں ،بہار سی آباد
وہ نوجوانی کے معصوم ہنستے گاتے دن
حسین خوابوں کی تعبیر سی دکھاتے دن
وہ **'ریڈیو'** کے شب و روز، وہ صداکاری
حقیقتوں کو چُھپائی ہوئی اداکاری

وہاں۔ امریکہ اور کینیڈا۔ **ریڈیو**۔ میں ۱۹۴۷ء تک دکن ریڈیو اور آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد (دکن) سے اور ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۲ء تک ریڈیو پاکستان کراچی اور حیدرآباد (سندھ) سے وابستہ رہا۔ صدر کاری ہو، شاعری ہو کہ نثر نگاری۔ میں نے ہر شعبے میں کام کیا جہاں غنایئے، منظوم ومنثور ڈرامے اور گیتوں بھری کہانیاں لکھی وہیں ڈراموں میں اداکاری بھی کی اور مختلف پروگرام پروڈیوس کیے۔

وہ شاعری ، کوئی آٹوگراف دیتی ہوئی
پری رُخوں کی نگاہوں سے داد لیتی ہوئی
کسی سے مل کے جو 'اک' نظم میں نے لکھی تھی
وہ اب بھی دل میں ہے تازہ کہ بات سچّی تھی
میں آج کیوں نہ وہ لکھ دوں کہ یادگار رہے
مرا قلم بھی تو آخر وفا شعار رہے

مدت کے بعد

مدت کے بعد تم سے ملا ہوں تو یہ کُھلا
یہ وقت اور فاصلہ دھوکہ نظر کا تھا
چہرے پہ عمر بھر کی مسافت رقم سہی
دل کے لیے تمام سفر، لمحہ بھر کا تھا

کیسی عجیب ساعتِ دیدار ہے کہ ہم
پھر یوں ملے کہ جیسے کبھی دور ہی نہ تھے
آنکھوں میں کم سنی کے وہ سب خواب جاگ اٹھے
جن میں نگاہ و دل کبھی مجبور ہی نہ تھے

اک۔ میری یہ نظم 'ہارون کی آواز' میں شامل ہے اور میرے منتخب کلام 'حرف حرف روشنی' (مطبوعہ ۱۹۸۶ء مکتبہ جامعہ۔ دہلی) میں بھی ہے۔

معصوم کس قدر تھیں وہ بے نام چاہتیں
بچپن سے ہم کنار تھا، عہدِ شباب بھی
یوں آتشِ بدن میں تھی شبنم گھلی ہوئی
مہتاب سے زیادہ نہ تھا آفتاب بھی

پھر وہ ہوا چلی کہ سبھی کچھ بکھر گیا
وہ محفلیں ، وہ دوست، وہ گلرنگ قہقہے
اب رقصِ گردباد کی صورت ہے زندگی
یہ وقت کا عذاب ، کہاں تک کوئی سہے

اب تم ملیں تو کتنے ہی غم ہیں تمہارے ساتھ
پتھر کی طرح تم نے گزاری ہے زندگی
کتنا لہو جلایا تو یہ پھول مسکرائے
کس کس جتن سے تم نے سنواری ہے زندگی

میں نے بھی ایک جہدِ مسلسل میں کاٹ دی
وہ عمر، تھی جو پھول سے ارماں لیے ہوئے
اب وہ جنوں رہا ہے نہ وہ موسم بہار
بیٹھا ہوں اپنا چاک گریباں سیئے ہوئے

اب اپنے اپنے خوں کی امانت ہے اور ہم
اور ان امانتوں کی حفاظت کے خواب ہیں
آنکھوں میں کوئی پیاس ہو، دل میں کوئی تڑپ
پھیلے ہوئے افق سے افق تک سراب ہیں

کس کو خبر تھی، لمحہ اک ایسا بھی آئے گا
ماضی تمام، پھر سمٹ آئے گا حال میں
محسوس ہورہا ہے کہ گزرا نہیں ہے وقت
اک لمحہ بٹ گیا تھا فقط ماہ و سال میں

تم بھی وہی ہو، میں بھی وہی ،وقت بھی وہی
ہاں اک بجھی بجھی سی چمک، چشمِ نم میں ہے
وہ لمحہ جس کے سحر میں کھوئے ہوئے ہیں ہم
کتنی مسرتوں کا سُرور، اس کے غم میں ہے

O

میں ایک مرتبہ بیمار بھی سفر میں ہوا
عجیب سانحہ یہ اجنبی نگر میں ہوا

میں ہیوسٹن میں تھا مہماں کہ دل میں درد اٹھا
(عجیب دردِ مسلسل بہ آہِ سرد اٹھا)
کہا کسی نے کہ یہ ہارٹ اٹیک لگتا ہے
کوئی کہے کہ نہیں گیسٹک کا حملہ ہے
کسی نے انجوگرافی کا مشورہ بھی دیا
کہا کسی نے اگر سرجری کا کیس ہوا؟
تو یہ معاملہ آساں نہیں ، سمجھ لیجئے
علاج کا کوئی امکاں نہیں ، سمجھ لیجئے
تو ایسے عالمِ غربت میں ، اک ادیب نواز
دیارِ ہند کے ایک ڈاکٹر، غریب نواز
وہ ایک ماہرِ امراض دل، جناب علی
جو میرے حق میں مسیحا تھے اورخدا کے ولی
علی نے مجھ کو دلاسہ دیا، علاج کیا
نہ کوئی فیس لی مجھ سے نہ کوئی چارج کیا

O

میں ہسپتال میں لیٹا تھا اور اکیلا تھا
بہت عجیب خیالوں کا دل میں میلہ تھا

علی۔ڈاکٹرعبدالعلی (ماہرامراض قلب) انہوں نے میراعلاج ہرمن ہسپتال۔ہیوسٹن میں کیا تھا۔

نظر میں شہرِ کراچی تھا اور سارے لوگ
وہ میری جاں سے زیادہ عزیز ، پیارے لوگ
وہ میری بیٹیاں بیٹے، مری رفیقِ حیات
(’مری حیات، مری کائنات، میرا ثبات‘)
مرے دکھوں ، مری خوشیوں کے ہر قدم ساتھی
وہ میرے ہمدم و ہم راز و ہم قلم ساتھی
سبھی نظر میں تھے،’ہر لمحہ‘ دل میں تازہ تھا
اور اب نگاہ میں ، خود اپنا ہی جنازہ تھا
عجیب کیفیتِ دل تھی، وحشت آلودہ
یہ نظم ہے، اُسی عالم کی حسرت آلودہ

عہدِ وفا

کہا گیا ہے کہ میں اپنے دل کی فکر کروں
کہ اب یہ اور غمِ زندگی سہے نہ سہے
تھکن سے چُور ہے دل اور چل رہا ہوں میں
نہ جانے اب یہ مرا ہم سفر، رہے نہ رہے

سفر میں چھوٹ بھی جاتے ہیں ہم سفر لیکن
وہ ایک شخص کہ جس کی یہ دل ’امانت‘ ہے
بچھڑ گیا تو کیا منہ دکھاؤں گا اس کو
جو ہے تو بس یہی اندیشۂ ندامت ہے

خدا کرے ’وہ‘ سلامت رہے، جہاں بھی رہے
میں خاک ہو بھی گیا تو فنا نہیں ہوں گا
ہوائیں کرتی ہیں جیسے سدا طوافِ حرم
میں اُس کے پاس رہوں گا، جدا نہیں ہوں گا

کبھی میں خواب کی صورت رہوں گا آنکھوں میں
کبھی میں کوئی حسیں یاد بن کے آؤں گا
وہ اشک، جو مرے غم میں کبھی اُمڈ آئیں
میں اُن میں ’عہدِ وفا‘ بن کے مسکراؤں گا

O

کسی نے ہاتھ مرا دیکھ کر کہا تھا کبھی
ترے نصیب میں لکھی ہے خاک دنیا کی

عجیب بات ہے، وہ بات اب ہوئی پوری
گواہی دیتی ہے یہ روز و شب کی مجبوری
مشاعروں کے سبب میں کہاں کہاں نہ گیا
'جہاں' نہیں ہیں مرے 'ہم زباں' وہاں نہ گیا
خدا کے فضل سے ہر جا ہیں چاہنے والے
ادب نواز، محبت نباہنے والے
جہاں جہاں بھی گیا، کیسے کیسے لوگ ملے
کہیں گُہر سے ، کہیں پھول جیسے لوگ ملے
نئے جہاں میں پرانے جہان سے سرشار
پرائے ملک میں ، اپنے وطن کے آئینہ دار
بہت بدل کے بھی، جیسے ذرا نہ بدلے ہوں
قبا تو بدلی، پہ طرزِ ادا نہ بدلے ہوں
وہ جن کو دیکھ کے، ٹھہرا ہوا یہ وقت لگے
اثر بغیر گزرتا ہوا یہ وقت لگے
جہاز میں جو مسافر کا حال ہوتا ہے
ہر ایک فاصلہ خواب و خیال ہوتا ہے
'عزیزؔ' ہوں کہ ضیاؔء یا حنیف اخگرؔ ہوں
نسیمؔ سیّدؔ و زرّیںؔ ہوں یا کہ نیّرؔ ہوں

عزیز۔ (کینیڈا اور امریکہ کے اہل قلم) عزیز الحسن، عبدالقوی ضیاء، حنیف اخگر ملیح آبادی۔ نسیم سید، زرین یاسین، نیر جہاں۔ ☆☆☆

عروجؔ و اطہرؔ و اشفاقؔ ہوں کہ نزہتؔ ہو
عیاںؔ ہو یا کہ صبیحہ صباؔ کہ فرحتؔ ہو
رضاؔ و عابدؔ و خالدؔ، کبیرؔ یا اعجازؔ
ظفرؔ ہو یوسفؔ و فاروقی و عطشؔ کہ نیازؔ
وکیلؔ و سرورؔ و یاسینؔ و ستیہ پال آنندؔ
منیبؔ ہوں کہ وہ رحمٰنؔ سے ترقی پسند
وہ مہرؔ ہو کہ حمیراؔ کہ افتخار نسیمؔ
شفیقؔ و زاہدؔ و واصفؔ کہ ایمنؔ اور نعیمؔ
وہ شاہدہؔ ہو کہ مونا شہابؔ و طلعتؔ ہوں
کہ رازؔ و جعفرؔ و شاہینؔ و عبدؔ و عشرتؔ ہوں
یہ تارکین وطن سب ، قدیم ہوں کہ جدید
وطن کو چھوڑ کے اب ہیں وطن پرست ، شدید

☆☆☆ عروج اختر زیدی، اطہر رضوی م اشفاق حسین ، نزہت صدیقی ، رشیدہ عیاں ، ڈاکٹر صبیحہ صبا، فرحت زاہد، رضا الجبار، عابداللہ غازی، عابد جعفری، خالد سہیل، حفیظ الکبیر قریشی ، اعجاز نسرین، ظفر رضوی، یوسف اعظمی ، مظفر فاروق، ریاض الدین عطش ، نیاز گلبر گوی، وکیل انصاری ، سرور عالم راز، یاسین زبیری، ستیہ پال آنند، منیب الرحمٰن ، عبدالرحمٰن صدیقی ، سلطان مہر، حمیرا رحمٰن ، زاہد سعید، واصف علی واصف ، مامون ایمن ، جوہر میر، چودھری نعیم ، ڈاکٹر شفیق ، باقر زیدی، طلعت اشارت ، رئیس وارثی ، جعفر رضوی ، شاہین، عبدالرحمٰن عبد ،عشرت آفرین، خالد خواجہ، انور خواجہ، صفوت علی، عدیل زیدی، شوکت فہمی، خلیل الرحمٰن ، مجید حامی، ظفر تقوی، علی مینائی، شاہدہ نسیم سالک، فرحانہ جوہی، اکرام بریلوی، خالد عرفان، سید الیاس، شہلا نقوی، رخسانہ سحر، مونا شہاب، نسیمہ کلثوم، خورشید عالم، خلیل الزماں، خورشید خضر، لالی چودھری، لطافت حمزوی، پرویز جعفری، ظفر عباس، رضیہ فصیح احمد، آفاق خیالی، اشرف میاں، جاوید زیدی، حسن چشتی، آزاد لکھنوی، اعجاز ہاشمی، کامریڈ نسیم سرور، فرحت شہزاد، سردار سوز، حارث نثار، ڈاکٹر عبداللہ، افتخار نسیم، اقبال حیدر، اطہار کاظمی، تقی عابدی، جوش مندورئی، جاوید عالما اور ڈاکٹر رفیق جان جو بڑے ادب دوست ہیں اور میرے حق میں مسیحا سے کم نہیں۔

ہیں یوں تو وقت کے دھارے میں خود کو چھوڑے ہوئے
پہ اپنے حال کو ماضی سے بھی ہیں جوڑے ہوئے
یہ خوش گمان بھی ہیں اور ڈر کے مارے بھی
ہیں مذہبی بھی مگر سیم و زر کے مارے بھی
نیا وطن ، نیا ماحول اور نئی تہذیب
میانِ مشرق و مغرب پھنسے ہوئے ہیں غریب
سبھی کو فکر، اب ان کی شناخت کیا ہوگی؟
اب اُن کی نسلوں کی تہذیبی ساخت کیا ہوگئی؟

O

انہیں دکھائے کوئی ابّ وجد کا آئینہ
ازل سے تا بہ ابد، جزر و مد کا آئینہ
وطن کو جس نے بھی چھوڑا، کہیں کا وہ نہ رہا
فلک کا ہو تو ہو لیکن زمیں کا وہ نہ رہا
گزرتے وقت نے حُلیہ بدل دیا سارا
رواج و رسم کا نقشہ بدل دیا سارا
حسب نسب کی روایت برائے نام رہی
زبان اور ثقافت بھی بے مقام رہی

یہ وہ قلَق ہے کہ اس کا علاج کوئی نہیں
گزشتہ 'کل' کے مقدر میں 'آج' کوئی نہیں

۴۴

میں لوٹتے ہوئے لندن میں ہفتہ بھر ٹھہرا
کہ میرے دل پہ تھا اُس شہر کا اثر گہرا
بزرگ اُس کو 'ولایت' کا نام دیتے تھے
تمام شہروں میں اعلیٰ مقام دیتے تھے
یہ شہر، 'قبلۂ حاجات' بھی رہا برسوں
ہمارا محورِ **'درجات'** بھی رہا برسوں
ہمارے حاکم و آقا یہیں تو رہتے تھے
'بزرگ' ہم انہیں بعد از خدا بھی کہتے تھے
ہمارے شاہ، وڈیرے، نواب اور راجا
بجاتے رہتے تھے اُن ہی کے نام کا باجا
یہ شہر تھا جو کبھی 'سامراج' کا مسکن
ہمارے پاؤں کی زنجیر، قوم کا دشمن

درجات۔ میں نے اکثر مقامات پر قافیے کو 'غزل' کے اصولوں کا پابند نہیں رکھا کہیں صرف 'آہنگ' کو ٹوٹ رکھا اور کہیں ان رعایتوں سے بھی استفادہ کیا ہے جو بعض اساتذہ کے کلام میں نظر آتی ہیں۔

وہی تھا آج نئی روشنی کا پیغمبر
وہیں کے علم سے ہم تم بنے ہیں دانشور
نیا شعور، نئی آگہی نئے افکار
نئی نگاہ، نئے خواب اور نیا پندار
وہیں پہ 'سیّد' و اقبال نے جِلا پائی
وہیں ہوئی مرے **ٹیگور** کی پذیرائی
وہیں پہ **'مارکس'** نے اینگلز کی رفاقت میں
نئے جہاں کو' نئی فکر دی 'معیشت' میں
وہ فکرِ نو، وہ نئے انقلاب کی بنیاد
وہ جس نے کردیا، صدیوں کے ذہن کو آزاد
وہ فلسفہ ، وہی تاریخ کا نیا ادراک
وہ جس نے دے دیا انسان کو دل بیباک
وہ جس کی شان میں اقبالؔ نے بھی لکھا تھا
'نبی نہ تھا پہ بغل میں کتاب رکھتا تھا'

سید۔سرسید۔ **ٹیگور**۔رابندر ناتھ ٹیگور کو 'گیتانجلی' پر نوبل پرائز دیا گیا۔ **مارکس**۔کارل مارکس وفریڈرک اینگلر (داس کیپٹال کا مصنف) جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا۔

آں کلیم بے تجلی، آں مسیحِ بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب

وہ 'دیدہ' در بھی ، اسی خاک میں ہے محوِ خواب
جو دے گیا ہے زمانے کو ایک 'زندہ کتاب'
میں سب سے پہلے گیا تھا ، اُسی کی تربت پر
ہمیشہ ناز رہا مجھ کو جس کی قربت پر
میں اُس کے بعد گیا **'شیکسپیئر'** کے گاؤں بھی
اور اپنے سر پہ رکھی اس کے گھر کی چھاؤں بھی
پھر اس کے بعد ہی ٹیگور کا مکاں دیکھا
اور اپنے حضرتِ اقبال کا نشاں دیکھا
میں ایچ جی **'ویلز'** کے گھر بھی گیا **'بکنگھم'** بھی
نئے پرانے زمانے کا دیکھا سنگم بھی
میں **ٹیٹ** گیلری و **میوزیم** بھی دیکھ آیا
اور انڈیا کا بھی دیکھا **'عظیم سرمایہ'**
وہاں ہیں ہند کی صدیاں ، ورق ورق روشن
ہر ایک کتاب ہے ماضی و حال کا مخزن
ہر ایک راز میں ہیں کتنے رازپوشیدہ
کہیں ہے دیدۂ وا تو کہیں ہے دُزدیدہ

دیدہ۔کارل مارکس کا اسٹیچواس کے مزار پر نصب ہے اور اس کا مشہور فقرہ بھی جو دنیا بھر کے محنت کش انسانوں کو خوبصورت مستقبل کی نوید دیتا ہے۔ **شیکسپیئر**۔ولیم شیکسپیئر کا مکان اسٹیٹ فورڈ میں ہے۔ **ویلز**۔جس نے مستقبل کے امکانات پر انگریزی میں بڑے ناول لکھے۔ **بکنگھم**۔پیلس (برطانوی بادشاہوں کے محل) **ٹیٹ**۔آرٹ گیلری (کلاسکی اور اولڈ ماسٹرز کی پینٹنگز) **میوزیم**۔آثار قدیمہ (دنیا بھر کے عجائبات) **عظیم سرمایہ**۔انڈیا آفس لائبریری (مشہور کتب خانہ)۔

فرنگیوں کی سیاست ہو یا ہماری ہو
کوئی شکار کسی کا، کوئی شکاری ہو
ہر ایک جال کا احوال ہے کہیں نہ کہیں
ہر ایک جرم کا اقبال ہے کہیں نہ کہیں
عجب خزانہ ہمارا دیارِ غیر میں ہے
ہر ایک فسانہ ہمارا دیارِ غیر میں ہے

O

تھے میرے ساتھ ضمیرؔ و قتیلؔ و عالیؔ بھی
فنا بھی ساتھ تھیں، وہ شاعرہ مثالی بھی
مشاعرے بھی ہوئے، 'یار' بھی پرانے ملے
کسی مکاں، کسی پب میں، کسی بہانے ملے
کبھی حبیبؔ ملے، افتخارؔ و ساقیؔ بھی
معینؔ و اکبرؔ و عمرانؔ و بخشؔ و کھیتیؔ بھی
کبھی سحابؔ کبھی شاہدہ، کبھی شبنمؔ
کبھی حمیدہ و بانو ملیں، مگر کم کم

یار۔ (لندن کے اہلِ قلم) حبیب حیدرآبادی، ساقی فاروقی، معین الدین شاہ، اکبر حیدرآبادی، عمران الارشد، راج کھیتی، سحاب قزلباش، شاہدہ احمد، صدیقہ شبنم، حمیدہ معین رضوی، بانو ارشد، عابد نامی، رضا علی عابدی، قیصر تمکین، عاشور کاظمی۔ ضیاء الدین شکیب، بخش لائلپوری، عقیل دانش، ساحر شیوی، نور جہاں نوری اور انور شیخ وغیرہ۔

کبھی وہ عابدؔ نامی، وہ عابدِ مخمور
کبھی رضاؔ، کبھی تمکینؔ ملے، کبھی عاشورؔ
وہاں بھی تھے وہی جھگڑے جو ہندو پاک میں ہیں
نہ جانے کیسے عناصر ہماری خاک میں ہیں
سوائے چند، وہاں بھی وہی تھا سب کا حال
وہی عجم کی کہانی، وہی عرب کا حال
کہ دوسروں کی بُرائی سے جی نہیں بھرتا
اور آپ اپنی بڑائی سے جی نہیں بھرتا
وہاں بھی سدت و گریباں تھے ہم بفضلِ خدا
کسی کا کعبہ الگ تھا، کسی کا قبلہ جدا

O

یہ نفسیات ہے شاید ہم 'اہلِ اردو' کی
ہماری خاک میں تفریق ہے من و تو کی
نہ جانے 'نام' کا خوں میں اثر سرایت ہے
کی 'لشکری' ہیں تو 'لڑنا' ہماری فطرت ہے

لشکری۔ اردو (ترکی زبان میں لشکر کو کہتے ہیں جس کا کام 'لڑنا' ہے اور سندھی میں مجمع اور بھیڑ کے ہیں جو 'محبت' کی علامت ہے، یہ لفظ سندھ سے ترکی گیا تھا)۔

زمیں کو پہلے بھی ہم نے نہیں تھا اپنایا
زباں کو 'ہندوی' کہنا ہمیں نہیں بھایا
نہ 'گوجری' ہمیں بھائی نہ 'دکنی' ہم کو
زبانِ جہل دکھائی دی 'پوربی' ہم کو
زباں کا نام ہمیں **'ریختہ'** پسند آیا
پسند آیا بھی ہم کو تو کیا پسند آیا
یہ 'ریختہ' ہی کا احساس لاشعوری ہے
جو ہم نے سوچا' اِک 'اعزاز' بھی ضروری ہے
تو **'شاہی'** فوج کی ہم نام ہوگئی یہ زباں
اُسی حوالے سے پھر عام ہوگئی یہ زباں
یہ لفظ،فوج سے منسوب یا 'ہجوم' سے ہے
وہی ہے رشتہ جو'نیرو' کا اپنے 'روم' سے ہے
جو **'حکمران زباں'** کا پہن لیا تھا 'لباس'
تو ہم میں جاگ اٹھا، 'حاکمانہ' اک احساس
نہ صرف لفظ، سب اعراب دوسروں کے ہیں
ادب کے جتنے ہیں آداب، دوسروں کے ہیں

ریختہ۔گری پڑی۔**شاہی**۔اردوئے معلّیٰ (اعلیٰ فوج) **حکمران زباں**۔فارسی۔اردو کا رسم الخط فارسی ہے (خط نستعلیق)

'قواعد' اپنی تو الفاظ فارسی سے لیے
زباں برتنے کے سب راز' فارسی سے لیے
اسی پہ بس نہیں، پیرایہ، سخن بھی لیا
عروض ہی نہیں ،حسن و جمالِ فن بھی لیا
کہیں بہ فخر، ادب میں کیا یہ ہم نے عمل
کہیں تو ہو گئے بالکل ہی **تابع** مہمل
عوامی ہوکے **'عوامی'** نہ رہ سکی یہ زباں
یہ کارِ سؤد کیا تھا کہ ہم نے کارِ زیاں
نہ'لوک گیت' ہمارے رہے ، نہ'لوک ادب'
عجم کے ہو کے رہے ہم،نہ ہم نشین عرب
لچر لگی ہمیں 'دکنی و پوربی' بھاشا
اسی لیے کہیں 'تولہ' ہیں ہم کہیں 'ماشا'
جہاں جہاں بھی ہیں اردو کے بولنے والے
سبھی ہیں خود کو 'ترازو' میں تولنے والے
ہر آئینے میں فقط اپنا عکس دیکھتے ہیں
اور اپنے گِرد' ستاروں کا **'رقص'** دیکھتے ہیں

قواعد۔برصغیر کی سبھی زبانوں کی جو قواعد ہے وہی اردو کی ہے،فارسی افعال میں تذکیر و تانیث کا فرق نہیں ہوتا۔**تابع**۔فارسی کی آندھی تقلید کے سبب اردو شاعری میں محبوب کا تصور ہی بدل گیا ہے ہم اس کے لیے 'تذکیر' کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔**عوامی**۔اردو میں فارسی اور عربی کے الفاظ اور تراکیب کی زیادتی نے اسے مقرّس و معرّب بنا دیا اور ہمارا شعر و ادب عوام سے دور ہو گیا۔**رقص**۔صوتی قافیہ۔

بہ زعمِ خود ہیں 'بڑے' اور دوسرے 'بونے'
چنانچہ ہم کہیں 'آدھے' ہیں اور کہیں 'پونے'

O

ادب کا فیصلہ اہلِ ادب ہی کرتے ہیں
دوٹوک کرتے ہیں صاحب، وہ جب بھی کرتے ہیں
یہ حلقہ بندی، یہ تحسینِ باہمی کے گروپ
نہ ان کے قبضے میں چھاؤں، نہ ان کے قبضے میں دھوپ
یہ وقت ہے جو سبھی کا حساب رکھتا ہے
ہر اک سوال کا اپنا جواب رکھتا ہے

O

بگڑ سکا 'نہ' ولؔی کا' نہ میرؔ کا کچھ بھی
نہ شیفتہؔ نے بگاڑا' نظیرؔ کا کچھ بھی

نہ۔ولی دکنی، محمد تقی میر، نواب مصطفےٰ خان شیفتہ، نظیر اکبر آبادی ('گلشن بے خار' میں شیفتہ نے نظیر کا ذکر بہت برے الفاظ میں کیا ہے) مرزا یاس یگانہ چنگیزی (یگانہ نے علامہ اقبال کے لیے بھی مبتذل اشعار کہے ہیں۔

اسٹیج کا شاعر ہے نہ چوراہے کا
لیتا ہے قلم سے کام چرواہے کا
کہتے ہو جو تم میں بھی وہی کہتا ہوں
اقبالؔ 'اِک بال' ہے مگر کاہے کا

یگانہؔ لکھ گئے 'غالب شکن' تو حاصل کیا!
کہیں کھڑے ہیں وہ اقبالؔ کے مقابل کیا ؟
سلیم نے بھی لکھی اک کتاب 'غالبؔ کون؟'
تو لوگ کہتے تھے، کس سے ہوا مخاطب کون!
ہزار طرح گھٹایا جنابِ جوشؔ کا قد
کسی کے کام نہ آیا کسی کے دل کا حسد
ہو 'سحر و ساحری' یا 'برّشِ قلم' کوئی
ذلیل ہو بھی سکا اِن سے محترم کوئی؟
کسی کی 'ہجو' ہو یا کوئی 'شرمناک کلام'
لکھا ہے جس نے، اُسی کا نسب ہوا بد نام
ملی ہے ہم کو روایت یہ اپنے پُرکھوں سے
چلی ہے سینہ بہ سینہ اُنہیں بزرگوں سے
کبھی وہ ہم سخنوں کا مذاق اڑاتے تھے
'دوپٹہ اوڑھ' کے خود 'ریختی' سناتے تھے

سلیم۔سلیم احمد۔**جوش**۔حضرت جوش کے بارے میں 'ساقی' کا 'جوش نمبر' اور 'جسارت' کے کالم۔**سحر و ساحری**۔جمیل نظر اور شمیم احمد کی کتابیں۔**ہجو**۔اردو شاعری کی مخصوص صنف جو دوسروں کا مذاق اڑانے میں ابتدال تک جا پہنچی۔**شرمناک کلام**۔یہ کلام زبانی دوسروں تک پہنچتا ہے مگر آج کل دوسرے ممالک میں، کمپیوٹر پر کمپوز کر کے دوسروں تک پہنچایا جاتا ہے میں نے ایسا کلام بنگلہ دیش (ڈھاکہ) میں بھی پڑھا ہے اور لندن میں بھی، پاکستان اور ہندوستان میں تو ایسی شاعری بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے۔**دوپٹہ اوڑھ**۔عورتوں کی زبان میں مردوں کی شاعری (رنگین اور جان صاحب وغیرہ کے دیوان بھی ہیں)

کیا ہے برسرِ دربار، مسخرہ پن بھی
لبھاتے رہتے تھے وہ بیگمات کا من بھی
نہ پوچھئے کی تھا بین السطور میں کیا کچھ
چھپائے رکھتے تھے وہ لاشعور میں کیا کچھ
یہ 'ریختہ' کا کرم ہے کہ 'ریختی' کا صلہ
کہ مل رہا ہے یہ احساس کمتری کا صلہ
جہاں جہاں بھی ہے اردو، وہاں یہ رنگ بھی ہے
کہ تیغ ہے نہ سپر اور بہم 'یہ' جنگ بھی ہے

۴۵

میں انڈیا تو کئی بار جا چکا تھا مگر
نصیب ہو نہ سکا تھا دکن کی سمت' سفر
مگر جو اب کے گیا، **'عرصۂ دراز'** کے بعد
تو مختلف نظر آیا تھا **'حیدرِآباد'**
وہاں رہا تھا میں' پہلے بھی صرف **'تین'** ہی سال
مگر وہیں سے ہیں منسوب میرے سب اعمال

یہ۔دنیا میں جہاں اردو والے ہیں،حسبِ روایت آپس میں لڑتے ضرور ہیں اور یہ لڑائی ادبی وعلمی کم، ذاتیات سے متعلق زیادہ رہتی ہے
۔**عرصہ دراز**۔(پورے ۳۵ سال) **حیدرآباد**۔اضافت سے کام لیا ہے(ضرورت شعری) **تین**۔(ستمبر ۱۹۴۷ء تا دسمبر ۱۹۵۰ء) میرا آبائی شہر اورنگ آباد ہے جواب مہاراشٹر میں ہے اور وہاں کی سرکاری زبان مرہٹی ہے)۔

وہ حوصلہ جو ہے اب تک مرا رفیقِ سفر
وہ عزم ہے جو ابھی تک چراغِ راہ گزر
کسی بھی بادِ مخالف سے اس کی لَو نہ بجھی
اندھیری رات میں بھی اس دیئے کی ضو نہ بجھی
ہزار دوست نما دشمنوں کی زد میں رہا
مگر چراغ مرا، 'عرصۂ ابد' میں رہا
میں جو بھی ہوں، مجھے اپنی خبر بھی ہے کچھ کچھ
مرے جہان پہ، میری نظر بھی ہے کچھ کچھ
چُنی ہیں میں نے بھی کچھ سیپیاں کنارے پر
(مبادا ان میں بھی پوشیدہ ہو کوئی گوہر)
میں جانتا ہوں،جو تخلیق کر رہا ہوں میں
بس اپنے آپ کی تحقیق کر رہا ہوں میں

O

مجھے بلایا گیا تھا، **مشاعرے** میں وہاں
تمام ہند کے تھے جمع، شاعرِ غرّاں

مشاعرے۔اردو ٹرسٹ کا سالانہ انڈو پاک مشاعرہ۔

جناب عابد 'علی' خاں کا میہماں تھا میں
تھا اپنے شہر میں لیکن وہاں کہاں تھا میں
ہر ایک چیز تھی میری،مگر نہ تھی میری
نظر تھی میری، متاعِ نظر نہ تھی میری
وہ میرے دوست، مرے مہرباں بزرگ تمام
وہ جن کے سائے میں گزرے تھے میرے صبح وشام
وہ جن کی ذات تھی، آئینہ میرے ماضی کا
وہ جن کی ذات تھی، گنجینہ میرے ماضی کا
فلک کا بوجھ اٹھائے ہوئے بہ عزمِ بلند
زمیں پہ پاؤں جمائے ہوئے بہ عزمِ بلند
وہ جھک کے چلتے کہ اُن کی بڑائی اِس میں تھی
اکڑ نہ تھی کہ بہت جگ ہنسائی اِس میں تھی
دکھائی دیں مجھے ہر سُو بلندیاں کیا کیا
نشیب میں بھی، بہ عظمت تھی پستیاں کیا کیا
جو بچّے تھے وہ بڑے ہوگئے تھے اب سارے
کہیں پرانے، کہیں پر نئے تھے نظارے

علی۔ مدیر و مالک روزنامہ 'سیاست' حیدرآباد دکن 'علی' میں 'ع' کی آواز 'الف' کے مترادف کہ عمومی تلفظ یہی ہوتا ہے (اکثر 'اسم خاص' میں، میں نے اسے روا رکھا ہے)

ہر ایک چیز تھی میری، مگر نہ تھی میری
نظر تھی میری، متاعِ نظر نہ تھی میری
نہ راستے نہ محلّے نہ کوچہ و بازار
نہ **گولکنڈہ** نہ **موسیٰ ندی** نہ **چار مینار**
نہ **میوزیم** نہ کتب خانہ اور نہ 'اردو گھر'
نہ جامعہ نہ **کلیسا** نہ مسجد و مندر
بس اک محلّہ **ہری باؤلی** تھا جس کا نام
جہاں ملا تھا مجھے زندگی کا اک 'انعام'
خدا کا تحفہ ، مقدر کی 'آخری سوغات'
'مری حیات' مری کائنات، میرا ثبات'
وہ شام، ہاں وہ مری سب سے خوبصورت شام
وہ جس کے ساتھ بسر کی ہے میں نے عمر تمام
وہ شب، زمین پہ جنت کے خواب کی تعبیر
(جو میری آنکھوں میں روشن ہے صورتِ تصویر)

گولکنڈہ۔ قطب شاہی دور کی یادگار (قلعہ گولکنڈہ) **موسیٰ ندی**۔ شہر کے بیچ سے جو ندی بہتی ہے اسے 'موسیٰ ندی' کہتے ہیں (اس کی طغیانی مشہور ہے) **چار مینار**۔ حیدرآباد دکن کی خاص پہچان جو شہر کے قلب میں ہے۔ اس کے اطراف 'پتھر گٹی' کا بہت بڑا بازار ہے۔ **میوزیم**۔ سالار جنگ میوزیم، کتب خانہ آصفیہ، اردو گھر (نیا کتب خانہ) جامعہ عثمانیہ (جہاں تمام علوم کی تعلیم اردو میں دی جاتی تھی، یہ کام اب ابوالکام آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی انجام دے رہی ہے) **کلیسا**۔ حیدرآباد دکن میں تمام مذاہب اور فرقوں کے لوگ بھائیوں کی طرح محبت کے ساتھ رہتے تھے۔ وہاں کا معاشرہ مذہبی رواداری کا بہترین نمونہ تھا۔ **ہری باؤلی**۔ مغل پورہ کے اس محلے میں میری شادی ہوئی تھی (۱۴ فروری ۱۹۴۹ء) اس تاریخ کو دنیا بھر میں Valentine Day کے طور پر منایا جاتا ہے جو محبت کرنے والوں کا دن ہے۔

وہ ایک حجلۂ گلرنگ، رشکِ گوشۂ خلد
تمام عمر کا حاصل، متاعِ توشۂ خلد
وہ دو دلوں کے روابط کی اوّلیں منزل
وہ زندگی کے نئے دور کی حسین منزل
اُسی محلے کے چھوٹے سے اِک مکاں کی عطا
مری زمیں کو، خداوندِ آسماں کی عطا
وہی عطا، وہی سوغات دیکھنے کے لیے
برس برس کے وہ لمحات دیکھنے کے لیے
دیارِ پاک سے ہندوستاں میں آیا تھا
میں اپنے 'گھر' سے پھر اپنے 'مکاں' میں آیا تھا

O

خدا کا شکر، مجھے وہ محبتیں بھی ملیں
جو چھوڑ آیا تھا میں، وہ رفاقتیں بھی ملیں
وہ میرے یار، مرے دوست، میرے جان وجگر
عزیز قیسی و مغنی تبسم و انور

عزیز۔عزیز قیسی مغنی تبسم، انور معظم، شاذ تمکنت، امیر احمد خسرو، سعادت نظیر، کنول پرشاد کنول، زبیر رضوی، وحید اختر، س الف عشرت، سری نواس لاہوئی، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، محبوب حسین جگر (ابراہیم جلیس اور مجتبی حسین کے بڑے بھائی) کامریڈ افتخار، اختر حسن، واجدہ تبسم، جیلانی بانو، شفیق فاطمہ شعریٰ، ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، زینت ساجدہ، رضیہ اکبر، (فارسی کی پروفیسر اور محقق) ☆☆☆

تھے شاذ تمکنت و خسرو و سعادت بھی
کنول، زبیر، وحید اختر اور عشرت بھی
سری نواس جو سب کے لیے تھا ''لاہوٹی''
مگر میں کہتا تھا اس کو ہمیشہ ''لاہوتی''
جناب گوڑ، جنہیں دیکھنے کی حسرت تھی
جگر، وہ ذات، سراپا جو اک محبت تھی
وہ کامریڈ کہ تھا افتخار جس کا نام
عوام دوست، وہ اختر حسن، مدیر ''عوام''
وہ فخر و نازِ دکن، 'واجدہ' و 'جیلانی'
وہ مہر و ماہِ دکن، 'واجدہ' و 'جیلانی'
شفیق فاطمہ شعریٰ سی اک سخنور بھی
رفیعہ، سیّدہ جعفر بھی، رضیہ اکبر بھی
رؤف خیر بھی، خیرات اور مضطر بھی
ہمارے نصرت و مصحف بھی، راشد آذر بھی
سبھی پرانے نئے شاعر و ادیب ملے
جو دور رہ کے بھی، دل کے بہت قریب ملے

☆☆☆ رؤف خیر، خیرات ندیم ،مضطر مجاز (شاعر۔علامہ اقبال کے فارسی کلام کے منظوم تراجم کیے) نصرت محی الدین (مخدوم کے فرزند) اقبال توصیفی، راشد آذر، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، عبدالقادری سروری، مخدوم محی الدین، سکندر علی واجد عالم خوندمیری، حسینی شاہد، فضل الرحمٰن، اشفاق حسین، سلیمان اریب اور سرور ڈنڈا (دکنی زبان کا مزاح نگار شاعر)۔

مگر تھے کتنے جنہیں ڈھونڈتی رہیں نظریں
وہ جن کی دید سے محروم ہی رہیں نظریں
وہ جن کی 'آنکھوں' سے دنیا کو میں نے دیکھا تھا
وہ جن کے 'ذہن' سے ہر مسئلے کو سمجھا تھا
وہ میری روح میں آباد، اساتذہ سارے
جہانِ علم و ادب کے بلند مینارے
محقّق اور مفکّر' وہ شاعر اور نقاد
وہ جن کے نام سے روشن تھا 'حیدرِآباد'
اب اُن کی یاد ہے اور اُن کی زندہ تحریریں
اب اُن کے خواب ہیں اور کھوئی کھوئی تعبیریں

O

مشاعرہ ہوا اور ایسا یادگار ہوا
جو بے قرار تھا دل اور بے قرار ہوا
رہا تھا مجھ میں عجب اضطراب کا عالم
کہ میں ہنسا بھی تو آنکھیں رہیں مری پُرنم
میں سوچتا تھا کہ دنیا میں جتنے انساں ہیں
سبھی کا ہے کوئی مذہب، سب اہلِ ایماں ہیں

خدا بھی سب کا ہے، دوزخ بھی اور جنّت بھی
سبھی کا اپنا عقیدہ ہے وجہِ راحت بھی
ہر اک عمل ہے گناہ و ثواب کا پابند
سبھی کو شر سے ہے نفرت، سبھی کو خیر پسند
کوئی نبی، کوئی اوتار ہو، ولی کہ امام
کوئی ہو سنت کہ سادھو کہ صوفیائے کرام
سبھی کی ایک سی تعلیم، ایک سا ہے پیام
سبھی زبانوں پہ اک نام ہے، خدا کا نام
سبھی تھے اپنے زمانے کے انقلابی لوگ
برس برس کے اندھیروں میں 'آفتابی لوگ'
سبھی خدا کے پرستار، آدمی کے رفیق
سب اپنی ذات میں اپنے مقام کی تصدیق
مِلا اُنہیں سے ہمیں زیست کا نیا ادراک
مقامِ آدمِ خاکی ہے کیا تہہِ افلاک؟
یہ کائنات ہے کیا؟ مظہر محبت ہے
اور آدمی کی محبت ہی اک عبادت ہے
تو پھر یہ جنگ وجدل کیوں ہیں،نفرتیں کیوں ہیں؟
خدا کے بندوں میں ایسی خباثتیں کیوں ہیں؟

عوام تو سبھی یکساں ہیں ، اُن کا غم بھی ایک
اور اُن پہ طاقت و دولت کا ہے ستم بھی ایک
نہ اُن کو رزق میسر، نہ گھر نہ تن پوشی
ازل سے اُن کا مقدر ہے صبر و خاموشی
انہیں کسی سے ہے کیا دشمنی کہ جنگ کریں
اور اپنے عرصۂ ہستی کو خود پہ تنگ کریں
عوام سارے جہاں کے شریف ہوتے ہیں
بہت ہی سادہ مزاج و لطیف ہوتے ہیں
جہاں جہاں بھی ہیں جمہور، صاحبانِ شعور
وہاں کا اور ہی عالم ہے اور ہی دستور
مثال دیکھئے امریکہ اور کناڈا کی
وہاں کسی کو ضرورت نہیں ہے 'ویزا' کی
سنا ہے ایسا ہی یورپ میں ہونے والا ہے
وہاں بھی اہلِ محبت کا بول بالا ہے
ہمارے ملک بھی کاش اُن کی پیروی کرتے
انہیں کی طرح کھُلے دل سے زندگی کرتے
برا ہے کیا جو رہیں ہم پڑسیوں کی طرح
خدا کے سائے میں سب لوگ بھائیوں کی طرح

وہی زمیں ہے، وہی آسماں ہے، ہم بھی وہی
'رحیم و رام' کا صدیوں سے ہے کرم بھی وہی

۴۶

'زباں' پہ بارِ خدایا، یہ کس کا نام آیا'
یہ کس زمیں پہ کھڑا ہوں، یہ کیا مقام آیا
یہ شہر جس کو سب **'اورنگ آباد'** کہتے ہیں
یہاں پہ صدیوں سے میرے بزرگ رہتے ہیں
یہ شہر--یہ مری تاریخ کا حسیں مخزن
یہ شہر--میرے وؔلی و سراؔج کا مامن
یہ شہر--یہ مرے خواب و خیال کا درپن
یہ شہر--اس میں ہے اب بھی کہیں مرا بچپن
یہ شہر--میری جوانی کی سرکشی کا امیں
یہ شہر--میرے ہر اک غم' ہر اک خوشی کا امیں
یہ شہر--میری محبت کا راز دار بھی ہے
یہ شہر-- میری غریبی کا **'پردہ دار'** بھی ہے

زباں۔غالب کا مصرعہ۔**اورنگ آباد** (عمومی تلفظ)۔ **پردہ دار**۔قافیہ کے سلسلے میں 'غیر ضروری' روایتی پابندی (حرفِ روی وغیرہ) سے گریز کیا گیا ہے۔

یہ شہر۔۔مجھ پہ ہیں اس شہر کے بہت احساں
کہ میری ماں، میرے ابّا کی قبر بھی ہے یہاں

O

میں اپنے شہر میں سن ساٹھ میں بھی آیا تھا
پہ اُن دنوں مرے ابّا کا سر پہ سایہ تھا
جو اب گیا تو نہ **'والد'** تھے اور نہ میرے سُسر
بس اِک چچا تھے ضعیف' اور سارا گھر
مرے نصیب کہ اب اُن کی قبر دیکھ آیا
میں اُن کا آخری دیدار بھی نہ کر پایا
تمام **'بھائیوں بہنوں'** میں تھا میں سب سے بڑا
(اور اب مِلا بھی تو پچّیس سال بعد مِلا)
وہ سب تھے میرے، مگر کوئی بھی نہ تھا 'میرا'
عجیب طرح کی بیگانگی کا تھا ڈیرا
مکاں بھی ایک تھا لیکن بہم مکیں تھے جدا
لہو بھی ایک تھا ہم سب میں اور ہمیں تھے جدا

والد۔میرے والد کا انتقال ۱۹۷۰ء میں ہوا تھا۔ **بھائی بہن**۔میرے چار بھائی اور دو بہنیں اب بھی وہاں ہیں (میر عنایت علی۔میر مجاہد علی۔ ڈاکٹر شوکت شعور۔میر آصف علی۔فرزانہ لیاقت علی اور شاہین اقبال)

ہمارے ملک الگ اور جدا 'وفاداری'
ہر اک عمل پہ ہمارے تھی مُہر۔ 'سرکاری'
نہ جانے کتنے کھٹن دور آئے اور گئے
نہ جانے کتنے ملے دکھ' پرانے اور نئے
نہ جانے ڈوب کے کس بحرِ غم سے ابھرے تھے
چلے کہاں سے تھے، کن ساحلوں پہ اترے تھے
دیارِ پاک میں، میں اپنے مسئلوں کا شکار
دیارِ ہند میں اُن سب کی مشکلات ہزار
اگرچہ، ایک ہی جغرافیہ تھا، ایک عمل
وہی ردیف، وہی قافیہ، وہی تھی غزل
جو دیکھئے تو کوئی فاصلہ نہ دوری تھی
مگر تھی دل میں کوئی بات، جو ادھوری تھی
قریب رہ کے بھی ہم لوگ دؤر دؤر رہے
کہ بے پیئے کسی نشے میں سب ہی چؤر رہے

O

عوام تو سبھی معصوم و نیک ہوتے ہیں
غریب لوگ کہیں کے ہوں، ایک ہوتے ہیں

سیاستوں کی یہ بازی گری ہے، کیا کیجئے
خدائے پاک سے' سب کے لیے دعا کیجئے
وہ ہند و پاک ہوں یا **'بنگلہ دیش'** ہو اپنا
خدا کرے کہ ہو پورا ہر ایک کا سپنا

O

میں اپنے شہر گیا تو مرے رفیقوں نے
نئے پرانے سبھی شاعروں ادیبوں نے
کچھ اتنے پیار سے مجھ کو خوش آمدید کہا
وہ 'بھارتی' ہیں کہ 'پاکی'؟ میں سوچتا ہی رہا
تھے اُن میں سِکھ بھی، مسلماں بھی اور ہندو بھی
مرے لیے تھی سبھی میں' زمیں کی خوشبو بھی
سبھی نے مجھ کو نوازا، بہت ہی پیار دیا
اور 'آدمی' کا مرے دل کو اعتبار دیا
وہاں کے اک **'بڑے اخبار'** نے بصد اخلاص
نکالا تھا مرے بارے میں اِک 'شمارۂ خاص'

بنگلہ دیش۔عمومی تلفظ۔ **بڑے اخبار**۔روزنامہ'اورنگ آباد ٹائمز' کا حمایت علی شاعر نمبر (مورخہ ۲ جون ۱۹۸۵ء)

بہت سے اہلِ قلم نے بڑی محبت سے
لکھے تھے مجھ پہ مضامیں' خلوصِ نیت سے
'بزرگ دوست' جناب اختر الزماں ناصر
عزیز خسرو و انور معظم و شاکر
مجاہد اور قمر، ارتکاز اور حسنین
مشیر و نجم کہ ریحانہ افتخار حُسین
سلیم و عصمت و رفعت، بشر، صفی و سعید
شکیل و ہاشم و یوسف، رئیس اور جاوید
یہ سب ادیب' صحافی' یہ سارے اہلِ سخن
کہ جن سے رشکِ فلک ہے مری زمینِ دکن
میں ان پہ جتنا کروں ناز، کم لگے ہے مجھے
کہ ان کا شعر و ادب 'جامِ جم' لگے ہے مجھے

O

یہ شہر کیا ہے مرے واسطے، بتاؤں کیا
یہ میرا آئینہ ہے، آپ کو دکھاؤں کیا

بزرگ دوست (اورنگ آباد کے اہل قلم۔اختر الزماں ناصر عزیز خسرو (اورنگ آباد ٹائمز کے مدیر) ڈاکٹر معین شاکر۔قمر اقبال (غلاشیوں کا مجموعہ 'تتلیاں') ڈاکٹر ارتکاز افضل۔بشر نواز۔ڈاکٹر صفی الدین صدیقی۔جے پی سعید۔محمود شکیل۔میر ہاشم علی۔یوسف عثمانی۔قاضی رئیس ڈاکٹر مجاہد علی۔ڈاکٹر علی رضوان۔جاوید ناصر (اختر الزماں ناصر کے فرزند)

گیا تھا جب تو گماں بھی نہ تھا کہ آؤں گا
میں اپنی آنکھوں سے شہر اپنا دیکھ پاؤں گا
اب آ گیا ہوں تو دل کا عجیب عالم ہے
کہ دل میں لہر خوشی کی ہے، آنکھ پُرنم ہے
یہی سڑک، یہی گلیاں، یہی شکستہ مکاں
اِنہیں میں ہے مرا سب کچھ، یہیں ہوا تھا جواں
یہی محلّہ جسے 'بُڈّی لین' کہتے ہیں
یہاں پہ اب بھی مرے کچھ بزرگ رہتے ہیں
یہاں پہ ایک حویلی ہے 'چِمنا راجہ' کی
جو اپنے دور کی شاید حسیں عمارت تھی
جو آج بھی ہے مگر اک کھنڈر کی صورت ہے
اور اپنے حال میں، ماضی کی اک امانت ہے
سنا ہے اس کا جو مالک تھا، نیک انساں تھا
کہ آدمی کی محبت ہی اُس کا ایماں تھا
وہ اپنی ذات میں مسجد بھی تھا، شوالہ بھی
کہ اپنے 'وید' بھی 'قرآں' کا پڑھنے والا بھی
سنا ہے میرے بزرگوں کا ہم پیالہ تھا
رِشی تھا اور مسلماں کا ہم نوالہ تھا

وہ 'پیپری' کا تھا جاگیردار کہتے ہیں
'نظام' کا تھا اطاعت گزار کہتے ہیں
امیر تھا پہ حقیقت میں ایک 'سادھو' تھا
وہ آدمی تھا۔ 'مسلماں' تھا اور نہ 'ہندو' تھا
وہ جب مَرا تو حویلی تھی اُس کی، سب کے لیے
یہیں ٹھہرتا، جو آتا تھا 'یک دو شب' کے لیے
زمیں پہ کیسی حسیں یادگار چھوڑ گیا
خزاں میں ایک مجسّم بہار چھوڑ گیا
مٹا بھی دے جو زمانہ تو مٹ نہ پائے گی
زمین پر نہ رہے، دل سے کیسے جائے گی
یہ اور ایسی بہت سی عمارتیں ہیں وہاں
بُھلائی جا نہ سکیں، ایسی ساعتیں ہیں وہاں

۴۷

وہ ایک ساعتِ نایاب ، زیست کا حاصل
کہ میں نے دیکھے تھے اک رات، 'دومہِ کامل'
فلک کا 'چاند' تھا وہ تو زمیں کی 'ماہ' تھی یہ
جو دل کو ملاتی ہے ایسی 'راہ' تھی یہ

کسی سے بات کرے 'وہ' نہ دیکھنا چاہے
(مری طرف بھی یونہی اک نگاہ کی، گاہے)
مگر اُس ایک نظر ہی میں کھوگیا تھا میں
نہ جانے کیسے ہوا، اُس کا ہوگیا تھا میں
میں اُس کو دیکھتا اور آپ سوچتا رہتا
اکیلا بیٹھ کے چپ چاپ سوچتا رہتا

O

وہ ہم سِنوں میں سبھی سے تھی مختلف لڑکی
ہو جیسے رسم و روایت سے منحرف لڑکی
نہ جانے تھا اُسے خود پر کوئی غرور کہ ناز
(نہ جانے کیوں مجھے اچھا لگے تھا یہ 'انداز')
وہ اپنے آپ میں گم اور بہت ہی سنجیدہ
میں اک شریر سا لڑکا اور اُس کا گِرویدہ

O

وہ ایک رات کہ وہ بھی تھی پورے چاند کی رات
وہ سو رہی تھی کسی بے خبر ادا کے ساتھ

وہ ایک چھوٹے سے دالان کا کنارا تھا
بس ایک میں تھا اور اک چاند کا سہارا تھا
وہ چاند، **'گاؤں'** کا بھولا سا اورگُم سُم چاند
نہ جانے (جو مرے دل میں تھا اک تلاطُم) چاند
وہیں اندھیرے میں بیٹھا، میں اُس کو تکتا تھا
مرے وجود پہ طاری عجیب سکتہ تھا
میں دیکھتا رہا اُس کو، بہ احتیاط تمام
مجھے خبر نہیں، دو اک پہر کہ رات تمام
کہ میں نے دیکھا، کوئی زلف، رُخ پہ آئی ہوئی
ہو جیسے چاند پہ بدلی سی کوئی چھائی ہوئی
میں بے خیالی میں وہ زلف جب ہٹانے لگا
دھڑک اٹھا مرا دل، ہاتھ تھرتھرانے لگا
نہ جانے کیسے اُسے بھی یہ ہوگیا احساس
کوئی اندھیرے میں بیٹھا ہوا ہے اُس کے پاس
وہ ہڑ بڑا کے اٹھی، چیخنے ہی والی تھی
کہ ہاتھ جوڑ کے میں نے معافی چاہی تھی

گاؤں۔ لاڑسانگوی (اورنگ آباد کے قریب ایک گاؤں جہاں میرے ننھیالی رشتے دار رہتے ہیں۔ ہم لوگ چھٹیاں گزارنے اکثر وہاں جایا کرتے تھے۔ یہ لڑکی (معراج) بھی وہاں آئی ہوئی تھی)

نہ پوچھئے کہ جو عالَم گزر گیا مجھ پر
لگا کہ جیسے کوئی سحر کرگیا مجھ پر
میں کس قدر تھا پریشاں، بتا نہیں سکتا
تھا کتنا خود سے پشیماں، بتا نہیں سکتا
عجب سا دل میں تھااحساس، 'جرم' کا احساس
(نہ جانے میرا تصوّر ہوکیا' اب اس کے پاس!)
کہیں وہ مجھ کو سمجھ لے نہ کوئی **'آوارہ'**
میں جب بھی سوچوں،نظر میں وہی ہو نظارہ
میں کیا بتاؤں کہ کب تک رہا میں شرمندہ
کہ زندہ ہو کے بھی گویا' نہیں تھا میں زندہ

O

تو پھر خدا ہی کو کچھ رحم آگیا مجھ پر
اور اُس کا سایۂ رحمت سا چھا گیا مجھ پر
اُسے بنا دیا 'میرے لیئے' مرے 'رب' نے
رفیق **'چُن لیا'** اُس کے لیے 'مجھے' سب نے

آوارہ۔حیدرآباد میں یہ لفظ 'برے کردار' کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔**چُن لیا**۔میں نے اپنی زندگی کے ان حسین واقعات کا تفصیلی ذکر قسط نمبر۸،نمبر۱۰،نمبر۱۳،نمبر۱۴میں کیا ہے۔اس دور کی اکثر نظمیں میرے مجموعۂ کلام 'آگ میں پھول' اور 'مٹی کا قرض' میں بھی شامل ہیں۔میری شادی اسی لڑکی (معراج) سے ہوئی ہے۔

O

یہ اور ایسی کئی ساعتیں ہیں، جن کی یاد
کیے ہوئے تھیں مرے دل میں اک جہان آباد
میں دیکھتا تھا وہ دن رات، ہوگئے تھے جو خواب
وہ بچپنا، وہ لڑکپن، وہ سراُٹھاتا شباب
شرارتیں، وہ حماقت بھری 'خردمندی'
وہ دوستانہ روابط میں اپنی حدبندی
وہ میرے دکھ، مری خوشیاں، وہ میری تنہائی
وہ میری ذات میں ماضی کی بزم آرائی
میں اپنے شہر میں جتنے بھی دن رہا مہماں
مری نگاہ پہ طاری رہا عجیب سماں

O

کبھی تو مجھ سے مخاطب رہے مرے ابّا
(جو مرتے وقت بھی میرے لیے تھے محوِ دعا)
کبھی لگے کہ مرے پاس ہیں میری امّاں
(کہ جن کے پیار کا بچپن سے تھا مجھے ارماں)

لگے کچھ ایسا کے چپ چاپ تک رہی ہیں مجھے
میں سو بھی جاؤں تو بیٹھی تھپک رہی ہیں مجھے
میں اُن کے چہرے پہ اک غم بھی دیکھتا تھا کبھی
اداس آنکھوں کو پُرنم بھی دیکھتا تھا کبھی
خبر نہیں کہ وہ کیا سوچتی تھیں، کیوں تھیں اداس
کہ اب تو میں نہ تھا وہ، جس کو زندگی نہ تھی راس
میں اب تو خود بھی 'بزرگوں' میں ہو رہا تھا شمار
مگر وہ کرتی تھیں بچّوں کی طرح مجھ سے پیار
تھا اتنا پیار اُنہیں، مجھ کو یہ گماں بھی نہ تھا
اگرچہ اب تو وہاں 'قبر' کا نشاں بھی نہ تھا

O

عجیب ہوتی ہے ماں بھی اور اُس کی ممتا بھی
میں کچھ سہی، مگر اس کے لیے تھا بچّہ ہی

O

میں اپنے شہر میں کیا کچھ نہ چھوڑ آیا تھا
کیے تھے جتنے بھی پیمان، توڑ آیا تھا

عزیز، اقربا، احباب، اساتذہ سارے
محلّے، مدرسے، گلیاں، زمیں کے مہ پارے
اب اُن کو ڈھونڈنے نکلا تو وہ کہیں بھی نہ تھے
وہ خوش گماں بھی نہ تھے، صاحبِ یقیں بھی نہ تھے
'صفی' و وجد تھے زندہ نہ عیش و عثمانی
بچھڑ گئے تھے سبھی شعرائے لاثانی
نئے کچھ اہلِ قلم سر اٹھا رہے تھے ضرور
مگر تھی اُن کے لیے تو ہنوز دِلّی دوٗر
ادب کا کام بہت ضبط و صبر مانگے ہے
مگر یہ نسل بہت جلد اجر مانگے ہے
خدا اُنہیں بھی مقامِ جنوں عطا کردے
نگاہ و دل پہ کوئی بابِ عشق وا کردے

O

میں جب بھی ہند میں جاتا، سبھی سے مل آتا
کہ اُن ادیبوں سے تھا ایک عمر کا ناتا
وہ بمبئی ہو کہ دہلی ہو یا وہ کلکتہ
وہ لکھنؤ ہو کہ بھوپال ہو کہ وہ پٹنہ

صفی۔صفی اورنگ آبادی۔سکندر علی وجد۔عیش فردوسی۔یعقوب عثمانی (اسکول میں میرے استاد تھے)

ہر ایک شہر ہے، علم و ادب کا گہوارہ
جہاں بھی جایئے 'لاہور' کا ہے نظارہ
وہ 'سب بزرگ' جنہیں دیکھنے کی حسرت تھی
وہ سب ادیب کہ جن سے سبھی کو الفت تھی
وہ ہم خیال، وہ ہم عصر و ہم قلم سارے
جو دور رہ کے بھی ہر دم رہے بہم سارے
کئی تو ہو گئے اللہ تعالیٰ کو پیارے
جو ہیں' تو ہوں گے کہیں روزگار کے مارے
کہیں ہوں، دل سے مگر آج تک وہ دور نہیں
جو فاصلے ہیں تو اُن کا کوئی قصور نہیں

۴۸

دیارِ پاک میں تھا اُن دنوں 'ضیا' کا راج
خدا کے نام پہ تھا ایک 'ناخدا' کا راج

لاہور۔ لاہور آج بھی علم وادب کا مرکز ہے۔ **سب بزرگ**۔ (بھارت کے اہل قلم) فراق گھورکپوری، معین احسن جذبی، آل احمد سرور، عصمت چغتائی، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، خواجہ احمد عباس، علی جواد زیدی، اسرارالحق مجاز، سجاد ظہیر، حیات اللہ انصاری، جوگندر پال، مخدوم محی الدین، ساحر لدھیانوی، فکر تونسوی، علی سردار جعفری، مجروح سلطان پوری، کیفی آعظمی، جگن ناتھ آزاد، یوسف ناظم، سلام مچھلی شہری، رشید احمد صدیقی، احتشام حسین، ظ انصاری، اختر الایمان، خواجہ احمد فاروقی، مالک رام، واجد تبسم، قراۃ العین حیدر، گوپی چند نارنگ، راہی معصوم رضا، شمس الرحمٰن فاروقی، مظفر حنفی، ملک زادہ منظور احمد، خلیق انجم، مخمور سعیدی، زبیر رضوی م شاہد ماہلی، افتخار امام صدیقی، عزیز قیسی، ظفر گورکھپوری، شہریار، ندا فاضلی، رفعت سروش، مجتبیٰ حسین، شانتی رنجن بھٹا چاریہ، پرکاش چندر، راجندر سنگھ ورما، بلراج کومل، نریش کمار شاد، پرکاش پنڈت، خلیل الرحمٰن اعظمی، وحید اختر، ابوالفیض سحر، بشیر بدر، ملک زادہ جاوید، گلزار، رامانند ساگر، جاوید اختر، اختر سعید خاں۔ کمال احمد صدیقی، وسیم بریلوی اور ڈاکٹر نسیم فکبت وغیرہ۔ **ضیا**۔ جنرل محمد ضیاء الحق۔

وہ ناخدا جسے طوفان کی خبر ہی نہ تھی
سوائے اپنے کسی اور پر نظر ہی نہ تھی
'وہ اک نگہ' جو بظاہر نگاہ سے کم تھی'
محیطِ ذات تھی لیکن 'محیطِ عالم' تھی
وہ 'تین ماہ' جو 'گیارہ برس' میں ختم ہوئے
بنامِ دیں جو بڑے پیش و پس میں ختم ہوئے
خدا کے نام پہ کیا کچھ دکھا گئے ہم کو
ہمارا ظاہر و باطن بتا گئے ہم کو

O

میں سوچتا ہوں تو تاریخ کے تمام اوراق
نظر میں آئینہ ہوتے ہیں عکس کے مصداق
وہ فرد ہو کہ جماعت، امام ہو کہ عوام
سبھی کی ایک حقیقت، سبھی کا ایک ہی کام
ہر ایک شکل جدا، اندروں مگر یکساں
وہ سانس لیتے بدن، بے نیازِ حرف و زباں
دل و دماغ میں جامد عقیدہ و افکار
کسی کہانی کے سب لوگ' بے عمل کردار

وہ اک نگہ۔ غالب کا مصرعہ (ایک خصوصیت کی طرف اشارہ)۔

O

اُنہیں دنوں میں گیا کچھ عرب ممالک بھی
'سفید خون' بھی دیکھا، دلوں کی 'کالک' بھی
کویت و مسقط و دوحہ (قطر) ہو یا بحرَین
ابوظہبی، دبئی، شارجہ ہو یا العَین
عراق و شام ہو یا اُردن و سعودی عرب
وہ 'مشرقی' تھے پہ 'مغرب' کا آئینہ تھے اب
فلک کو چومتی اونچی عمارتوں کے تلے
عرب سے 'یورپی تہذیب' مل رہی تھی گلے
خدا کا گھر ہو، رسولؐ خدا کا مسکن ہو
نجف ہو یا شہِ کرب و بلا کا مامن ہو
جہاں تھا نور' وہاں تھے بہت اندھیرے بھی
خدا کے سائے میں تھے، ظلمتوں کے ڈیرے بھی

O

کہا تھا حضرتِ **اقبال** نے تو سچ ہی کہا
(جو میری چشمِ گہنگار نے بھی دیکھا تھا)

اقبال۔ علامہ اقبال کی مشہور نظم 'لینن۔ خدا کے حضور میں' کا ایک مصرعہ ہے' گرجوں سے کہیں اونچی ہیں بینکوں کی عمارت'۔

خدا کے گھر سے بھی اونچا تھا بادشہ کا محل
اوراس کے پاس تھے کعبہ سے بھی 'بڑے ہوٹل'
وہاں یہ حال ہو جب تو ہماری بات ہی کیا
(میں اپنے منہ سے کہوں کیا، مری بساط ہی کیا)

O

ہمارے ملک میں بھی احترامِ دیں تھا بہت
جدھر بھی دیکھئے شورِ نظام دیں تھا بہت
مگر عمل کا وہی حال تھا جو ہے ہر سمت
خدا کے نام کا اک 'جال' تھا جو ہے ہر سمت
منافقت کا یہی جال توڑنے کے لیے
'درست سمت' رُخِ قوم موڑنے کے لیے
جنابِ صدر نے دستور میں کی' اِک 'ترمیم'
اُٹھایا 'اپنا عصا' اور لگائی 'ضربِ کلیم'
ہر ایک ضرب پہ اُن کو گمان ہوتا تھا
کہ 'سامری' رہا باقی نہ اس کا 'گوسالہ'

بڑے ہوٹل۔ **کعبہ اللہ** کے قریب ہی (خدا کے گھر سے کئی منزل اونچا) 'شاہی محل' بنایا گیا ہے اور آس پاس فائیو اسٹار ہوٹل بھی اتنے ہی اونچے ہیں۔ **ترمیم**۔ 'قانون ضرورت' کے تحت دستور میں ترمیم کی گئی تھی۔

مگر وہ دانہ کہ جو زیرِ دام باقی تھا
گواہ تھا کہ ابھی سحرِ 'سام' باقی تھا

O

جنابِ صدر کہ 'اسلام' کے تھے شیدائی
سو اپنے دیں کی صدا، دور دور پہنچائی
سنایا 'مجلس اقوام' میں بھی 'قرآں' کو
بہت ہی خوش کیا دنیا کے ہر مسلماں کو
پھر ایک 'مجلس شوریٰ' وطن میں دی ترتیب
نِفاذِ دیں کی نکالی گئی نئی ترکیب
بنامِ دیں ہوئے 'خود منتخب' الیکشن میں
بہار کا کیا سامان 'اپنے' گلشن میں
سیاسی ہو کہ معاشی کہ مالیاتی نظام
ہر ایک شعبے میں رکھا ضرورتاً اسلام
عدالتوں میں اُدھر تھا شریعتی قانون
تو دوسری طرف اپنا حکومتی قانون
ہمارے بینک تھے سودی بھی، غیر سودی بھی
شریک کار، نصاریٰ بھی تھے یہودی بھی

سام۔(امریکہ) زر پرستی کے حوالے سے 'سامری' کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔**قرآں**۔یو این او میں پہلی بار قرآن کریم کی تلاوت کی گئی تھی (یہ ایک 'سیاست' تھی) **خود منتخب**۔جنرل ضیاء الحق کے 'ریفرنڈم' کی طرف اشارہ، جو 'اسلام' اور 'غیر اسلام' کی بنیاد پر منعقد ہوا تھا۔

ہر ایک بینک سے کٹتی تھی 'سُنّیوں' کی زکات
مگر ہوں 'شیعہ' تو اُن کو ملی ہوئی تھی 'نجات'
رقم ہو اپنی ضرورت کی یا کسی کا قرض
مگر یکم رَمَضان کو زکات کٹنا فرض
تو یوں ہوا کے بدلنے لگے **'حلف نامے'**
نئے عقیدے کے داخل ہوئے 'حلف نامے'
حدود و شرع کا مفہوم بھی بدلنے لگا
جو نفع بخش تھا، وہ کاروبار چلنے لگا
رکھی تھی فرقوں کے مسلک کی جو عمل داری
تو ہو گئی تھی عبادت بھی 'کارِ سرکاری'
جو دفتروں میں ادا اک نماز ہوتی تھی
وہ اک 'سیاستِ اہلِ نیاز' ہوتی تھی
تمام فرقوں میں رسّہ کشی سی جاری تھی
بنامِ شرع، حکومت کی پاسداری تھی
بہ 'طرزِ خاص' تھا، رشوت کا شغل بھی جاری
نمائشی تھی ہر اک پارسائی، دینداری

حلف نامہ۔بینکوں کے وہ لاتعداد اکاؤنٹ ہولڈرز جنہوں نے 'فقہ جعفریہ' کے حلف نامے داخل کر کے 'ذکات' سے خود کو بچا لیا تھا۔

وطن کی جو بھی تھی حالت وہ دیدنی تھی بہت
جو 'گفتنی' نہ تھی، وہ بات 'گفتنی' تھی بہت
سو میں نے اپنے 'نبیؐ' سے 'یہ' حالِ زار کہا
جو ہر 'ضمیر' میں اک 'سچ' تھا بے قرار ۔۔کہا

محاسبہ
(بحضور سرورِ کائناتؐ)

حضورؐ، آپ کی امّت کا ایک فرد ہوں میں
مگر خود اپنی نگاہوں میں آج 'گرد' ہوں میں
میں کس زباں سے کروں' ذکرِ اُسوۂ حَسنہ
کہ اہلِ درک و بصیرت، نہ اہلِ درد ہوں میں
میں کس قلم سے لکھوں، سرخیِ حکایتِ عشق
کہ رنگ دیکھ کے اپنے لہو کا۔ 'زرد' ہوں میں
سمجھ سکوں گا میں کیا' سِرّ نُکتۂ معراج
شکست خوردۂ دنیائے گرم و سرد ہوں میں
بہ زعمِ خودؔ تو بہت منزل آشنا ہوں مگر
جو راستے ہی میں اُڑتی پھرے وہ 'گَرد' ہوں میں

یہ۔ یہ نعتیہ نظم 'محاسبہ' کے عنوان سے مئی ۷۹ء کو 'ماہِ نو' (لاہور) میں شائع ہوئی تھی۔ اب 'اعتراف' کے عنوان سے میرے مجموعہ کلام 'ہارون کی آواز' میں شامل ہے۔ (مطبوعہ ۱۹۸۵ء)

عجیب ذوق سفر ہے کہ 'صورتِ پرکار'
جو اپنے گرد ہی گھومے، وہ رہ نورد ہوں میں
دہائیوں سے نچوڑا تھا جس اکائی کو
اب اُس اکائی سے آمادۂ نبرد ہوں میں
بچھا رکھی ہے جو اک 'دستِ مکر' نے ہر سو
اُسی بساطِ سیاست پہ' ایک نرد ہوں میں
میں اپنی ذات میں ہوں' اپنی قوم کی تصویر
کہ بے عمل ہی نہیں، جہل میں بھی فرد ہوں میں

حضورؐ، آپ نے چاہا تھا کیا؟ ہُوا کیا ہے
مگر میں سوچ رہا ہوں، مری خطا کیا ہے

فقط تلاوتِ الفاظ، میرا سرمایہ
پسِ حروف ہے کیا' کب مجھے نظر آیا
کہی تھی آپ نے جو بات استعاروں میں
مرا شعور، کب اُس کا سفیر بن پایا
نہ میں نے جانا کہ 'شق القمر' میں رمز ہے کیا

مری گرفت میں کس طرح آفتاب آیا
سوادِ غیب سے جبریل کی صدا نے مجھے
سماعتوں کے کس ادراک پر ہے اُکسایا
نہ میں نے جانا کہ اک 'عکسِ لاشعور' بھی ہے
جو 'حرف و صُوت' کی صورت ہے میرا ہمسایہ
میں اپنی ذات میں کس طرح ایک 'عَالَم' ہوں
سمجھ سکی نہ کبھی میری فکرِ کم مایہ
نہ میرا عشق ہے، میرے یقین کا حاصل
نہ میری عقل ہے، میرے جنوں کی ہم پایہ
وہی عقائدِ افسوں زدہ، وہی اُسطور
بدل کے شکل، مری عقل کے ہیں ہمسایہ
کُھلے تو کیسے کُھلے مجھ پہ 'معنیِ اِقرا'
کی میرے علم پہ ہے، میرے جہل کا سایہ

نہ میں نے سوچا کہ قرآں کا مدعا کیا ہے
عروجِ آدمِ خاکی ک انتہا کیا ہے

میں بُت پرست نہیں ہوں، پہ بُت شکن بھی نہیں
وہ مردِ تیشہ بکف ہوں، جو کوہکن بھی نہیں
میں کس کے نام لکھوں یہ ستم کہ اہلِ کرم
فقیہ و صوفی و مُلّا ہیں، برہمن بھی نہیں
میں اک چہرہ تھا اور اب 'ہزار چہرہ' ہوں
اب اعتبار کے قابل، مرا سخن بھی نہیں
میں روشنی کے بہت خواب دیکھتا ہوں مگر
اُس انجمن میں، جہاں شمعِ انجمن بھی نہیں
میں فکرِ 'بوذر' و صبر حسینؑ کا ورثہ
گنوا چکا ہوں، تو ماتھے پہ اک شکن بھی نہیں
میں چل رہا ہوں کسی پیرِ تسمہ پا کی طرح
اگرچہ پاؤں میں میرے کوئی رسن بھی نہیں
مرا وجود ہے سنگِ مزار کے مانند
کہ میرے ساتھ مری روح کیا، بدن بھی نہیں
میں 'شہرِ علم' سے منسوب کیا کروں خود کو
کسی کتاب کا سایہ، میرا 'کفن' بھی نہیں
کہا گیا جسے قرآں میں 'بندۂ مومن'
وہ میں تو کیا کہ مرا کوئی 'ہم وطن' بھی نہیں

ہر اُمتی کی یہ فردِ عمل ہے، کیا کیجیے
حضورؐ، آپ ہی ہم سب کا فیصلہ کیجیے

۴۹

مشاعروں کے سبب میں کہاں کہاں نہ گیا
جہاں نہیں تھے مرے ہم زباں، وہاں نہ گیا
میں 'کینیا' بھی گیا اور 'بوٹسوانا' بھی
وہاں کے بارے میں لکھا تھا اک فسانہ بھی
مگر وہ چھپ نہ سکا اور 'نذرِ ڈاک' ہوا
فسانہ ءِ غمِ گیتی تھا، 'رزقِ خاک' ہوا

O

میں رہ چکا ہوں، مہینوں 'جنوبی افریقہ'
مری نگاہ میں ہے اب بخوبی افریقہ
وہ 'زر کی کانیں' ہوں یا 'نیشنل کروگر پارک'
وہ 'گاڈوِنڈو' ہو یا 'سوڈاکیو' گہرے ڈارک

کینیا۔ اگست ۱۹۸۷ء میں 'بزم ادب نٹال' کی دعوت پر میں اور راغب مراد آبادی افریقہ اور دوسرے ممالک گئے اور تین چار مہینے مشاعروں اور ادبی محفلوں کے سلسلے میں قیام کیا۔ **جنوبی افریقہ** کے وہ ممالک جن پر برسوں گوروں کی 'نسلی حکومت' رہی۔ **کانیں**۔ جوہانسبرگ اور دوسرے مقامات پر ہم نے سونے کی کانوں میں اتر کر دیکھا۔ **کروگر پارک**۔ دنیا کے سب سے بڑے سفاری پارک جو میلوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ **گاڈونڈو**۔ بلند پہاڑی پر ایک خوبصورت جگہ جہاں سے نشیب کے مناظر ☆☆☆

وہ 'رام کرشن' کے بھگتوں کا ہو، شوالہ خاص
کہ اپنے اہلِ حرم کے ہوں کچھ' حوالہ خاص
میں اُن کا حال بھی دیکھ آیا اور ماضی بھی
تھے جتنے لوگ، حکومت کے تھے وہ باغی بھی
اسیر اُن دنوں تھے 'نیلسن منڈیلا'
جنہوں نے 'گوری حکومت' کا ہر ستم جھیلا
وہ اک جزیرے میں 'پچیس سال' سے تھے قید
تھے چند لوگ شکاری، تمام ملک تھا صید
مقامی لوگ تھے 'ریڈانڈین' کی طرح حقیر
سفید ہاتھ میں تھی، کالے ہاتھ کی تقدیر
وہ اپنے دیس میں رہتے تھے 'شؤدروں' کی طرح
تمام قوم تھی گوروں کے نوکروں کی طرح
میں جب گیا تو وہاں ایک جنگ جاری تھی
بنامِ نسل، بہ عنوانِ رنگ جاری تھی
زمیں کے بیٹے، نبرد آزما، فلک سے تھے
وطن کے نام پہ باغی 'خدا' تلک سے تھے

☆☆☆ بہت پیارے نظر آتے ہیں۔ **سوڈاکیو**۔ ایلورہ جیسے غار جن میں قدیم تاریخ کے نشانات اور حوالے موجود ہیں۔ ان تمام مقامات پر سرکاری گائڈز رہنمائی کرتے ہیں۔ 'ہری کرشن ہری رام تحریک' کا مشہور شوالہ جوڈربن میں ہے۔ **نیلسن منڈیلا**۔ افریقن نیشنل کانگریس کا وہ باغی رہنما، جو بعد میں جنوبی افریقہ کا صدر بنا (نیلسن منڈیلا 'روبن آئی لینڈ' میں ۲۷ سال قید رہنے کے بعد ۱۹۹۰ء میں رہا کیے گئے) **ریڈانڈین**۔ امریکہ کی مقامی آبادی جو آج بھی جنگلوں میں رہتی ہے۔

O

وہاں پہ ایک مرے دوست بھی ہیں یونس میؔر
جو اپنے ملک میں 'اردو زبان' کے ہیں سفیر
وہ ڈاکٹر ہیں مگر شاعری بھی کرتے ہیں
(اسی ادا پہ تو ہم لوگ ان پہ مرتے ہیں)
وہ میؔر و غالبؔ و اقبالؔ کے ہیں شیدائی
فراقؔ و فیضؔ کے عاشق ہیں اور تمنائی
ہے اُن کا حلقہ یاراں بہت وسیع و عریض
بنارکھا ہے انہوں نے سبھی کو اپنا 'مریض'
وہ 'شاعری' سے سبھی کا علاج کرتے ہیں
اِسی طرح وہ ہر اک دل پہ راج کرتے ہیں
وہاں پہ اور بھی اک دوست تھے، حبیب الحق
غلط نہیں جو انہیں میں کہوں 'ادیب الحق'
وہاں پہ وہ عربی **'فارسی'** پڑھاتے تھے
اور اُس کے ساتھ ہی اردو ادب سکھاتے تھے
بڑے ہی عالم و تاریخ داں تھے، ناقد بھی
بہت ہی نیک، بہت پارسا و عابد بھی

فارسی۔ڈاکٹر پروفیسر حبیب الحق ندوی۔ڈربن یونیورسٹی ویسٹ وھائل میں شعبہ عربی، فارسی اور اردو کے صدر تھے۔

کئی کتب کے مترجم بھی تھے، مولّف بھی
مورّخ اور محقّق بھی تھے، مصنف بھی
وہاں ہیں **حضرت سلمان** بھی ہمارے دوست
ہیں ایک عالم دیں اور بہت ہی پیارے دوست
جناب احمدِ **'دیدات'** بھی ہیں ڈربن میں
کمال اُن کو بھی حاصل ہے بحث کے فن میں
وہاں مہاتما گاندھی کے بھی ہیں پیروکار
مہاتے، فاطمہ میر اور **مطلّب پرکار**
ہو **کیپ ٹاؤن، پری ٹوریا** کہ **جانس بَرگ**
زمیں پہ آدم و حوا کے جگمگاتے سورگ
ہر ایک شہر میں ہیں ہم زباں کئی **احباب**
صفؔی و قیسؔ بھی گلزارؔ و گلؔ بھی اور شبابؔ
ہیں اُن میں حضرت راغبؔ کے بھی کئی شاگرد
اور اب کے ایک 'سیہ فام' بن گئی شاگرد

حضرت سلمان۔ڈاکٹر پروفیسر سلمان ندوی (حضرت مولانا سلیمان ندوی کے صاحبزادے) صدر شعبہ اسلامیات۔**دیدات**۔عیسائی پادریوں سے ان کے مناظرے مشہور ہیں۔وہ انجیل پر گہری نظر رکھتے تھے۔**مہاتے**۔ڈاکٹر مہاتے۔**فاطمہ میر**۔مہاتما گاندھی پر اردو اور انگریزی کتابوں کی مصنفہ۔**مطلّب پرکار**۔عبدالمطلّب پرکار، شعر بھی کہتے ہیں۔**کیپ ٹاؤن**۔بندرگاہ جس کے ساحل سے انٹارٹیکا تک کہیں زمین نہیں، گویا زمین کا آخری کنارا۔**پری ٹوریا**۔جنوبی افریقہ کا صدر مقام۔**جانس برگ**۔بین الاقوامی ایئرپورٹ۔**احباب**۔یہ تمام حضرات اردو کے شاعر و ادیب ہیں۔

وہ اپنی ماں کی طرف سے تھی انڈین لڑکی
اور اپنے باپ کی جانب سے افریقن لڑکی
اُسے پسند تھی شلوار اور ساری بھی
وہ 'رام' اور 'کرشنا' کی تھی پجاری بھی
وہ 'افریقان' بھی بولے، ہماری اردو بھی
مہکتی رہتی تھی بھارت کی اُس میں خوشبو بھی
وہ شاعرہ بھی تھی، بھر پور ایک عورت بھی
لگے کہ مجھ سے تھی کچھ اُس کو 'خاص رغبت' بھی
غزل دکھائے وہ راغبؔ کو، مجھ سے بات کرے
اِسی بہانے مرے ساتھ دن کو رات کرے
وہ مسکرائے تو موتی بکھر بکھر جائیں
عجیب آنکھیں تھیں، دیکھیں تو سحر کر جائیں
بدن۔۔ وہ ترشا ہوا بت، سیاہ پتھر کا
وہ زلف۔۔حلقہ بہ حلقہ وہ جال گھونگھر کا
یہ دل ۔۔اسیر بھی ہو اور رہائی بھی چاہے
مگر، گرفت میں رہنے کا شوق بھی۔۔گاہے

افریقان۔جنوبی افریقہ کی قومی زبان۔

وہ شاعری میں کہے اپنے دل کی بات، مگر
میں اس کی بات پہ کرتا کوئی عمل کیوں کر
ہمارے بیچ میں تھی ایک تیغ دو دھاری
ازل سے جس کے سبب 'نرکھ' میں ہیں نر، ناری
مجھے یہ ڈر کہ مرا دل مچل نہ جائے کہیں
یہ التفات، حدوں سے نکل نہ جائے کہیں
سو میں نے ایک قرینے سے دل کی بات کہی
جو بات کہنا تھی مجھ کو، بہ احتیاط کہی

من تو شدم

عجیب بات ہے، ہم دور دور رہ کر بھی
نگاہ و دل میں کوئی فاصلہ نہیں رکھتے
مثالِ آئینہ و عکس، روبرو ہیں سدا
گواہ بھی کوئی اپنے سوا نہیں رکھتے

بس ایک بات، جو میں نے کہی نہ تم نے سنی
ہمارے دل میں ہے روشن، کسی 'وحی' کی طرح

وحی۔وہ تلفظ جو 'اردو' میں رائج ہے۔

وہ کیفیت، جو فرشتوں کو بھی نصیب نہیں
ہمیں ملی ہے، خدا کے کسی نبی کی طرح

یہ دل کی بات ہے، دل میں رہے تو اچھا ہے
نظر کی بات، نظر ہی کہے تو اچھا ہے

O

سفر میں سانحے ہوتے ہیں اکثر ایسے بھی
جو پیش آتے ہیں ہم اہلِ دل کو ویسے بھی
یہ حادثہ بھی ہوا، شکر ہے کہ ٹل بھی گیا
میں گر رہا تھا۔مگر آپ ہی سنبھل بھی گیا

O

تھا ایک دن مرا **'لیکچر'** غزل کے بارے میں
کہی جو میں نے کوئی بات استعارے میں
تو میں نے دیکھا کہ لڑکی وہ مسکرانے لگی
(لگا کہ ضبط کی طاقت کو آزمانے لگی)

لیکچر۔ڈربن یونیورسٹی ویسٹ وھائل میں ۳۱ اگست ۱۹۸۷ء کو غالب کی یاد میں ایک سمپوزیم تھا جس میں میرے لیکچر کا عنوان تھا 'اردو غزل غالب سے فیض تک' اس لیکچر کا وڈیو کیسٹ وہاں یونیورسٹی کے اردو ڈپارٹمنٹ میں محفوظ ہے اور ڈاکٹر حبیب الحق ندوی نے مجھے بھی یادگار کے طور پر 'ایک کاپی' عنایت کر دی تھی۔

وہ کوریڈور میں (جلسے کے بعد) مجھ سے ملی
نظر ملی تو لبوں پر پھر اک کلی سی کِھلی
مگر وہ آنکھیں!(وہ اُن پر نہ رکھ سکی قابو)
تڑپ کے پلکوں تک آئے، ڈھلک پڑے آنسو
جہاں جہاں بھی گیا میں،وہ اشک ساتھ رہے
نگاہ و دل میں بہ **قیدِ تعینات** رہے

O

وہ اک جزیرہ کہ ہے جس کا نام، موریشس
جہان بھر میں عجب ہے مقام، موریشس
وہاں ہیں 'دیر و حرم' بھی،مگر ہیں دونوں ساتھ
'رحیم و رام' ہیں گویا 'خدا' کے دونوں ہاتھ
وہ عید ہو کہ دوالی، مناتے ہیں دونوں
'بسنت رُت' میں پتنگیں اڑاتے ہیں دونوں
وہ موسموں کے ستم ساتھ ساتھ سہتے ہیں
غم و خوشی میں برابر شریک رہتے ہیں
کوئی عقیدہ ہو، سب احترام کرتے ہیں
اور اِس طرح سے دلوں میں مقام کرتے ہیں

قیدِ تعینات۔صوتی قافیہ۔

وہاں کے اہلِ ادب میں ہیں ایک اہلِ سخن
وہ جنکا اسمِ گرامی ہے 'حضرتِ عیدن'
بہت ہی خوب وہ شاعر ہیں اور انساں بھی
کہ اپنی ذات میں گل بھی ہیں اورگلستاں بھی
ہم اُن کے ساتھ رہے، سب ہی کچھ بہم دیکھا
جو دیدنی تھا، وہ 'گاندھی کا آشرم' تھا
عجب جزیرہ سمندر کے بیچ ہے آباد
جہاں نہیں ہے مذاہب کے درمیان فساد
جو صوفیا نے کبھی دی تھی ہند میں تعلیم
وہاں دکھائی دی مجھ کو بہ فضلِ ربِّ کریم
دوئی۔۔اکائی میں تحلیل ہورہی ہے وہاں
نئے سماج کی تشکیل ہورہی ہے وہاں

۵۰

اُسی مہینے مجھے 'اوسلو' بھی جانا تھا
کہ ہم زبانوں کا اب وہ بھی اک ٹھکانا تھا
وہ لوگ سہتے رہے جو حکومتی بیداد
وہ ناروے و سوئیڈن میں ہوگئے آباد

اوسلو۔شمال میں ناروے کا صدر مقام۔میں ڈربن (جنوبی افریقہ) سے ڈائریکٹ اوسلو چلا گیا۔

مشاعروں میں، میں پہلے بھی جا چکا تھا وہاں
دکھائی دیتا تھا ہر سو مجھے وطن کا سماں
جدھر بھی دیکھئے، اپنے ہی سب دکھائی دیں
ہماری اپنی زبانیں وہاں سنائی دیں
عجیب ملک ہیں 'اسکنڈے نیوین' سارے
وہاں پہ بہتے ہیں تہذیب کے کئی دھارے
ہر ایک دور وہاں ہے، قدیم ہو کہ جدید
کسی عقیدے کی کرتا نہیں کوئی تردید
کوئی ثقافت و دیں ہو، کوئی طریقِ حیات
کُھلی ہے سب کے لیے شاہراہِ امکانات
نصیب سب کو ہے فکر و عمل کی آزادی
لگے کہ زیست ہے خوابوں کی ایک شہزادی
وہاں بھی گرچہ ہے رائج 'نظامِ زرداری'
مگر سماج میں ہے ''اشتراکیت'' جاری
حقوق سب کے ہیں محفوظ امیر ہو کہ غریب
کسی کے دستِ کرم میں نہیں، کسی کا نصیب
وہاں کا شعر و ادب ہو کہ رقص و موسیقی
مصوری کا عمل ہو کہ فنِ بت سازی

وہ **'آرٹ گیلری'** ہو یا کہ میوزیم کوئی
طلسم رنگ کہ دنیائے 'جامِ جم' کوئی
جو دیکھ آئے ہیں،وہ اس کی قدر جانتے ہیں
اُسے وہ جنّتِ فکر و نگاہ مانتے ہیں
وہ ایک پارک جسے کہتے ہیں **'فرگزپارک'**
وہ مرد و زن کی محبت کا 'سنگ پیکر' پارک
وہ مذہبی نہیں، لیکن بہت مقدس ہے
ہر ایک آرٹ میں انساں کا 'حسنِ دِلرس' ہے
ہر ایک جذبۂ فطری وہاں منقش ہے
بتانِ سنگ میں گویا 'خدا' فروکش ہے
تمام شہر کو فن کا صنم کدہ کہیے
'ایلورہ' اور 'اجنٹا' کا آئینہ کہیے

O

میں 'اوسلو' میں **'مجاہد علی'** کا تھا مہماں
وہ 'کاروان' صحافت کا ایک مردِ جواں

آرٹ گیلری۔ اوسلو کی آرٹ گیلری اور منچ میوزیم دونوں قابل دید ہیں۔ **فرگز پارک۔** اس پارک میں انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک مرد وزن کے تعلقات (محسوسات اور جذبات کو عمر کی مختلف منزلوں میں) اپنی جمالیات کے ساتھ سنگ پیکروں میں تراش دیا گیا ہے۔ **مجاہد علی۔** صحافی مجاہد علی اوسلو سے ادبی اور سیاسی رسالہ 'کارواں' نکالتے ہیں۔

عوام دوست، حقیقت پسند اور بیباک
وہ ایک باغیِ عصرِ روانِ خطۂ پاک
وہاں سبھی تھے وطن کی وفا کے مارے ہوئے
جنابِ 'بھٹو' پہ سب کچھ ہی اپنا وارے ہوئے
ہو **'سائیں سُچّا'** کہ **'احمد** فقیہ' یا 'جمشید'
سب اپنی ذات میں عہدِ قدیم کی تردید
وہ **'فین تھیسن'** اک انسان دوست عیسائی
جو ناروے میں ہے اردو زباں کا شیدائی
وہ **'ہرچرن'** جو ہے ہندوستان کا فنکار
مگر جو آج بھی اردو کا ہے فسانہ نگار

O

وہ ہند و پاک کے شاعر ہوں یا جہاں بھر کے
مشاعرے میں وہ مہماں تھے ایک ہی گھر کے
وہ گھر تھا اپنے وطن کے 'مہاجروں' کا گھر
دیارِ غیر میں اردو کے شاعروں کا گھر

سائیں۔ انگریزی کے شاعر و ادیب ساحر لدھیانوی کے منتخب کلام کا انگریزی ترجمہ بھی کر چکے ہیں۔ **احمد فقیہ۔** (شاعر)۔ **جمشید مسرور۔** (شاعر ہیں اور نارویجین شعراء کے تراجم بھی کر چکے ہیں) **فین تھیسن۔** نارویجین ادیب جو اوسلو یونیورسٹی میں اردو کا روفیسر ہے۔ **ہرچرن چاؤلہ۔** افسانہ نگار (انٹرنیشنل لائبریری اوسلو میں ہندی، اردو اور پنجابی کتابوں کا کنسلٹنٹ)۔

ہمارے ساتھ **'محمد علی'** بھی تھے مدعو
وہ کر رہے تھے وہاں ترجمانیِ اردو
ہمارے شعروں کا مطلب بتاتے انگلش میں
جو ہیں نکاتِ سخن، سب بتاتے انگلش میں
وہی تھے ایک وسیلہ بہم ادیبوں میں
کہ گویا 'رابطہ افسر' تھے ہم ادیبوں میں
مشاعرے میں تھے سارے سخنورانِ کرام
وہ جن کو سننے کے مشتاق تھے' خواص و عوام
جنابِ **'کیفی'** و بیدی، فراز اور سردار
ضمیر و عالی و پروین و کشور اور خمار
میں میہماں بھی تھا محفل کا، میزباں بھی تھا
تمام اہلِ سخن کا مزاج داں بھی تھا
تھے حاضرین میں ہندو بھی اور مسلماں بھی
وہاں نہ تھا کسی نفرت کا کوئی امکاں بھی

O

مگر وہ لوگ، وہ مخصوص صاحبِ ایمان
وطن میں جن کی ہمیشہ الگ رہی پہچان

محمد علی۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی (اردو کے نقاد اور انگریزی کے صحافی) **کیفی** (اوسلو میں مدعو شعراء) کیفی اعظمی، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، احمد فراز، علی سردار جعفری، سید ضمیر جعفری، جمیل الدین عالی، پروین شاکر، کشور ناہید، خمار بارہ بنکوی اور جون ایلیا۔

'دیارِ پاک' میں رہ کر نہ بن سکے 'پاکی'
یہ 'مشتِ خاک' تھے ثابت ہوا کہ ہیں 'خاکی'
کہیں **'سپاہِ صحابہ'** کہیں **'سپاہِ نبی'**
یہ اُن کو ماریں کبھی اور وہ اِن کو ماریں کبھی
سبھی خدا کے، رسولِ خدا کے پیروکار
مگر سبھی کے جدا اور منتشر افکار
کہیں تھے فقہی مسائل، کہیں علاقائی
کہیں لسانی تعصّب، کہیں پہ آبائی
زمین و زر کے پرستار، کرسیوں کے غلام
جو اقتدار میں ہو، اس کے بندۂ بے دام
ہزار خانوں میں تقسیم تھے ہمارے لوگ
بہت ہی 'لائقِ تعظیم' تھے ہمارے لوگ

O

کراچی شہر کہ ہے شہرِ قائدِاعظم
بہت دنوں رہا اِس کا عجیب ہی عالم
کہیں بموں کے دھماکے، کہیں چلے گولی
کہیں پہ کھیلیں مسلمان خون کی ہولی

سپاہِ صحابہ۔ (سنی انتہا پسندوں کی جماعت) **سپاہِ نبی**۔ (شیعہ انتہا پسندوں کی جماعت)

کہیں پہ چوڑیاں، ڈاکے تو لوٹ مار کہیں
پولیس کے ہوتے' کسی کو نہ تھا قرار کہیں
'زبان' بن گئی پہچان، دوست دشمن کی
اُجڑ کے رہ گئی سارے بہار' گلشن کی
جو پیار کی تھی علامت، وہ نفرتوں میں ڈھلی
دلوں کی بجھ گئی شمعیں، ہَوا کچھ ایسی چلی
پڑوسیوں سے پڑوسی کو خوف آنے لگا
خود اپنا سایہ ہی انسان کو ڈرانے لگا
جو مسجدوں میں تحفظ نہ ہو، تو جائیں کہاں
خدا کے گھر میں بھی ملتی نہ تھی کسی کو اماں
عجب درندوں کا جنگل بنا ہوا تھا یہ شہر
خود اپنی قوم کا مقتل بنا ہوا تھا یہ شہر

O

کوئی تو سوچتا، اِس کا سبب ہے کیا آخر؟
وفا شعار ہیں کیوں مائلِ جفا آخر؟
میں سوچتا تو مرا دل دھڑک کے رہ جاتا
جو میں نہ کہہ سکوں وہ بات کوئی کہہ جاتا

اک ایسے ہی کسی عالم کی ترجماں ہے 'یہ' نظم
حقیقتِ پسِ پردہ کی رازداں ہے 'یہ نظم'

وطن کی فکر کر ناداں۔۔۔

ابھی تو کچھ نہیں ہوا، ابھی تو ابتدا ہے یہ

اور اب وہ وقت آئے گا کہ ساری قوم روئے گی
اور اپنے دل کے داغ اپنے آنسوؤں سے دھوئے گی
یہ 'سرزمینِ پاک' ہے کہ 'ارضِ کربلا' ہے یہ

یہ لوٹ مار، قتل و خوں، ڈکیتیاں، تباہیاں
بموں کی زد پہ ہنستی گاتی، جگمگاتی بستیاں
بہشت میں کہاں سے اِک جہنم آ گیا ہے یہ

یہ علامہ اقبال کا شعر ہے۔
وطن کی فکر کر ناداں قیامت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں 'آسمانوں' میں
'محولہ بالا نظم' میں نے ۱۹۸۷ء میں کہی تھی۔ ان دنوں کراچی اور اندرون سندھ بموں کے دھماکے ہوتے تھے اور لوگ کیڑے مکوڑوں کی طرح مار دیے جاتے تھے۔ ہر قسم کی دراز دستی اور قانون شکنی عام تھی۔ یہ نظم نہ صرف میں نے مشاعروں میں پڑھی بلکہ 'وطن پیارا وطن' کے عنوان سے پاکستان کے اخباروں کے علاوہ 'اوسلو' کے رسالہ 'کارواں' اور سعودی عرب کے رسالے 'اردو نیوز' میں بھی شائع ہوئی ہے۔

یہ کس کی آبرو لُٹی، یہ کس کا سینہ شق ہوا
یہ کون بھائی ہے کہ جس سے بھائی جاں بحق ہوا
بہن کی زندہ لاش کون یوں بھنبھوڑتا ہے یہ

یہ خودکُشی کی مشق ہے کہ جنگِ خانہ ساز ہے
کہ 'غزنوی' کمالِ فن' بصورتِ 'ایاز' ہے
جو ہم میں جاں بہ لب ہے، وہ ضمیر پوچھتا ہے یہ

ہم اپنے ہاتھ ہی سے اپنا جسم کاٹتے بھی ہیں
پھر اپنی ہی زباں سے اپنا خون چاٹتے بھی ہیں
اگر ہے یہ جنون تو جنوں کی انتہا ہے یہ

سنا ہے اس فساد میں پڑوسیوں کا ہاتھ ہے
ہماری اپنی آستیں میں دشمنوں کا ہاتھ ہے
خبر نہیں فسانہ ہے کہ امرِ واقعہ ہے یہ

دیارِ پاک میں سدا عجیب سلسلہ رہا
زبان و دل کے درمیاں ہمیشہ فاصلہ رہا
سیاستِ وطن کا اک طویل سانحہ ہے یہ

خدا و دیں کے نام پر اگر یہ قوم ایک تھی
تمام اُمّتوں کے درمیاں یہ سب سے نیک تھی
تو آج کیوں ہے بدترین، کیوں بہم جدا ہے

سبھی ہیں اِس نفاق کے جواز کی تلاش میں
یہ راز ہے چُھپا ہوا سیاستِ معاش میں
علاقہ واریت نہ قومیت کا مسئلہ ہے یہ

شناخت کی ہر ایک شکل، معتبر سہی مگر
ثقافتوں کے نام پر یہ فوقیت بہم دگر
'شکست خوردگی' کا آئینہ اور کیا ہے یہ

حسب نسب کی خوش گمانیاں ہیں اور آدمی
خیال و خواب کی کہانیاں ہیں اور آدمی
اور آدمی ہے کیا، ہَوا کی زد پہ اک دیا ہے

یہی دیا بھڑک اُٹھے تو مہر و ماہ کچھ نہیں
جو بجھ گیا تو یہ بجز 'غبارِ راہ' کچھ نہیں
مگر ہم آج کیوں دھواں دھواں ہیں، سوچنا ہے یہ

وطن میں رہ رہے اور وطن سے واسطہ نہیں
ہمارے گرد و پیش آج کوئی راستہ نہیں
زمین پر ہیں یوں قدم کہ زیرِ پا خلاء ہے یہ

میں ایک نوجواں کی گفتگو یہاں رقم کروں
مری تو آنکھ نم ہے، آپ کی بھی آنکھ نم کروں
وہ کہہ رہا تھا 'آپ کے گناہ' کی سزا ہے یہ

وہ قوم جو بکھر چکی، وہ کیا سمٹ سکے گی اب
یہ نفرتوں کی ہے خلیج، خاک پٹ سکے گی اب
کہ آپ ہی کے نقشِ پا کا ایک سلسلہ ہے یہ

بزرگ اپنے فیصلوں پہ شرمسار ہوں نہ ہوں
حقیقتوں سے اُن کے خواب، ہمکنار ہوں نہ ہوں
ہمیں جو آپ نے دیا، وہ کاسۂ گدا ہے یہ

کہا گیا تھا یہ 'وطن' بنا ہے سب کے واسطے
تو ہم پہ آج کیوں ہیں بند، زندگی کے راستے؟
یہ خانہ جنگیاں نہیں 'جہادِ للبقاء' ہے یہ

میں سوچتا ہوں، ایسے نوجواں کو کیا جواب دوں
نظر سے گر چکے جو خواب، اُن کو کیسے آب دوں
میں کس طرح کہوں اُسے' فنا کا راستہ ہے یہ

اُدھر ہیں اقتدار کے نشے میں چُور، حکمراں
اِدھر عوام کا ہجوم، مشتعل، شرر فشاں
اور اِن کے درمیاں وطن کا بختِ نارسا ہے یہ

یہی تو کشمکش تھی جو ہمیں 'دو نیم' کر گئی
ہر ایک خواب چھین کر ہمیں یتیم کر گئی
ہمارے پاس اب ہے کیا، بقاء کا آسرا ہے یہ

دھڑک رہا ہے دل مرا، وطن کا حال دیکھ کر
یہ انتشار دیکھ کر، یہ اشتعال دیکھ کر
خدا بچائے، کس طرف مرا وطن چلا ہے یہ

O

یہ نظم لکھتا تھا میں اور روتا جاتا تھا
دعا بہ لب رہا، جب بھی قلم اٹھاتا تھا

دعا

مرے وطن، مری ہر اک دعا ہے تیرے لیے
مرے خدا سے مری التجا ہے تیرے لیے
تجھے وہ غم نہ ملے جو مرے نصیب میں ہے

ترا وجود، مرے خون سے عبارت ہے
مرے قلم کی طرح، تو مری امانت ہے
بسا ہوا تو ہر اک شاعر و ادیب میں ہے

یہ ناخدا جو 'خدا' بن گئے بفضلِ خدا
یہ چاہتے ہیں کہ ہو جاؤں میں بھی تجھ سے جدا
مگر وہ عہد و وفا جو مری صلیب میں ہے

خدا کرے تو سلامت رہے' قیامت تک
دلوں میں تیری محبت رہے' قیامت تک
ترے لیے یہ دعا' ہر دلِ غریب میں ہے

۵۱

'ضیاء' کے ساتھ ہُوا جو، سبھی کو ہے معلوم
کوئی تھا دنگ، کوئی خوش، کوئی بہت مغموم
ازل سے ہے یہ مکافات کا عمل جاری
عمل سے ہوتا ہے ردِعمل بہت بھاری
کوئی کہے کہ یہ 'سی آئی اے' کی ہیں برکات
کسی کو آئے نظر' اِس میں انڈیا کا 'ہاتھ'
غرض کہ جتنے تھے منہ' اُس قدر ہوئی باتیں
جو سوچیے تو سیاست کی تھیں یہ سب گھاتیں
چلی تھی جو بھی روایت 'شہیدِ ملّت' سے
وہی تھی آج بھی جاری 'کمالِ حکمت' سے
یہ راز، رازِ حکومت ہے، حکمراں جانیں
'رموزِ مملکتِ خویش، خسرواں جانیں'

ضیا۔ ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق فوجی یونٹوں کے معائنے کے لیے بہاولپور گئے واپسی پر ان کے 'جہاز' کو بم سے اڑا دیا گیا۔ اس حادثے میں ان کے ساتھ چیئرمین جوائنٹ چیف آف اسٹاف، جنرل اختر عبدالرحمان اور آرمی کے وائس چیف آف اسٹاف، لیفٹیننٹ جنرل محمد افضال سمیت 'پانچ جنرل' ایک اسکواڈرن لیڈر، امریکہ کے سفیر آرنلڈ رافیل اور عملے کے چودہ ارکان جاں بحق ہوئے۔ **ہاتھ**۔ صوتی قافیہ۔

O

خدا کے ملک میں 'ایمانِ غیب' لازم تھا
وہی ہوا ہے یہاں بھی، جو 'حُکمِ حاکم' تھا
عوام میں تھا جو 'بھٹو' کا خانداں مقبول
تو 'بے نظیر' کو ہونا تھا بے گماں مقبول
بنی پھر ایک **'حکومت'** وطن میں 'جمہوری'
جو آرزو تھی 'عوامی' وہ ہوگئی پوری
وہی 'وڈیرے' بنامِ عوام پھر آئے
کہ 'بندگانِ خدا' زیرِ دام پھر آئے
مگر وہ ایک کہاوت بھی یاد کرلیجیے
(کہ اب 'برائے ضرورت' بھی یاد کر لیجیے)
کہا گیا ہے کہ بکرے کی ماں ہویا بیٹی
ہمارے ملک میں قسمت کی ہے بہت ہیٹی

حکومت۔ صدر پاکستان غلام اسحٰق خان نے قومی اسمبلی میں زیادہ نشستیں حاصل کرنے کے سبب یکم دسمبر ۸۸ء کو بے نظیر بھٹو کو وزیراعظم پاکستان نامزد کیا اور ۲ دسمبر ۸۸ء کو انہوں نے اپنے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔

خدا کے نام پہ قربان اُس کو ہونا ہے
ملا ہے جو بھی اُسے' ایک روز کھونا ہے
سو 'بے نظیر' بھی اِک دن گئیں **'وزارت'** سے
'نواز' آئے حکومت میں اپنی 'حکمت' سے
مگر چلی نہ یہ گاڑی بھی دو **'قدم'** آگے
لکھا تھا اِس کی بھی قسمت میں اک ستم آگے
یہ اِک سیاستِ دیرینہ تھی کہ جاری تھی
جو آج ایک' تو کل دوسرے کی باری تھی
کبھی نواز شریف اور بے نظیر کبھی
کوئی 'امیر' کبھی اور کوئی 'امیر' کبھی
'غریب' کوئی حکومت میں تھا نہ امکاں تھا
یہ کھیل 'دولتیوں' کا تھا اور نمایاں تھا
پھر ایک وقت وہ آیا کہ 'صدر' تھا نہ 'وزیر'
کھڑی تھی ایک دوراہے پہ 'ملک کی تقدیر'

وزارت۔ ۶/اگست ۱۹۹۰ء کو صدر پاکستان غلام اسحاق خاں نے بے نظیر بھٹو کو وزارت عظمیٰ کے عہدے سے برطرف کر دیا اور غلام مصطفےٰ خاں جتوئی کو نگراں وزیراعظم مقرر کیا اور ۲۴/اکتوبر ۱۹۹۰ء کو عام انتخابات کا اعلان کیا۔ **آئے۔** یکم نومبر ۱۹۹۰ء کو نواز شریف وزارت عظمیٰ کے لیے نامزد ہوئے اور ۶ نومبر ۱۹۹۰ء کو انہوں نے حلف اٹھایا پھر ۱۸ اپریل ۱۹۹۰ء کو نواز شریف کو بھی برطرف کر دیا گیا مگر ۲۶ مئی ۱۹۹۳ء کو عدالت عالیہ نے انکی حکومت بحال کر دی۔ **قدم۔** ۱۸ جولائی ۱۹۹۳ء کو انہیں دوبارہ ہٹا دیا گیا۔ ۱۷ جولائی ۱۹۹۳ء کو غلام اسحاق خاں صدارت سے مستعفی ہوئے اور اسپیکر وسیم سجاد قائم مقام صدر ہو گئے۔

O

ہمیں دیا گیا پھر اِک **’وزیراعظم‘** بھی
جو جانتا تھا حکومت کے پیچ اور خم بھی
وہ اپنے ملک میں آیا تھا **’بوگرا‘** کی طرح
’خدا‘ کا اس پہ بھی ’سایہ‘ تھا بوگرا کی طرح
چنانچہ پھر یہاں برپا ہوئے ’الیکشن‘ بھی
ہمیں دکھایا گیا ’دستِ غیب‘ کا فن بھی
ہمارے ’ہاتھ‘ تھے لیکن چلاتے امریکی
ہمارے گھوڑوں پہ **’جاکی‘** بٹھاتے امریکی
’خدا کے ملک کا‘ یوں کاروبار چلتا رہا
اُبھر اُبھر کے ہر اک آفتاب ڈھلتا رہا
’حکومت‘ آتی رہی، چَھب دکھا کے جاتی رہی
ہماری قوم فقط ’ڈگڈگی‘ بجاتی رہی

وزیراعظم۔۱۸جولائی ۱۹۹۳ءکو معین قریشی جو امریکہ سے بھیجے گئے تھے تین ماہ کے لیے وزیراعظم پاکستان نامزد ہوئے ۱۶/اکتوبر ۱۹۹۳ء کو ان کی نگرانی میں الیکشن ہوئے اور ۱۹/اکتوبر ۱۹۹۳ء کو بے نظیر بھٹو وزیراعظم بنائی گئیں (۱۳نومبر ۱۹۹۳ء کو صدارت کے الیکشن ہوئے ۱۴نومبر ۱۹۹۳ء کو فاروق احمد لغاری کو صدر پاکستان بنایا گیا) ۵نومبر ۱۹۹۶ء کو صدر لغاری نے بینظیر بھٹو کو ہٹا دیا اور معراج خالد کو نگراں وزیراعظم نامزد کیا۔ **بوگرا**۔ محمد علی بوگرہ۔ **جاکی**۔ ۳فروری ۱۹۹۷ء کو پھر الیکشن ہوئے اور ۷افروری ۱۹۹۷ء کو نواز شریف نے وزارت عظمیٰ کا حلف اٹھایا (ادھر ۲دسمبر ۱۹۹۷ء کو صدر فاروق لغاری کو ہٹا کر ۳۱دسمبر ۱۹۹۷ء کو رفیق تارڑ کو صدر پاکستان بنایا گیا جو بفضل خدا آج تک ہیں) **حکومت**۔ جنرل ضیاء الحق نے دستور میں جو ترمیم کی تھی وہ ان کے بھی کام آئی (محمد خاں جونیجو کو برطرف کیا گیا) اور بعد میں (غلام اسحاق خاں سے محمد فاروق خان لغاری تک) ہر صدر کے کام آتی رہی۔

O

صدی کا ’آخری عشرہ‘ ہے اور اپنا ملک
ہنوز ’شاعرِ مشرق‘ ایک ’سپنا‘ ملک
خدا کی اور رسولؐ خدا کی پیاری قوم
مگر ہزار مسائل کے غم کی ماری قوم
’پچاس سال‘ میں جو ’ایک قوم‘ بن نہ سکی
’خدا کے ملک‘ میں بھی ’نیک قوم‘ بن نہ سکی
تعصّبات ہیں، غربت ہے اور جہالت ہے
منافقانہ سیاست ہی جس کی قسمت ہے
ہزار فرقوں میں تقسیم ہے ’بفضلِ خدا‘
یہ پھر بھی ’قابلِ تعظیم‘ ہے ’بفضلِ خدا‘
ادب میں، دین میں، سائنس میں، صحافت میں
ہنر میں، علم میں، تہذیب میں، ثقافت میں
ہر ایک فن میں نمائش ہے اور دکھاوا ہے
یہ گویا اونٹ کے کوہان پر کجاوا ہے
نہ کوئی قیس نہ لیلیٰ نہ کوئی محمل ہے
نہ کوئی راہِ سفر ہے نہ کوئی منزل ہے

سیاست، ایک تجارت (دکانِ سود و زیاں)
تجارت، اک ہوسِ زر کا بحرِ بے پایاں
کسی طرح کہیں مل جائے دولتِ قارون
(گر اِس میں ہوتا ہے، ہوتا رہے ضمیر کا خون)
صحافت ایک تماشا، ادب ہے خودبینی
غزل۔سخن کے گلستاں میں 'شغلِ گل چینی'
نہ اپنی قوم نہ اپنے وطن سے آگاہی
غمِ جہاں نہ جہانِ محن سے آگاہی
کبھی لکھیں بھی حقیقت تو استعاروں میں
بہ احتیاط کنایوں میں اور اشاروں میں
علامتوں سے 'جو سمجھیں' وہی ہے 'سچ' گویا
(تمام عالمِ ہستی ہے، 'عالمِ رویا')
کہیں جو بات کھلے تو 'صحافتی' ٹھہریں
'شریعتِ ادبی' میں 'ملامتی' ٹھہریں

O

وطن میں جتنے بھی ہیں باشعور اہلِ ادب
جو دن کو کہتے ہیں دن اور شب کو اپنی شب

'ادب' کے باب میں سب کا ادب ہے لمحاتی
سبھی ہیں وقت کے بندے، سبھی خراباتی
'بڑاادب' تو ہے وہ' جس کے ہوں ہزارابعاد
بڑا ادب ہے ہر اک 'فرضِ عہد' سے آزاد

O

میں جب بھی سوچوں یہ دھرتی عجیب لگتی ہے
کبھی کبھی تو بہت بد نصیب لگتی ہے
یہاں **'عمر'** کا محل بھی ہے ایک **'کاک محل'**
ہر ایک 'ماروی' بے بس، کھلونا ہر 'مؤمل'
ہر ایک 'ہیر' کے رستے میں ہے کوئی **'کیدو'**
بجائے 'لیلاں۔ چنیسر' کے پاس ہے **'کنورو'**
ہر ایک موجِ چناب آج بھی یہ کہتی ہے
جو 'سوہنی' ہے وہ 'کچّے گھڑے' پہ بہتی ہے
فنا کا نام ثبات اور ہجر، عینِ حیات
یہی ہے عشق کی قسمت، یہی ہے حسنِ ثبات

عمر۔عمرکوٹ کا بادشاہ جس نے ماروی کو اپنے محل میں قید کر رکھا تھا۔ **کاک محل**۔موہل رانو کی داستان کا جادوئی محل۔ **کیدو**۔ ہیر کی داستان کا ایک کردار۔ **کنورو**۔لیلاں چنیسر کی داستان کا ایک کردار، جس نے ایک قیمتی ہار کے بدلے چنیسر کو (ایک رات کے لیے) لیلاں سے خرید لیا تھا۔

یہ زندگی ہے دو روزہ، کبھی سحر، کبھی شام
جو مر گئے تو مسلسل حیات، عیش مدام
یہی 'وراثتِ جہلِ خرد' ہے اپنا نصیب
جو تھا ازل سے، وہی تا ابد ہے اپنا نصیب
جب ایک قوم کا ماضی و حال ایسا ہو
عروج بھی ہو کبھی تو زوال جیسا ہو
تو ایسی قوم میں اک 'انقلاب' لازم ہے
کسی عظیم تغیر کا باب لازم ہے
وہ انقلاب جو اقبالؔ کی نگاہ میں تھا
جو ایک 'خواب کی صورت' وطن کی چاہ میں تھا

O

ہیں 'میرے بیٹے' بھی چار اور بیٹیاں بھی چار
خدا کا شکر کہ ہیں سب ہی میرے آئینہ دار

(میرے بچوں کے نام) **جاوداں انور**۔ایم اے۔بی ایڈ (پروفیسر اسلامیات)۔**فروزاں مسعود**۔ایم اے، بی ایڈ، ایل ایل بی (پروفیسر سیاسیات)۔**غزالاں شفیق** (لیکچرار) ایم اے ایم ایڈ (ایجوکیشن)۔**ڈاکٹر زرافشاں وسیم**۔ایم بی بی ایس (کراچی) ایم۔ڈی (امریکہ) ('گڑیا' 'زرافشاں' کی عرفیت ہے) **روشن خیال** (کمانڈر۔پاکستان نیوی) ایم اے ادبیات) ایم اے (صحافت) **اوج کمال** (لیکچرار) ایم اے (ابلاغ عامہ) ایم اے (بین الاقوامی تعلقات، فرسٹ کلاس فرسٹ) مدیر (اعزازی) ماہنامہ 'دنیائے ادب' (کراچی) **ذوالجمال**۔ایم ایس سی (ریاضی) ایف اواو (فلائٹ آپریشن آفیسر) سول ایوی ایشن (پاکستان) ایف اے اے (امریکہ) **ڈاکٹر بلند اقبال**۔ایم بی بی ایس (کراچی) ایم ڈی (امریکہ)۔یہ ۲۰۰۱ء تک کا ریکارڈ ہے (مرتب)۔

غریب، سادہ، قناعت پسند، باکردار
خود اعتماد و خود آگاہ اور بہت خود دار
یہ 'جاوداں' وہ 'فروزاں' ہے، یہ 'غزالاں' ہے
جو سب سے چھوٹی سی 'گڑیا' ہے وہ 'زرافشاں' ہے
جو چار بیٹے ہیں۔'روشن خیال' و 'اوجِ کمال'
یہ 'ذوالجمال' تو وہ ہے مرا 'بلند اقبال'
ہر ایک بیٹا کہ آئینہ اپنے نام کا ہے
کہ پاس اُس کو بھی اجداد کے مقام کا ہے
یہ 'باغ' اور یہ 'پودے' یہ 'باردار شجر'
یہ ایک سے ہوئے دو، دو سے بس گیا اک گھر
جو گھر بسے ہیں ہمارے، سدا رہیں آباد
ہماری پھول سی 'بہوئیں' ہمارے سب 'داماد'
شفیق و انور و مسعود احمد اور وسیم
ہماری بہوئیں۔ ثمینہ عزیز اور تسنیم

(میرے داماد) **انورالدین صدیقی** (انجینئر)۔**مسعود احمد رضوی** (انجینئر) **ڈاکٹر وسیم خاں**۔ایم بی بی ایس (پاکستان) ایم ڈی (امریکہ) **شفیق الزماں**۔صدر ٹیلنٹ گلڈ (نگراں) مجلّہ 'شخصیت' (میری بہوئیں) **ثمینہ روشن** (ریسرچ آفیسر) ایم فل، ایم ایس سی (مائیکرو بیالوجی) **تسنیم کمال** (لیکچرار) ایم اے (سیاسیات) بی ایڈ۔**ڈاکٹر فرحین جمال** (ایم بی بی ایس) **عجیبہ اقبال**۔ایم ایس سی (زولوجی) ایم اے (اردو)۔حمایت علی شاعر کی دوسری والدہ اور بھائی بہن بفضل خدا سب موجود ہیں۔والدہ محترمہ سیدّہ حور النساء بیگم۔(بھائی) **میر عنایت علی**۔بی ای (سول انجینئر) مولف 'مٹی میرے دیار کی'۔**میر مجاہد علی**۔ایم اے۔پی ایچ ڈی (افسانہ نگار) **فرزانہ لیاقت علی**۔ایم ایس سی۔بی ایڈ۔**ڈاکٹر شوکت علی شعور**۔پی ایچ ڈی۔**میر آصف علی**۔ایل ایل ایم (ایڈووکیٹ) **شاہین اقبال**۔ایم اے (انگریزی ادبیات)۔

(وہ نوبیاہتا بہنیں) شجیعہ و فرحین
سبھی مہذب و شائستہ، خوش مزاج و متین
بسا ہے جن کی وساطت سے خاندان نیا
نئی زمیں پہ کِھلا ہے، یہ گلستان نیا
خدا کے فضل سے نانا بھی ہوں میں، دادا بھی
کہ آپ اپنی ہوں منزل بھی اور جادو بھی
بس ایک کام کیا میں نے زندگی بھر میں
کہ سارے بچّے ہیں تعلیم یافتہ گھر میں
وہ روشنی ہے کہ آنکھیں ہماری خیرہ ہیں
بہت ہی پیارے ہیں بچّے بہت ہی ہیرا ہیں

O

میں سوچتا ہوں تو وہ دن بھی یاد آتے ہیں
جو دکھ بھرے تھے مگر دل میں مسکراتے ہیں
وہ ایک چھوٹا سا گھر اور مری 'شریکِ حیات'
ہماری گود میں یہ اپنے پیار کی سوغات
مزارِ قائداعظم کے پاس، اک بستی
ہر ایک چیز گراں، صرف زندگی سستی

سحر سے شام تلک۔ ایک فکر، فکرِ معاش
ہر آدمی، ہر اک انسان، چلتی پھرتی لاش
بس ایک خواب۔ وہ موہوم خوابِ بے تعبیر
بس ایک جذبۂ بے نام۔ پاؤں کی زنجیر
بس اک سفر۔ سفرِ ناتمام، تا بہ ابد
بس ایک کاوشِ بے نام۔ زندگی کی سند

O

اور آج سوچ رہا ہوں کہ زندگی کیا ہے
خدا کا ایک 'کھلونا' ہے آدمی، کیا ہے
کہاں سے چل کے کہاں آ گئے.....مگر حاصل؟
وہی ہیں لوگ، وہی راستے، وہی منزل
وہی قلم، وہی الفاظ اور وہی افکار
میں ایک یوسفِ کنعاں.....یہ مصر کا بازار
کوئی شجر نہ حجر ہے، تھکن سی طاری ہے
ابھی ہیں کام بہت اور سفر بھی جاری ہے

(یارزندہ صحبت باقی)

حرف حرف روشنی

اپنے بچوں کے نام

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
سنو، یہ میری نصیحت بھی ہے، وصیت بھی
میں آج تم میں ہوں موجود، کل نہیں ہوں گا
مگر جو تم ہو، تو میں ہوں سدا سلامت بھی
تم اپنا نقطۂ آغاز ہی سہی لیکن
تمہارے ساتھ رواں ہے' مری روایت بھی
میں اپنے ماضیِ مرحوم کی امانت تھا
سو آج تم سے ہے منسوب، یہ امانت بھی
مجھے جو غم ہے تو اتنا کہ اپنے ہی گھر میں
تمہارا ورثہ ہے، میرا عذابِ ہجرت بھی

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
تم اس عذاب کو اک امتحاں سمجھ لینا
تم اپنے غم کا نہ دینا زمین کو الزام
کوئی یقیں بھی دلائے، گماں سمجھ لینا

وطن کے نام پہ کوئی زیادتی ہو اُسے
عنایتِ نگہِ دوستاں سمجھ لینا
یہ جبرِ وقت بھی تاریخ کا تقاضہ ہے
اِسے بھی مرحلۂ قرضِ جاں سمجھ لینا
جو کوئی پوچھے تمہارا حَسَبَ نَسَبَ کیا ہے
تو میرے نام کو حرفِ زیاں سمجھ لینا

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
میں آج اپنی کہانی سنا رہا ہوں تمہیں
وہ راز، جو میرے سینے میں دفن تھا اب تک
وہ راز، اب سرِ محفل بتا رہا ہوں میں
وہ خواب، جس کی حقیقت ہے عالمِ سکرات
میں ایسے خوابِ گراں سے جگا رہا ہوں تمہیں
تم اپنی آنکھ سے دیکھو، خود اپنے چہرے کو
کہ آج اپنا بھی چہرہ، دکھا رہا ہوں تمہیں
وہ حرفِ حق جو سنایا نہیں گیا تم کو
سنو کہ پہلے پہل میں سنا رہا ہوں تمہیں

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
دروغ و مکر کا انبار ہے مری تاریخ
برائے نام خدا ہے، برائے نام ہے دین
خدا و دیں کی گنہگار ہے مری تاریخ
نہ آدمی کی حقیقت نہ زندگی کا سراغ
فقط، قصیدۂ دربار ہے مری تاریخ
فقیہ و شاعر و فنکار، سب 'وظیفہ خوار'
'غلام فکر' کا بیوپار ہے مری تاریخ
جو آج 'شاہی محلّہ' ہے کل یہی تھا 'حرم'
حقیقتاً پسِ دیوار ہے مری تاریخ

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
تمہیں گمان کہ دین دار تھے بہت اسلاف
وفا شعار، محبّ وطن، غریب نواز
عمل میں صاحبِ کردار تھے بہت اسلاف

حقیقتِ پسِ پردہ، بتاؤں کیسے تمہیں
نشے میں اپنے ہی سرشار تھے بہت اسلاف
بدلتے وقت کے تیور کو بھانپ لیتے تھے
ہر اِک گھڑی سے خبردار تھے بہت اسلاف
زمیں کی چاہ میں، جاگیر کے تصوّر میں
بس اپنے 'شاہ' کے غم خوار تھے بہت اسلاف

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
عجب حکایتِ مذموم ہے یہ افسانہ
خبر نہیں ہے کہ بین السطور ہے کیا کیا
بہت ہی سادہ و معصوم ہے یہ افسانہ
ہجومِ لفظ میں اک حرفِ حق نہیں ملتا
صدائے حق سے بھی محروم ہے یہ افسانہ
یہ اور بات، مرے لوگ باشعور نہیں
جبینِ وقت پہ مرقوم ہے یہ افسانہ
مورخین اِسے کوئی نام دیں لیکن
مرے خدا کو تو معلوم ہے یہ افسانہ

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
میں ابتدا سے سناؤں یہ داستانِ عجیب
وہ 'آریائی' تمدّن ہو یا کہ 'سامی' ہو
وہ 'غوریوں' کہ حکومت ہو یا 'مغل' تہذیب
مری زمین کو جس نے بھی دل سے اپنایا
سمجھ لیا اُسے اہلِ وطن نے اپنا حبیب
بڑی کتابیں جو لکھی گئیں کہ اُتری ہوں
اُنہیں سنبھال کے رکھا ہے اپنے دل کے قریب
عجب تھی تشنگیِ علم میرے لوگوں کی
ہر ایک علم ہے سینے میں آج بالترتیب

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
وُرود کا یہ عمل بھی مگر ہے غور طلب
کسی نگاہ میں تھی اِس زمیں کی زرخیزی
حصولِ زر تھا کہیں حملہ آوری کا سبب

کسی کو دیں سے محبت نہ فکر و فن سے پیار
کسی نے آ کے نہ پرکھا یہاں کا علم و ادب
جو چند لوگ کہیں تھے بھی، اہلِ دل، تو اُنہیں
زباں کھولنے دیتا نہ حکمراں کا غضب
ہو 'جوگیوں' کی 'تپسّیا' کہ 'صوفیوں' کا عمل
رہا ہے سینہ بہ سینہ بہ حرفِ زیرِ لب

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
تم اپنے دیس کی مٹّی، اُٹھا کے دیکھو تو
ہر ایک ذرّہ ہے اپنے لہو میں ڈوبا ہوا
حنا سے اپنی ہتھیلی سجا کے دیکھو تو
'حرم سرا' ہو کہ دربار ہو کہ 'راج بھَوَن'
سبھی ہیں ایک، یہ دیوار ڈھا کے دیکھو تو
وہی وزیر، وہی منتری، وہی سالار
کسی کا چہرہ، کسی پر لگا کے دیکھو تو
کہیں زمین سے ملتا نہیں کنارِ فلک
بلندیوں پہ بہت دوٗر جا کے دیکھو تو

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
وہ لوگ اور تھے جن سے ہے یہ زمیں روشن
وہ برہمن تھے نہ مُلّا نہ جوتشی نہ فقیہ
وہ عام لوگ تھے، جن کا دلوں میں تھا مسکن
وہی، جنہوں نے 'بتانِ حروف' کے بدلے
دلِ بشر کو بنایا، حیات کا مخزن
خدا کو 'قیدِ معابد' سے دے کے آزادی
وسیع کر دیا اِس کائنات کا دامن
زمیں گواہ کہ وہ خاک بھی مقدس ہے
جہاں جہاں بھی ہیں، اُن اہلِ درد کے مدفن

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
تمہیں خبر ہے کہ انساں ہے، خواہشات کا نام
جو خواہشات ہو پوری تو یہ جہاں۔ فردوس
وگر نہ مرگِ مسلسل ہے اِس حیات کا نام

خیال و خواب ہوں آزاد تو قفس بھی چمن
جو ہوں اسیر، تو زنداں ہے کائنات کا نام
مگر یہ فلسفہ کیا ہے؟ یہ فلسفہ کیوں ہے ؟
کہ زندگی کا ہے اثبات، قطعِ ذات کا نام
عوام کو یہ عقیدہ دیا گیا ہے کیوں
کہ قتلِ نفس ہے، اک دائمی نجات کا نام

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
یہ نکتہ غور طلب بھی ہے، گفتنی بھی ہے
تمام عیش 'تجمل حسین خاں' کے لیے
مگر ہو 'خواہشِ غالبؔ' تو کشتنی بھی ہے
عوام کے لیے ہر اک شجر ہے ممنوعہ
خواص کے لیے اللہ، بڑا غنی بھی ہے
غریب ہو، تو وہ قسمت کا بھی غریب مگر
امیر ہو، تو وہ تقدیر کا دھنی بھی ہے
فقیہِ شہر کی 'اِس دورُخی' نے سمجھایا
'ہزار چہرہ' ہو 'راوَن' شکستنی بھی ہے

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
میں مانتا ہوں کہ ہر عہد خام ہوتا ہے
ہر اک زمانہ ہے اک حدِّ فکر کا پابند
اور اُس کی زد میں ہر اِک خاص و عام ہوتا ہے
ہر ایک لمحہ کی تکمیل، دوسرا لمحہ
یہ وقت کا ہے سفر، کب تمام ہوتا ہے
بس اِک کشاکشِ اضداد ہے کہ جاری ہے
قیام ہے جو بظاہر، خرام ہوتا ہے
وہ فلسفہ، جو حقیقت نگر نہیں ہوتا
تو اُس کا ردِ عمل، انتقام ہوتا ہے

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
زوالِ بادشہی ہے، زوالِ فکرِ قدیم
وہ جبر و قدر کے اسرار، وہ رموزِ عدم
وہ ماورائے حقیقت، مجاز کی تفہیم

یہ زندگی ہے 'قفس' اور موت 'آزادی'
وہ لامکاں میں، طلسمِ حیات کی تجسیم
حقیقتوں سے زیادہ وہ 'عکس' پر اصرار
وہ آدمی سے سوا،اُس کے 'سائے' کی تعظیم
جنون و عشق پہ ایمان اور خرد سے گریز
یہی تھا اپنے اَب و جد کا ورثۂ تعلیم

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
تغیرات کی زد میں ہے زندگی کا نظام
ہر اک عمل کا مقدر ہے ایک ردِ عمل
ہر ایک صبح کی تقدیر میں لکھی ہے شام
ہر ایک مظہرِ فطرت ہے آدمی کا رفیق
ہر ایک لوح پہ کندہ ہے' آدمی کا نام
زمیں کو اہلِ سیاست نے کر دیا تقسیم
وگرنہ اہلِ زمیں میں ہے کوئی خاص نہ عام
یہ شرق و غرب، سفید و سیاہ، پست و بلند
ہر ایک فرق سے بالا ہے آدمی کا مقام

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
یہ عہد، 'عہدِ خرد' ہے، بہ فیضِ 'حسنِ عمل'
گمان و وہم کے سارے طلسم ٹوٹ گئے
کہ آدمی ہی ابد ہے اور آدمی ہی ازل
نہ وہ 'جہانِ عدم' ہے ، 'وجود کو مامن'
نہ یہ 'جہانِ حسیں' ہے ، 'حیات کا مقتل'
خدا بھی ہے تو وہیں ہے' جہاں ہیں ہم آباد
نظر میں وہ بھی 'موجود' جو ہے 'آنکھ اوجھل'
یہ وقت کا ہے تسلسل، طلوع ہو کہ غروب
یہ اک عمل کا تواتر ہے، زیست ہو کہ اجل

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
تمہیں زمین پر رہنا ہے' آسماں کی طرح
سمیٹنا ہے ہر اک غم کو اپنے دامن میں
کشادہ ظرفیِ قلبِ پیمبراں کی طرح

ملا ہے جو بھی تمہیں میری زندگی کے عوض
عزیز رکھنا ہے اپنی متاعِ جاں کی طرح
یہ رہگزر جو بچھی ہے تمہارے قدموں میں
بصد خلوص، کسی نیک میزباں کی طرح
اِسی وطن کی عطا ہے، اِسی وطن کا کرم
جنم دیا ہے تمہیں جس نے ایک 'ماں' کی طرح

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
تم اب جہاں بھی ہو آباد۔ اُسی زمیں پہ رہو
جو اِس زمیں کا ہے ماضی وہی تمہارا ہے
وہی تمہاری ہے تاریخ، تم کہیں پہ رہو
شجر کا رشتہ' جڑوں سے تو کٹ نہیں سکتا
جہاں جہاں بھی اُگے ہو، وہیں وہیں پہ رہو
تمہاری خاک بھی اِس خاک ہی کا حصہ ہے
تم اپنی خاک میں مل جاؤ گے، یہیں پہ رہو
خیال و خواب کی باتیں، 'فسانہ و افسوں'
یقیں ہے اصلِ حقیقت، سدا یقیں پہ رہو

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
ہر ایک ارضِ وطن کی یہی کہانی ہے
ہر اک زمین کا ہوتا ہے اپنا ایک 'ازل'
وطن نیا سہی، تہذیب تو پرانی ہے
سراغ ملتا ہے تاریخ سے صداقت کا
یہ راز' ایک حقیقت ہے اور زمانی ہے
یہ رمز' وحدتِ اقوام میں ہے پوشیدہ
جو اپنے ربط سے ٹوٹی، وہ قوم فانی ہے
ہزار گردشِ افلاک ہو، پہ گردشِ خوں
ازل سے جاری و ساری ہے، غیر فانی ہے

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
پلٹ کے دیکھو تو شاید زمانہ دکھلائے
وہ شہر جس نے تمہیں زندگی عطا کی ہے
وہ گھر کہ جس کے تصّور سے تم کو نیند آئے

وہ پیڑ (ماؤں کے مانند) سائے میں جن کے
بھری دوپہر میں کچھ دیر تم بھی ستائے
وہ لوگ جن کی محبت کی تم نشانی ہو
وہ راستے جو تمہیں اپنے عہد تک لائے
وہ دور جس کے تسلسل کی اک کڑی ہو تم
تمہارے سامنے ہے آج' ہاتھ پھیلائے

O

مرے لہو کے چراغو ..... مرے جگر پارو
یہ ہاتھ ہاتھ میں لے لو کہ ہیں یہ پیار کے ہاتھ
ہزاروں سال کی بچھڑی ہوئی محبت کے
کسی کی یاد میں خاموش انتظار کے ہاتھ
خزاں کے راہ میں سرمایۂ نمو لے کر
گلوں کی آس میں بے رنگ شاخسار کے ہاتھ
ہوا کا جھونکا ہی شاید کوئی خبر لائے
کسی کی چاپ پہ رکتی ہوئی بہار کے ہاتھ
یہ ہاتھ چھوڑ نہ دینا اگر زمیں ہے عزیز
کہ ان سے بڑھ کے نہیں کوئی اعتبار کے ہاتھ

رو میں ہے رخشِ عمر

خاندانی نام	میر حمایت علی
ادبی نام	حمایت علی شاعر
والد	سید تراب علی صاحب (مرحوم)
والدہ	محترمہ لطف النساء بیگم (مرحومہ)
دوسری والدہ	محترمہ حور النساء بیگم (مرحومہ)
تاریخ ولادت	۱۴/جولائی ۱۹۲۶ء
مقام	اورنگ آباد دکن (انڈیا)
تعلیم	ایم اے (سندھ یونیورسٹی) پاکستان
شادی	۱۴/فروری ۱۹۴۹ء (حیدرآباد دکن)
شریکِ حیات	معراج النساء بیگم
ادبی نام	معراج نسیم

(ہفتہ وار 'پرواز' حیدر آباد دکن میں صفحہ خواتین کی انچارج رہیں اور برسوں افسانے بھی لکھے جو ہندوستان اور پاکستان کے رسائل میں چھپتے رہے۔ ان کا انتخاب پروفیسر جاوداں میر کی مرتبہ کتاب 'معراج نسیم' (ہماری امی جان) مطبوعہ ۲۰۰۳ء میں شامل ہے)

چار بیٹے، چار بیٹیاں اور ان کے رفقائے حیات

پروفیسر جاوداں میر	محمد انور الدین صدیقی (انجینئر)
کمانڈر روشن خیال	پروفیسر ثمینہ عزیز
پروفیسر فروزاں علی	سید مسعود احمد رضوی (انجینئر)
پروفیسر غزالاں حمایت	شفیق الزماں (بینک آفیسر)
پروفیسر اوجِ کمال	پروفیسر تسنیم ہاجرہ
ذوالجمال (انجینئر)	ڈاکٹر فرحین جمال
ڈاکٹر بلند اقبال	شجیعہ اقبال
ڈاکٹر زر افشاں سید	ڈاکٹر وسیم خان

(ان کے بچے بھی اعلیٰ تعلیم سے سرفراز ہوتے جا رہے ہیں)

1۔ صدارتی ایوارڈ (مجموعۂ کلام) 'آگ میں پھول' — 1959ء
2۔ نگار ایوارڈ (بہترین نغمہ نگار) فلم 'آنچل' — 1962ء
3۔ نگار ایوارڈ (بہترین نغمہ نگار) فلم 'دامن' — 1963ء
4۔ رائٹرز گلڈ آدم جی ادبی ایوارڈ (مجموعۂ کلام) 'مٹی کا قرض' — 1974ء
5۔ عثمانیہ گولڈ میڈل (بہادر یار جنگ کلب) کراچی — 1987ء
6۔ نقوش ایوارڈ۔ لاہور — 1987ء
7۔ نگار ایوارڈ 'عقیدت کا سفر' (نعتیہ شاعری کا سات سو سالہ انتخاب) ٹی وی — 1988ء
8۔ مخدوم محی الدین عالمی ایوارڈ (عالمی اردو کانفرنس، دہلی) خدمات کا اعتراف 1989ء
9۔ علامہ اقبال ایوارڈ (مجموعہ کلام) 'ہارون کی آواز' — 1985ء

(پانچ برس کے ایوارڈز کا مجموعی اعلان 1991ء میں کیا گیا اور صدر پاکستان سردار فاروق احمد خان لغاری نے اکادمی ادبیات کے زیر اہتمام اہل قلم کانفرنس 1993ء میں متعلقہ حضرات کو ایوارڈز عنایت کئے)

10۔ ساہتیہ اکیڈیمی ایوارڈ (لکھنو) خدمات کا اعتراف — 1991ء
11۔ ایوارڈ برائے اعلیٰ کارکردگی (ریڈیو پاکستان) — 1993ء
12۔ موجد 'ثلاثی' ایوارڈ (انجمن طلباء قدیم جامعہ عثمانیہ) شکاگو — 1993ء
13۔ وثیقہ اعتراف (ہمدرد فاؤنڈیشن) — 1994ء
14۔ لائف لانگ لٹریری اچیومنٹ ایوارڈ (ایسٹرن آرٹ فورم) نیوجرسی — 1994ء

Life Long Literary Acheivement Award By MAYAR Peter Canto. New Jersey (USA)
From "Eastern Art Forum"

15۔ امریکہ کی اعزازی شہریت (ادبی خدمات کے اعتراف میں) — 1995ء

Honorary Citizenship of Boling Brook By MAYAR Roger.c. Clear. Chicago (USA)

16۔ بہترین ڈرامہ نگار 'شکست کی آواز' (منظوم یک کرداری تمثیل، چھ سو مصرعے)
ریڈیو پاکستان کراچی — 1999ء
17۔ ٹاپ ٹین ایوارڈ — 1999ء

Top Ten Award Orient International Hyderabad
(Broadcaster, Poet, Author, Filmmaker and Director)

18۔ 'نشان اردو' (اردو سوسائٹی، آسٹریلیا) — 2000ء
19۔ نیاز فتح پوری ایوارڈ (حلقہ نیاز و نگار پاکستان) — 2000ء
20۔ نشانِ اعزاز (انجمن طلباء کے قدیم جامعہ عثمانیہ) پاکستان — 2001ء
21۔ لائف اچیومنٹس ایوارڈ (ادبی مرکز، واشنگٹن) امریکہ — 2001ء

Life Acheivement Award ADABI Markaz Washington,
By: Dr. Maliha Lodhi, Ambassedor of Pakistan.

22۔ ایوارڈ آف ریکگنیشن (ینگ ترنگ ریڈیو، ہیوسٹن) امریکہ — 2001ء
23۔ ایوارڈ آف ریکگنیشن (گورنمنٹ آف آنٹوریو) کینیڈا — 2001ء

Award of Recognition (on behalf of Govt. of Ontorio) By: Mr. Frank-Klees and Mr. Jim Karygiannis. MPP (CANADA)

24۔ صدارتی ایوارڈ برائے حسن کارکردگی — 2001ء

Pride of Performance

(اس ایوارڈ کا اعلان 14 اگست 2001ء کو ہوا اور 23 مارچ 2002ء کو صدر پاکستان جناب پرویز مشرف نے

ایوانِ صدر اسلام آباد میں عنایت کیا)

25۔ اُردو مرکز انٹرنیشنل ’فخرِ اُردو ایوارڈ‘ (لاس اینجلس) امریکہ 2002ء

1۔ سچل سرمست کالج حیدرآباد 1963ء

2۔ سندھ یونیورسٹی 1977ء تا 1986ء

3۔ بیجنگ یونیورسٹی (عوامی جمہوریہ چین)

(مرکزی وزارت تعلیم پاکستان کی طرف سے تقرر مگر طبیعت کی خرابی کے سبب معذرت)

روزنامہ ’جناح‘ اور روزنامہ ’ہمدرد‘ (حیدرآباد دکن) 1948ء تا 1950ء

’سازِ نو‘ (حیدرآباد دکن) 1949ء

’شعور‘ (حیدرآباد سندھ) 1956ء

’صریرِ خامہ‘ (مجلّہ شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی)

(اقبال نمبر) 1977ء (نعت نمبر) 1978ء

(’ارژنگ‘ کے زیرِ اہتمام)

1۔ ’بنگال سے کوریا تک‘ (جنگ کے خلاف، عالمی امن کے موضوع پر اپنی طویل افسانوی نظم سندھ یونیورسٹی کے اسٹیج پر ٹیبلو کے انداز میں پیش کی) 1959ء

2۔ اندھیرے اجالے (اسٹیج ڈرامہ، تحریر و ہدایات، حمایت علی شاعر) 1959ء

(محمد علی اور مصطفیٰ قریشی نے پہلی بار اسی اسٹیج ڈرامے میں کام کیا اور فلم اسٹار بن گئے)

دکن ریڈیو اور آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد دکن میں خدمات 1947ء تا 1950ء

ریڈیو پاکستان کراچی اور حیدرآباد سندھ میں خدمات 1951ء تا 1962ء

(ریڈیو پاکستان سے مختلف ادبی اور تحقیقی پروگرام اب بھی پیش کرتے رہتے ہیں)

پی ٹی وی لاہور، کراچی اور اسلام آباد سے مختلف ادبی اور تحقیقی پروگرام

1۔ ’غزل اُس نے چھیڑی‘ (اردو غزل کے سات سو سال) 1974ء

2۔ ’کسوٹی‘ (ذہنی آزمائش کا پروگرام) 1977ء

3۔ ’خوشبو کا سفر‘ (علاقائی زبانوں کے شعراء کا اردو کلام 500 سال) 1988ء

4۔ ’عقیدت کا سفر‘ (اردو نعتیہ شاعری کے سات سو سال) 1988ء

5۔ ’لبِ آزاد‘ (احتجاجی شاعری کے چالیس سال) 1989ء

6۔ ’محبتوں کے سفیر‘ (سندھی شعراء کا اردو کلام 500 سال) 1996ء

7۔ ’نشیدِ آزادی‘ (تحریکِ آزادی میں اردو شاعری کا حصہ، 1857ء تا 1947ء)

(ٹی وی سے مختلف ادبی لسانی قومی اور تاریخی سلسلہ وار پروگرام اب بھی پیش کرتے ہیں)

مختلف فلموں کے نغمات، مکالمات اور اسکرین پلے 1961ء تا 1975ء

1۔ بحیثیت نغمہ نگار پہلی فلم ’آنچل‘ 1962ء

2۔ بحیثیت نغمہ نگار و مکالمہ نگار و منظر نامہ نگار پہلی فلم ’تصویر‘ 1965ء

3۔ بحیثیت فلم ساز و نغمہ نگار، پہلی فلم ’لوری‘ 1966ء

4۔ بحیثیت فلم ساز و ہدایت کار و نغمہ نگار، پہلی فلم ’گڑیا‘ 1975ء

1۔ ’حمایت علی شاعر نمبر‘ روزنامہ ’اورنگ آباد ٹائمز‘ (مہاراشٹر) انڈیا 2 جون 1985ء

2۔ ’گوشہ حمایت علی شاعر‘ روزنامہ ’کلیم‘ سکھر 10 اگست 1987ء

3۔ ’گوشہ حمایت علی شاعر‘ ماہنامہ ’طلوعِ افکار‘ کراچی جولائی 1995ء

4۔ ’گوشہ حمایت علی شاعر‘ سہ ماہی مجلّہ ’عثمانیہ‘ کراچی اکتوبر تا دسمبر 1995ء

5۔ ’حمایت علی شاعر نمبر‘ رسالہ ’شخصیت‘ (618 صفحات) کراچی 14 جولائی 1996ء

6۔ ’گوشہ حمایت علی شاعر‘ سہ ماہی ’لوحِ ادب‘ حیدرآباد سندھ اپریل تا جون 2000ء

7۔ ’گوشہ حمایت علی شاعر‘ ماہنامہ ’چہارسو‘ راولپنڈی ستمبر تا اکتوبر 2002ء

o۔ "The Scholar Poet" (مرتب) پروفیسر عبدالقوی ضیاء (کینیڈا)

(حمایت علی شاعر کے فن اور شخصیت پر انگریزی مضامین کا مجموعہ)۔۔۔۔۔(زیرِ طبع)

(مضمون نگار) پروفیسر عبدالقوی ضیاء، یونس احمر، ڈاکٹر محمد علی صدیقی، خوشونت سنگھ، پرکاش چندر، پروفیسر نظیر صدیقی، پروفیسر اظہر قادری، آفتاب احمد خان، پروفیسر نسیم نیشوفوز، حمیر اشتیاق، سکندر مسرور، نسیم سیماب، سید رضوان اللہ، آفتاب نورانی، بلدیو مرزا، انور نسیم، شفیق احمد شفیق اور اختر پیامی

1۔ 'حمایت علی شاعر حیات اور شاعری' مقالہ برائے پی ایچ ڈی' ڈاکٹر قاضی نوید احمد صدیقی، ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مرہٹواڑہ یونیورسٹی، اورنگ آباد 2006ء

2۔ 'حمایت علی شاعر کی ادبی خدمات کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ' مقالہ برائے پی ایچ ڈی کراچی یونیورسٹی پروفیسر رعنا اقبال، ڈپٹی ڈائریکٹر انفارمیشن، ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی (زیرِ تحریر)

3۔ 'حمایت علی شاعر فن اور شخصیت' مقالہ برائے ایم اے، رشید احمد رشید
سندھ یونیورسٹی جام شورو۔ حیدرآباد 95۔1994ء

1۔ چراغ بکف (کراچی کی ادبی سیاست) ایک دستاویز 1984ء

2۔ احوال واقعی (حیدرآباد سندھ کی ادبی سیاست) 1994ء
(مرتب) پروفیسر مرزا سلیم بیگ، شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی

3۔ بارش سنگ سے بارش گل تک 'آئینہ در آئینہ' سوانح حیات پر مباحث 2002ء
(مرتبہ) پروفیسر رعنا اقبال، شعبہ ابلاغ عامہ، وفاقی اردو یونیورسٹی

4۔ تثلیث یا ثلاثی (نئی صنف سخن پر مباحث) مرتبہ پروفیسر رعنا اقبال 2005ء

1۔ آگ میں پھول (نظمیں، غزلیں، رباعیات) 1956ء

2۔ دودِ چراغِ محفل (یادگار مشاعرہ حیدرآباد کا انتخاب) 1959ء

3۔ مٹی کا قرض (ثلاثیاں، نظمیں، غزلیں) 1974ء

4۔ تشنگی کا سفر (طویل افسانوی اور تمثیلی نظمیں) 1981ء

5۔ ہارون کی آواز (نظمیں، غزلیں اور ہائیکو) 1985ء

6۔ حرف حرف روشنی (منتخب کلام اور ایک طویل نظم) 1986ء

7۔ عقیدت کا سفر (نعتیہ شاعری کے سات سو سال) حصہ اول 1999ء

8۔ آئینہ در آئینہ (منظوم خودنوشت سوانح حیات) تین ہزار سے زائد اشعار 'اردو شاعری میں پہلا تجربہ' 2001ء

9۔ تجھ کو معلوم نہیں (فلمی نغمات) 2003ء

10۔ کلیاتِ شاعر (سات شعری مجموعے) 2008ء

11۔ حمایت علی شاعر کے ڈرامے (ریڈیو ڈرامے)

1۔ شیخ ایاز (جدید سندھی ادب کا عہد آفریں شاعر) 1978ء

2۔ شخص و عکس (تنقیدی مقالات اور مباحث) 1984ء

3۔ کھلتے کنول سے لوگ (دکن کے اہل قلم) حصہ اول 2000ء

4۔ حمایت علی شاعر کے ڈرامے (ریڈیو اور اسٹیج) 2005ء

'بنگال سے کوریا تک' (1952ء تا 1953ء)
(عالمی امن کے موضوع پر لکھی ہوئی طویل افسانوی نظم کے مختلف لسانی روپ)

1۔ Flower in Flames
مترجم: پروفیسر راجندر سنگھ ورما۔ پنجاب یونیورسٹی (پٹیالہ) انڈیا 1985ء

2۔ Flute and Bugle
مترجم: پرکاش چندر، ریزیڈنٹ ایڈیٹر، ٹائمز آف انڈیا (لکھنو) 1998ء

3۔ 'گل باہ مہ' (سندھی روپ) ترجمہ محفوظ ہے
مترجم: پروفیسر ایم ای عالمانی (حیدرآباد سندھ)

4۔ 'بنگال سے کوریا تک' (ہندی روپ) ترجمہ محفوظ ہے
پروفیسر جی این نداف، ابوالکلام آزاد کالج۔ اورنگ آباد (مہاراشٹر) انڈیا

'حرف حرف روشنی' (منتخب کلام اور ایک طویل نظم)

1۔ 'شبد شبد پرکاش' (ہندی روپ) 1992ء
مترجم: قاضی رئیس اورنگ آباد (مہاراشٹر) انڈیا

2۔ Every Word Aglow 1993ء

مترجم: پروفیسر راجندر سنگھ ورما (پٹیالہ) انڈیا

3۔ 'حرف حرف روشنی' (ہندی روپ) ترجمہ محفوظ ہے

مترجم: پروفیسر بھگتل، اورنگ آباد (مہاراشٹر) انڈیا

'حمایت علی شاعر جا ڈرامہ' (ریڈیائی ڈراموں کے سندھی روپ) ترجمے محفوظ ہیں

1۔ 'مفاصلہ (فاصلے)'	مترجم	رشید احمد لاشاری
2۔ 'دشمن آسمان پھنجو (دشمن آسماں اپنا)'	o	ایم بی انصاری
3۔ 'واچوڑو (بگولہ)'	o	ممتاز مرزا
4۔ 'برزخ (برزخ)'	o	محمد اسحاق سرہندی

(حمایت علی شاعر کا منتخب کلام دنیا کی مختلف زبانوں میں منتقل ہو چکا ہے)

1۔ جاگ اٹھا ہے یہ سارا وطن (قومی نغمے اور غنائیے)

2۔ سرگم (گیت)

3۔ حمایت علی شاعر کے ڈارمے (ریڈیائی ڈرامے)

4۔ مہران موج (سندھی لوک کہانیوں کی ڈرامائی تشکیل (منظوم و منثور)

5۔ کچھ پیش رو، کچھ ہم سفر (تنقیدی اور تاثراتی مقالات)

6۔ نئی پود (نئی نسل کے اہل قلم کی تخلیقات کا تنقیدی جائزہ)

7۔ نقطہ نظر (تحقیقی اور تجزیاتی مضامین)

8۔ حمایت علی شاعر کے خطوط (مختلف ادبی مسائل)

9۔ چنگاریاں (اردو شاعرات کا مطالعہ)

10۔ مجھے یاد ہے وہ ذرا ذرا (یاداشتیں، ریڈیو سیریل)

11۔ آدھی ملاقاتیں (اہل قلم کے خطوط حمایت علی شاعر کے نام)

12۔ عقیدت کا سفر (پاکستان میں نعتیہ شاعری) حصہ دوم (ٹی وی سیریل)

13۔ خوشبو کا سفر (علاقائی زبانوں کے شعراء کا اردو کلام، پانچ سو سال)

14۔ لب آزاد (پاکستان میں احتجاجی شاعری کے پچاس سال)

15۔ محبتوں کے سفیر (سندھ میں اردو شاعری کے پانچ سو سال)

16۔ نشید آزادی (تحریک آزادی میں اردو شاعری کا حصہ، 1857ء تا 1947ء)

17۔ بڑے لوگ (بزرگ اہل قلم)

18۔ کہی اَن کہی (رومانی نظمیں)

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، یورپ (برطانیہ، ناروے، سوئیڈن) روس (ماسکو)، افریقہ (جنوبی افریقہ، بوٹسوانا، کینیا) موریشس، چین (مختلف شہر)، سعودی عرب، کویت، مسقط، دوحہ (قطر)، بحرین عرب امارات (ابوظہبی، دوبئی، شارجہ، العین، عجمان وغیرہ) ہندوستان (مختلف شہر)، بنگلہ دیش وغیرہ وغیرہ

☆☆☆